CONTRIBUTION OF PROFESSOR NAZIR AHMAD TO PERSIAN LANGUAGE AND LITERATURE

ABSTRACT

THESIS

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

PERSIAN

Submitted by

NAYEEM AHMED

Under the supervision of

Dr. Afshan Aftab

DEPARTMENT OF PERSIAN
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

2011

THESIS

فارسی زبان وادب میں پروفیسر نذیر احمد کی خدمات

تلخیص

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی

نگراں

ڈاکٹر افشاں آفتاب

مقالہ نگار

نعیم احمد

شعبۂ فارسی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (انڈیا)

۲۰۱۱ء

T-7456

T7456

تلخيص

تلخیص

پروفیسر نذیر احمد ایک عظیم محقق، دانشور اور قاموسی شخصیت کے مالک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ تحقیق نام ہے حق کی تلاش کا اور حق کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ تلخ ہوتا ہے۔ نذیر احمد صاحب کی تحریریں اسی بات کا عملی ثبوت ہیں کہ آپ نے اپنی تحریروں سے تحقیق کے بہت سے بتوں کو توڑا اور اس کی بہت سی روایات کو کالعدم قرار دے کر چند نئی روایات کی تعمیر کی جو بنیاد کے لحاظ سے زیادہ وسیع اور مستحکم ہیں۔

پروفیسر نذیر احمد کی پیدائش ۳ر جنوری ۱۹۱۵ء کو اتر پردیش کے ضلع گونڈا کے ایک گاؤں کولھی غریب میں ہوئی۔ آپ ایک شریف اور باعزت خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد کا نام حاجی اسماعیل اور والدہ کا نام جمن پھلیلہ تھا۔ ابتدائی تعلیم آپ نے ضلع گونڈا کے قصبہ بنگوں کے گورنمنٹ پرائمری اسکول میں حاصل کی۔ مڈل اور میٹرک کا امتحان ضلع گونڈا کے اسکول مسکنواں سے پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں کرسچن کالج سے انٹر کیا، انٹر میں آپ نے دو سال فارسی پڑھی۔ ۱۹۳۹ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے بی۔ اے آنرز (فارسی) کی ڈگری حاصل کی اور پھر مذکورہ یونیورسٹی سے ہی ۱۹۴۰ء میں ایم۔ اے کی ڈگری گولڈ میڈل کے ساتھ حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کا تقرر بحیثیت استاد دیوریہ کے گورنمنٹ ہائر سیکنڈری اسکول میں ہوا۔ اس اسکول میں آپ اردو اور فارسی کی تعلیم دیتے رہے۔ ۱۹۴۳ء میں آپ کا تبادلہ بستی کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں ہوا۔ دوران ملازمت آپ نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور ۱۹۵۴ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے اپنا تحقیقی مقالہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کی زیر نگرانی مکمل کیا۔ مقالے کا موضوع ''ظہوری آثار و حیات'' تھا۔ ڈاکٹریٹ کے بعد بھی آپ نے تحقیق جاری رکھی اور ۱۹۵۰ء میں لکھنؤ یونیورسٹی نے آپ کو فارسی میں ڈی۔ لٹ کی ڈگری عطا کی۔ آپ کی تحقیق کا موضوع "Persian poets of Adil Shah Regime" تھا۔ ڈی۔ لٹ کی ڈگری حاصل

کرنے کے بعد آپ لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی کے استاد کے فرائض انجام دینے لگے۔ ۱۹۵۰ء میں جب آپ لکچرر مقرر ہوئے، آپ کے لئے تحقیق کی راہیں ہموار ہوتی گئیں۔ مذکورہ یونیورسٹی میں درس وتدریس کی اہم ذمہ داری کے باوجود آپ نے تحقیق جاری رکھی اور ۱۹۵۵ء میں ابراہیم عادل شاہ کی کتاب ''نورس'' جو دکنی زبان میں موسیقی پر اپنی نوعیت کی اہم کتاب ہے، مختلف نسخوں کی مدد سے اردو میں ترجمہ کر کے ایک معتبر نسخہ تیار کیا، جس پر آپ کو لکھنؤ یونیورسٹی نے اردو میں ڈی۔لٹ کی ڈگری سے نوازا۔ ۱۹۵۶ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ایران تشریف لے گئے جہاں تہران یونیورسٹی سے پہلوی، فارسی قدیم، فارسی جدید میں ڈپلومہ حاصل کیا۔ ایران میں آپ کے ساتھ پروفیسر امیر حسن عابدی اور پروفیسر سید حسن رضوی بھی موجود تھے۔ ایران میں آپ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ تحقیق بھی جاری رکھی اور وہاں کتب خانوں کے قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا اور ان پر مضامین لکھ کر مجلّات میں شائع کرائے۔ اس سے آپ کی تحقیق کے شعبہ میں دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایران میں ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، بدیع الزماں فروزانفر اور ڈاکٹر خانلری جیسے عظیم اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع حاصل رہا۔

پروفیسر نذیر احمد ایران میں ۹ ماہ کے قیام کے بعد ۱۹۵۶ء میں لکھنؤ واپس پہنچے۔ کچھ ہی عرصہ بعد یعنی مارچ ۱۹۵۷ء میں آپ کا انتخاب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تاریخِ ادب اردو کے اسسٹینٹ ڈائیریکٹر کی حیثیت سے ہوگیا۔ جولائی ۱۹۵۷ء میں آپ مع اہل وعیال علی گڑھ تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ تک تاریخِ ادب اردو کے اسسٹینٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے اس یونیورسٹی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اگست ۱۹۵۸ء میں شعبۂ فارسی دانشگاہ علی گڑھ میں بحیثیت ریڈر آپ کا تقرر ہوا۔ شعبۂ فارسی میں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۹ء میں ڈین فیکلٹی آف آرٹس کے فرائض بھی مقررہ مدت تک انجام دیتے رہے، اسی اثناء ۱۹۶۰ء میں شعبۂ فارسی کے پروفیسر اور صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۷۷ء تک بحیثیت صدر شعبہ فارسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ درس وتدریس اور دوسری اہم ذمہ داریوں کے باوجود آپ نے دن رات علم وادب کی تحقیق جاری رکھی، متعدد مقالات لکھے اور بہت سی نادر اور نایاب کتابوں کے نسخے دریافت کیے اور تصحیح کر کے شائع

کرایا جس سے آپ کی علمی شہرت بلندیوں تک پہنچ گئی۔ بغرض تحقیق بہت سے ممالک یعنی ایران، کویت، روس، افغانستان، پاکستان اور امریکہ کے علمی سفر کیے۔ دورانِ تحقیق ہند اور بیرونِ ہند کی متعدد یونیورسٹیوں اور علمی مجالس و مذاکرات میں حصّہ لیا۔ پروفیسر موصوف نے دنیا کی متعدد یونیورسٹیوں میں توصیفی لکچر دیے جہاں اردو اور فارسی شعبہ موجود ہیں۔ آپ کے ان غیر معمولی کارناموں کی وجہ سے آپ کو بہت سے ایوارڈ اور انعامات سے نوازا گیا جن میں صدرِ جمہوریہ ہند کی طرف سے ۱۹۷۸ء میں توصیفی سند اور اسی سال فارسی تحقیق اور تنقید کے لئے غالب انسٹی ٹیوٹ کے ۱۹۷۶ء کے فخر الدین علی احمد ایوارڈ کے حق دار قرار دئے گئے نیز ۱۹۸۰ء میں انجمن استادانِ فارسی ہند کی طرف سے استادِ ممتاز کے اعزاز سے نوازے گئے۔ ۱۹۸۷ء میں حکومتِ ہند نے علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں پدم شری کے خطاب سے نوازا اور پھر اسی سال امیر خسرو سوسائٹی امریکہ سے نذر خسرو ایوارڈ دیا گیا۔ ۱۹۸۷ء میں ہی دانشگاہ علی گڑھ نے قابلِ قدر علمی اور ادبی خدمات کے پیش نظر استاد ممتاز (Professor emeritus) مقرر کیا۔ ۱۹۸۸ء کو یونسکو نے سال حافظ قرار دیا تھا۔ آپ نے حافظ کے قدیم ترین نسخے کشف کئے اور ان کی تصحیح کر کے شائع کرایا۔ جس پر جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی نے آپ کو حافظ شناس کا خطاب عطا کیا۔ ۱۹۸۹ء میں تہران یونیورسٹی نے پروفیسر موصوف کو ڈی۔لٹ کی آنریری ڈگری سے نوازا جو ایشیاء میں سب سے پہلی ڈگری تھی۔

۱۹۸۹ء میں ہی ایران میں آپ کی علمی اور تحقیقی خدمات کے اعتراف میں ''محمود افشار'' ایوارڈ پیش کیا گیا۔ ۱۹۹۳ء میں آل انڈیا میر اکیڈمی نے ''اعزازِ میر ۱۹۸۹ء'' کی سند پیش کی۔ اس طرح متعدد ایوارڈ ہیں جن کا تفصیلی ذکر مقالے میں پیش کیا گیا ہے۔ دوران تحقیق آپ نے متعدد طلبہ کی پی۔ ایچ۔ ڈی میں رہنمائی فرمائی، جس سے طلباء کو بہترین کارکردگی کا موقعہ ملا۔

ہندوستان میں اردو و فارسی ادب میں تحقیقی کاموں کی روایت کچھ زیادہ قدیم نہیں ہے۔ یوں تو تحقیق اور تنقید کے غیر مربوط اور غیر منضبط عناصر شعراء کے تذکروں میں مل جاتے ہیں لیکن باضابطہ فن کی حیثیت سے اس کی عمر کچھ زیادہ دراز نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سرسید نے آثار الصنادید تالیف کر کے اردو میں تحقیق کی

بنیاد ڈالی تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی طرح فارسی کتب میں سرسید نے توزک جہانگیری، تاریخِ فیروز شاہی اور آئینِ اکبری کو ایڈیٹ کر کے جدید اور سائنٹی فک اصول پر متن کو ترتیب دینے کا خوشگوار فریضہ انجام دیا۔ سرسید کے بعد مولانا محمد حسین آزاد، علامہ شبلی نعمانی، حافظ محمود شیرانی، مولوی محمد شفیع، بابائے اردو مولوی عبدالحق، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، قاضی عبدالودود، جناب مالک رام اور پروفیسر نذیر احمد جیسے نادرِ روزگار محققوں اور دانشوروں نے اردو اور فارسی میں تحقیقی کام کو آگے بڑھایا۔ متذکرہ محققین میں پروفیسر نذیر احمد کو کئی حیثیت سے امتیاز حاصل ہے۔ تحقیق کے شعبہ میں آپ کا کام نہایت وسیع اور متنوع ہے۔ حافظ، غالب، سنائی، سعدی، سراجی، عمید لوکی، ظہوری، ابراہیم عادل شاہ جیسی عظیم شخصیات پر آپ نے کثیر مواد اکٹھا کیا ہے۔ دیوانِ حافظ کے قدیم سے قدیم نسخوں کی دریافت اور ان کی تصحیح کرنا پھر ان پر مبسوط مقدمے تحریر کرنا آپ کے فن کو جلا بخشتا ہے۔

لغت نویسی کا فن بہت پرانا ہے۔ اس کی ابتدا دراصل سنسکرت اور یونانی زبانوں کی لغات سے ہوئی۔ اس کی ابتدا متروک اور مشکل الفاظ اور ترکیبوں یا محاوروں کا ترجمہ کرنے اور ان پر مختصر حاشیے لکھنے سے ہوئی۔ یونان اور روم میں بھی جہاں قدیم مخطوطات کثرت سے پائے جاتے ہیں، مشکل تحریروں کی بین السّطور ان کا ترجمہ لکھ دیا جاتا تھا۔ یہ لغت نویسی کی ابتدائی شکل کہی جاسکتی ہے۔ پروفیسر موصوف لغت نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کسی زبان کا لغت اس زبان کے بولنے والوں کے مزاج وافکار کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے کہ لغت ملک وقوم کے بہترین دماغوں کی برسوں کی مسلسل کوشش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لغت کا عمل مسلسل اور دائمی ہوتا ہے۔

لغت کے اغراض ومقاصد نہایت دوررس ہوتے ہیں۔ الفاظ، لغت میں اکائی کا کام دیتے ہیں، کسی ملک وملت میں جتنے مرّوجہ الفاظ ہیں ان کے معنی، املا، تلفظ، ان کی اصل، ان کی تاریخ، تغیر زمانی، استعمال کے مختلف طریقے، ان کی دستوری حیثیت وغیرہ تمام مسائل کا تعین لغت کے حدود میں ہے۔ ادب وزندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کا لغت سے گہرا رشتہ نہ ہو، گویا کائنات کی پہنائی لغت اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لغت نویسی ایک نہایت مشکل فن ہے، جس کا فروغ

ملک کی بہترین افکار کی شمولیت کے بغیر ممکن نہیں''۔[۱]

فرہنگ نگاری بھی انتہائی مشکل فن ہے اوران کی ترتیب وتدوین کا کام ژرف نگاہی، محنت شاقہ اور کامل یکسوئی چاہتا ہے۔اس کوانجام دینے کے لئے علم کی وسعت، مطالعہ کی گہرائی اور معلومات کے تنوع کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی کے ساتھ قدیم اور جدید متون پر کامل دسترس بھی ہونی چاہئے۔اس طرح اگر بہ غور دیکھا جائے تو لغت نویسی یا نقد لغت کا کام عام تخلیق کے مقابلے میں کہیں زیادہ مشکل پیچیدہ اور تہہ دار ہو جاتا ہے۔اسی لئے زیادہ دلجمعی اور ذہنی یکسوئی کا طالب ہوتا ہے۔پروفیسر موصوف نے فارسی لغت نویسی پر جتنے بھی کام کئے ہیں، ان میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ان میں فرہنگِ قواس، دستور الافاضل، لسان الشعرا اور فرہنگ زفانِ گویا کی تصحیح اور ترتیب وتدوین نیز نقد قاطع برہان کی تالیف خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

پروفیسر نذیر احمد نے اس بات کا عملی ثبوت پیش کیا ہے کہ جو کچھ کہا جائے وہ انتہائی احتیاط سے کہا جائے، وہ پوری طرح درست ہو اور دلائل سے مکمل طور پر لیس ہو۔یہ راہ مشکل ضرور ہے لیکن تحقیق میں اس سے مفر بھی نہیں۔آپ نے مرزا غالب کی فرہنگ نویسی کا تنقیدی جائزلیا ہے۔اس لحاظ سے برہان قاطع اور قاطع برہان کی قضیہ کی لڑائی کو آپ نے حتمی طور پر حل کیا ہے۔اس فرہنگ میں نذیر صاحب نے فارسی زبان وادب اور فن فرہنگ نویسی سے متعلق اپنی وسیع معلومات اور ہمہ گیر مطالعہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔اس سے آپ کی قاموسی شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مرزا غالب نے محمد حسین تبریزی المتخلص برہان کی فرہنگ برہان قاطع پر شدید اعتراضات کئے اوران کے بتائے ہوئے بہت سے الفاظ کے معنی ومفاہیم اور محل استعمال کو غلط بتایا۔اس پر علمی دنیا میں معرکہ آرائی شروع ہوگئی اور غالب کی مخالفت اور موافقت میں متعدد رسالے لکھے گئے۔رفتہ رفتہ اس قضیہ نے بدنما شکل اختیار کرلی۔نذیر احمد صاحب نے مرزا کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لیا اور غالب کے بیشتر اعتراضات کو غلط ثابت کیا اور اپنے اعتراضات کی تائید میں اہلِ زبان کے اسناد ''نقد قاطع برہان''

---

[۱] لغت نویسی کے مسائل، مرتبہ، گوپی چند نارنگ، مقالہ، پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، ستمبر ۱۸۸۵ء، ص ۱۹

کی شکل میں پیش کئے۔ اس سے آپ نے یہ بھی ثابت کیا کہ غالب کو فارسی لغت نویسی سے واقفیت کما حقہ نہیں تھی، بلکہ برہان قاطع پر اعتراضات لگا کر غالب غلطی کر بیٹھے۔

تصحیح متن کی اگر بات کی جائے تو یہ کام استادانہ اصلاح کی ذمہ داری سے بالکل الگ نوعیت کا ایک فریضہ ہے۔ یہاں خوب سے خوب تر کی جستجو میں کس ذاتی یا مروّجہ معیار کے مطابق کسی متن کو یا متن کی کسی روایت کو بدلا نہیں جاتا بلکہ بدلے ہوئے متن کا غلط طور پر دائرہ تحریر میں آجانے والی کسی روایات کو اس کی اصلی صورت کی بازیافت کے ذریعہ صحیح شکل میں پیش کرنے یا ممکنہ حدود میں رہتے ہوئے صحت روایت سے قریب تر لانے کی سعی کی جاتی ہے۔

پروفیسر موصوف متن کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جس کتاب کے زیادہ مخطوطے ہوں گے وہ کتاب اپنی اصل سے اتنی ہی دور ہوگی اور صرف یہی امر تحقیق کی ضرورت واہمیت کی پوری وضاحت کرتا ہے۔

تحقیق میں سب سے زیادہ اہمیت متن کی ہوتی ہے۔ ماضی کے افکار جو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ تحریری شکل میں ہوتے ہیں اور یہ تحریر صدیوں پرانی ہوتی ہے، جو عہد بہ عہد کاتبوں کے وسیلے سے ہم تک پہنچتی ہے۔ اس کی وجہ سے اس میں الحاق وتغیر وتبدل کے ہزاروں راستے ہیں۔ چنانچہ الحاقی کلام کی نشان دہی کے بغیر کوئی تحریر قابلِ اعتنا قرار نہیں پاسکتی۔ بس یہی امر ہے کہ جب تک یہ نامعلوم ہو کہ تحریر ہر طرح کے سقم سے پاک ہے اس وقت تک ہم نہیں کہہ سکتے جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ بعیناً فلاں شخص کے افکار و خیالات ہیں اور جب تک یہ نامعلوم ہو جائے کہ یہ فلاں شخص کے خیالات ہیں، اس وقت تک شخص مذکور کے بارے میں دیانت داری سے گفتگو کا آغاز ہی نہیں ہوسکتا۔''[1]

اس طرح پروفیسر نذیر احمد نے بڑے متنوع کام انجام دیئے اور جس میدان میں بھی قدم

---

[1] تصحیح وتحقیق متن، مصنف، پروفیسر نذیر احمد، مارچ ۱۹۸۸ء

رکھا اپنی انفرادیت اور تبحر علمی کا سکہ جما دیا۔ آپ نے اپنی کاوشوں سے ادبی تحقیق کو وزن و وقار عطا کیا اور اسے ایک مستقل فن کا درجہ بخشا۔

میں نے اپنے مقالے میں پروفیسر نذیر کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کا تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ مقالے کو بنیادی طور پر پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اوّل کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں آپ کی پیدائش، ابتدائی تعلیم، اعلیٰ تعلیم، ملازمت، ہندو بیرونِ ہند کے علمی اسفار، آخری علالت و رحلت، اعزازات وغیرہ موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اسی حصہ میں نذیر صاحب کے احباب اور دوسرے محققوں کی آپ کے متعلق رائے بھی پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آپ پر منعقد کئے گئے سمینار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، باب اول کے دوسرے حصے میں آپ کی تصانیف و تالیفات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں آپ کے گرانقدر تحقیقات کے سلسلے میں دیوانِ حافظ کے نسخوں کی دریافت اور ان پر عالمانہ مقدمے اور دیوانِ سراجی، دیوانِ عمید لویکی نیز فرہنگوں میں فرہنگ قواس، زفانِ گویا، لسان الشعراء، دستور الافاضل، نقد قاطع برہان وغیرہ کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں آپ کے مقالات کی فہرست حروفِ تہجی کے لحاظ سے پیش کی گئی ہے۔ آپ کے مقالات اردو، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں میں ہندو بیرونِ ہند کے معیاری مجلّات و رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ یہ مقالات نہ صرف فارسی و اردو کی عظیم شخصیات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ بلکہ ان مقالات میں علوم وفنون کے مختلف میدانوں جیسے: موسیقی، خطاطی، فنِ تعمیرات، تاریخ، تذکرہ، طب، لغت و دیگر اہم موضوعات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

مقالے کے دوسرے باب میں بحیثیت استاد آپ کے کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آپ نے طالب علموں کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا سلوک روا رکھا اور اپنے طلبا کی ریسرچ میں شفقت سے رہنمائی فرمائی اور مختلف موضوعات پر معیاری تحقیق کرائی اور بڑے نرم رویّے کے ساتھ ان کی کردار سازی کی ہے، ایک پدرانہ شفقت سے ان کو نئی نئی ادبی راہوں کو عبور کرنا سکھلایا۔ اس طرح کہ آج ان کے

طالب علم ہند اور بیرونِ ہند کے بڑے بڑے عہدوں پر متمکن ہیں یا رہے ہیں اور برابر مختلف اعزازات سے بھی نوازے جاتے رہے ہیں تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرے باب کو مزید تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں بحیثیت فرہنگ نگار آپ کی تحقیقات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔آپ نے قدیم ترین فرہنگوں کے نسخوں کو دریافت کیا اور ان کی تصحیح اور ترتیب وتدوین کر کے شائع کرایا۔فرہنگوں کے نسخوں کی دریافت میں آپ کو کس قدر دشوار مراحل سے گزرنا پڑا اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرے باب کے دوسرے حصہ میں خطاطی وفنون پر کئے گئے کام کی وضاحت کرتے ہوئے منتخب مقالات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں بحیثیت تذکرہ نویس آپ کے کارناموں کا جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔اس میں آپ کی کتاب ''تذکرہ علماء بلخ'' کا اردو ترجمہ اور دیگر مشہور ومعروف تذکروں پر قیمتی مضامین کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالے کے چوتھے باب میں بحیثیت حافظ شناش آپ کے کام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔آپ نے دیوانِ حافظ کے قدیم ترین نسخوں کی دریافت کر کے ان کی تصحیح کی اور شائع کرایا اور ان پر معنی خیز مضامین لکھے آپ کے اس کام کو اہلِ ہند نے ہی نہیں بلکہ اہلِ ایران نے بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔اس باب میں آپ کے تصحیح کئے ہوئے دیوانِ حافظ کے نسخوں اور ان پر لکھے گئے مضامین کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

پانچویں اور آخری باب میں پورے مقالے پر اجمالاً بحث کی گئی ہے اور اختصار کے ساتھ اس کی افادیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس طرح میں نے اپنا مقالہ بڑی صبر آزما اور مشکل مراحل سے گزر کر مکمل کیا ہے۔

CONTRIBUTION OF PROFESSOR NAZIR AHMAD TO PERSIAN LANGUAGE AND LITERATURE

THESIS

SUBMITTED FOR THE AWARD OF THE DEGREE OF

Doctor of Philosophy

IN

PERSIAN

Submitted by

NAYEEM AHMED

Under the supervision of

Dr. Afshan Aftab

DEPARTMENT OF PERSIAN
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH (INDIA)

2011

THESIS

فارسی زبان وادب میں پروفیسر نذیر احمد کی خدمات

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی

THESIS

نگراں

ڈاکٹر افشاں آفتاب

مقالہ نگار

نعیم احمد

شعبۂ فارسی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (انڈیا)

۲۰۱۱ء

T-7456

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH

T7456

Dr.Mrs. Afshan Aftab
Reader

Department of Persian
Aligarh Muslim University
Aligarh-202 002 (U.P.) India

Dated: 18th of March 2011

Certificate

This is to certify that the thesis entitled **"Contribution of Professor Nazir Ahmad to Persian Language and Literature"** carried out by **Mr. Nayeem Ahmed** for the degree of **Doctor of philosophy in Persian** under my guidance and supervision. The work is an original contribution with existing knowledge and faithful record of research carried out by him.

To the best of my knowledge this work has not been submitted to any other University or Institution for any degree. This work is Suitable for the award of Ph.D degree.

Dr. Mrs. Afshan Aftab
Supervisor

Mob No.: 09897928402, E-mail: afshanaftab12@gmail.com

THESIS

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

والدین کے
نام
جن سے میں نے زندگی کا شعور حاصل کیا
اور
جو میرے علم و دانش کی افزائش کے لئے
دن رات دعائیں کرتے ھیں

فہرست مندرجات

مقدمہ ص: ۶ تا ۱۳

باب اوّل:

پروفیسر نذیر احمد، ہندوستان میں فارسی زبان وادب کے ایک معروف استاذ اور محقق ص: ۱۴

حصّہ الف:

حالاتِ زندگی ص: ۱۵ تا ۶۲

حصّہ ب:

تصانیف وتالیفات ص: ۶۳ تا ۱۲۸

حصّہ ج:

مقالات ص: ۱۲۹ تا ۱۷۰

باب دوم:

پروفیسر نذیر احمد، ریسرچ گائیڈ کی حیثیت سے ص: ۱۷۱ تا ۱۹۰

باب سوم:

پروفیسر نذیر احمد کی دلچسپی کے میدان کا تنقیدی مطالعہ ص: ۱۹۱

حصّہ الف:

فارسی لغت نویسی در ہند ص: ۱۹۲ تا ۲۳۰

حصّہ ب:

فارسی خطاطی وفنون ص: ۲۳۱ تا ۲۴۸

حصّہ ج:

تذکرہ نویسی در ہند ص: ۲۴۹ تا ۲۶۱

باب چہارم:

پروفیسر نذیر احمد، بحیثیت حافظ شناس ص: ۲۶۲ تا ۲۸۴

باب پنجم:

اختتامیہ ص: ۲۸۵ تا ۲۹۳

مآخذ ومصادر ص: ۲۹۴ تا ۳۰۶

مقدمه

مقدمہ

پروفیسر نذیر احمد اردو و فارسی ادب کی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اردو و فارسی ادب میں جو گرانقدر کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ ہمارے لئے باعث افتخار ہے۔

آزادی کے بعد ہندوستان کے نامور دانش وروں اور محققین میں پروفیسر نذیر احمد کا نام مولانا محمد حسین آزاد، علامہ شبلی نعمانی، حافظ محمود شیرانی، مولانا محمد شفیع، مولانا عبدالحق، قاضی عبدالودود اور مالک رام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ آپ کے مطالعہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ ایک طرف آپ ماہرِ غالبیات، متنی تحقیقات کے سمندر کے غواص اور حافظ شناسی میں یکتائے روزگار ہیں تو دوسری طرف لسانیات اور فرہنگ نویسی میں بے مثال ہیں، جس کا اعتراف اہلِ ایران بھی کرتے ہیں۔

فارسی دنیا میں یوں تو مخطوطہ شناس بہت گزرے ہیں لیکن نادر مخطوطات کی بازیافت، اس کے مصنف، مرتب اور کاتب کے سلسلے میں پروفیسر موصوف نے ایسی ایسی اطلاعات فراہم کی ہیں جن کے بارے میں قطعی طور پر کسی کو علم نہ تھا۔ آپ نے کثیر تعداد میں شخصیات اور متعدد کتابوں کی بازیافت کی ہے جو ہر ایک اپنی جگہ بالکل نئی اور منفرد ہے۔

پروفیسر نذیر احمد کی شخصیت، بزرگواری کا ایک ایسا جہاں تھا کہ جس میں ذرا سی تصنع اور بناوٹ نظر نہیں آتی، بلکہ سادگی، مزاج میں انکساری، اعتدال پسندی اور دردمندی ان کی ذات کا حصہ تھی۔ دوران تحقیق آپ کا کردار نہایت پاکیزہ و ایماندارانہ تھا، جس کی جھلک تیار کئے گئے متون میں نظر آتی ہے۔ آپ نے علم و ادب کی جو خدمات انجام دیں اور عزت و احترام پایا وہ سب اپنی قابلیت، فرض شناسی، دیانت داری اور محنت و لگن کی وجہ سے پایا۔ اس سلسلے میں پروفیسر کبیر احمد جائسی کی درج ذیل رائے ان کی لیاقت پر ایک سند کا درجہ رکھتی ہے:

''پروفیسر نذیر احمد نے اب تک جتنی کتابیں مرتب کر کے شائع کروائی ہیں ان سے متنی تحقیق کے اصول وضوابط مرتب ہوتے ہیں ۔ اگر ان اصول وضوابط کو اپنا راہ نما بنا لیا جائے تو متنی تحقیق کا دشوار گزار مرحلہ بہ آسانی طے کیا جا سکتا ہے۔''[۱]

راقم السطور کو پروفیسر کبیر احمد جائسی کی رائے سے مکمل اتفاق ہے۔ بلا شبہ نذیر احمد صاحب زندگی بھر اردو وفارسی کی خدمت کرتے رہے۔ اور تحقیق متن کے سلسلہ میں نئی نئی روایات قائم کیں۔اس کی بقا اور ترقی کے لئے برابر کوشاں رہے۔

آپ نہ صرف فارسی بلکہ اردو کے بھی ممتاز محقق تھے۔آپ کی کنجکاوی سے متنی تحقیق جو آپ کا میدان خاص ہے، کے اصول وقوانین بھی مقرر ہوئے اور یہ ایک مستقل فن کی شکل بن گئے۔ دنیائے فارسی کا کوئی بھی محقق آپ کی تحقیقات سے بے نیاز نہیں رہ سکا۔

آپ کی ذہنی سطح بہت بلند تھی۔ادب اور مختلف سماجی اور سائنسی علوم پر گہری نظر نے آپ کے علمی افق کو روشن تر کر دیا تھا۔ادب اور تاریخ، ادب اور فلسفہ، ادب اور مذہب، ادب اور سائنس کے آپسی رشتوں پر جو گہری نظر پروفیسر نذیر احمد کی تھی وہ بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہے۔آپ کے اسی نقطۂ نظر نے آپ کی تحقیقی اور علمی صلاحیتوں کو ایک روشن مینار کی صورت عطا کی۔اگر چہ بنیادی طور پر آپ فارسی کے عالم تھے اور فارسی زبان وادب کے لحاظ سے ان کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی، تاہم اردو تحقیق کو بھی انہوں نے علمی وقار اور اعتبار بخشا۔تحقیق میں ان کا پسندیدہ موضوع ترتیب وتدوین متن ہے۔''ظہوری'' اور ''سہ نثر ظہوری'' پر پروفیسر نذیر احمد کا کام ترتیب متن کے اولین نمونے ہیں۔اس کے بعد آپ نے قدیم اردو، ہندی کی ایک بنیادی اور اہم کتاب، ابراہیم عادل شاہ کی تصنیف ''نورس''، انگریزی مقدمے کے ساتھ مرتب کی جو اردو میں ترتیب متن کا ایک شاہکار ہے۔یہ کتاب دکنی اردو کا ایک مستند نمونہ ہونے کی وجہ سے ادبی اہمیت کے ساتھ

---

[۱] پروفیسر نذیر احمد درنظر دانشمندان، مرتبہ، پروفیسر ماریہ بلقیس، ص ۶۱

لسانی اہمیت کی حامل ہے۔ قدیم دکنی اردو، دکن میں شمالی ہند سے گھٹنوں کے بل چل کر آئی اور یہاں کنڑا، تلگوں، کے علاوہ مرہٹی زبان کے ماحول میں پروان چڑھ کر پاؤں پاؤں چلنے لگی۔ رفتہ رفتہ ادبی زبان بنتی گئی، جسے بعد میں دکنی اردو کا نام دیا گیا۔

کتاب نورس لسانی اعتبار سے اردو زبان کی ارتقائی تاریخ کی اہم کڑی ہے۔ قدیم اردو آج کی دکنی اردو جیسی نہیں تھی، اس پر سنسکرت اور پراکرت الفاظ کی گہری چھاپ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم کتاب نورس کو پڑھتے ہوئے اس کے معنی ومطالب کو سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، جب تک کہ اس کا ترجمہ ہمارے سامنے نہ ہو، اسی بات کو محسوس کرتے ہوئے پروفیسر نذیر احمد نے قارئین کے لئے متن کے ساتھ آسان اردو ترجمہ اور فرہنگ بھی تیار کردی ہے۔

پروفیسر موصوف کا ایک بڑا کارنامہ ان کی ایک اہم تصنیف ''فارسی قصیدہ نگاری'' ہے۔ اگر چہ یہ ایک مختصر سی تصنیف ہے لیکن اس کا مطالعہ ضخیم سے ضخیم کتاب پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے آپ نے نہ صرف قصیدہ جیسی اہم صنف کو سراہا ہے بلکہ اس میں تاریخِ پارینہ، تخت نشینی کی خونین جنگوں، شجاعت، مردانگی، آلات حرب، اسباب جنگ، ذرائع نقل وحمل، ہاتھیوں، گھوڑوں، دریاؤں اور دشوار گزار راستوں وغیرہ کا ذکر بے کم وکاست ملتا ہے۔ بادشاہوں کی علمی سرپرستی، سخن فہمی، دریادلی، فیاضی اور جود وسخاوت کی بے بدل مثالیں ملتی ہیں۔ اس کے ساتھ قرآن، تفسیر، حدیث، روایات، اقوال اور علمی اصطلاحات، نجوم، طب، دبیری اور دربار میں قصیدہ نگاروں کی رسائی کا کماحقہ ذکر ملتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے نہایت عالمانہ، محققانہ اور عنوان سے انصاف کرنے کا جواز تلاش کرتے ہوئے اس کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔

''ہندوستانی نقادوں اور محققوں نے فارسی قصیدہ گوئی کے مطالعہ کا حق ادا نہیں کیا ہے بلکہ اکثر اس صنف کے بارے میں غلط فہمی پھیلانے کے ذمہ دار ہوئے ہیں۔ میری اپنی نظر میں فارسی قصیدہ گوئی شاعر کا طرّۂ امتیاز ہے۔ اس صنف شاعری میں فارسی قصیدہ نگاروں نے نئے نئے موضوعات شامل کیے ہیں۔ کہنے کو تو

یہ مدحیہ شاعری ہے اور شاعر کی ساری صلاحیت ممدوح کی شخصیت کی برتری ثابت کرنے پر مرکوز ہوتی ہے، مگر ایسا نہیں، ممدوح تو محض ایک بہانہ ہے، شاعر کا مقصد تو اپنے شاعرانہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔"[۱]

نذیر احمد صاحب کے علمی وادبی کارنامے اس امر کے متقاضی تھے کہ ان پر بھرپور کام کیا جائے اور ان کی شخصیت وفن پر ضخیم کتاب لکھی جائے۔ لہٰذا جب اتفاقِ رائے سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی نے آپ پر ریسرچ کا موضوع بنانے کا فیصلہ کیا تو یہ میری خوش نصیبی تھی کہ یہ اہم کام اور دلچسپ موضوع مجھے تفویض کیا گیا۔ مقالے کے اس موضوع پر جہاں مجھے خوشی ہوئی وہیں خوشی کے ساتھ میری سوچ کہ میں ایسے عالم وفاضل پر قلم اٹھاپاؤنگا، اس قدر اہم کام کو بخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچانا اور ان کی شخصیت کی ہمہ گیری کو احاطۂ تحریر میں لانا بڑا دشوار لگا۔ لیکن جوں جوں میں پروفیسر موصوف کے علمی کارناموں کی تلاش اور پھر مطالعہ کرنے لگا تو میری دلچسپی بڑھتی گئی۔ پروفیسر موصوف کی نگارشات کا دائرہ اس قدر وسیع اور پھیلا ہوا ہے کہ ان کا شمار اور تلاش خود اپنے اندر کارِ مہم ہے، لہٰذا سمندر کو کوزہ میں سمیٹنے کی میں نے حتی المقدور کوشش کی ہے۔ میں نے زیرِ نظر مقالے میں نذیر احمد صاحب کی شخصیت اور ان کے علمی کارناموں کا تفصیلی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے اور حسب ضرورت مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

باب اوّل کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں آپ کی پیدائش، ابتدائی تعلیم، اعلیٰ تعلیم، ملازمت، ہند وبیرونِ ہند کے علمی اسفار، اعزازات، آخری علالت ورحلت جیسے موضوعات زیر بحث آئے ہیں اسی حصہ میں نذیر صاحب کے احباب اور دوسرے محققین کی آپ کے متعلق رائے بھی پیش کرنے کے ساتھ ساتھ آپ پر منعقد کئے گئے سمینار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، باب اول کے دوسرے حصے میں آپ کی تصانیف و تالیفات کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں آپ کی گرانقدر تحقیقات کے سلسلے میں دیوانِ حافظ کے نسخوں کی دریافت اور ان پر عالمانہ مقدمے اور دیوانِ سراجی، دیوانِ عمید لوکی نیز فرہنگوں میں فرہنگ قواس

---

[۱] فارسی قصیدہ نگاری، مصنف، پروفیسر نذیر احمد، ص ۷

زفانِ گویا، لسان الشعراء، دستور الافاضل، نقد قاطع برہان وغیرہ کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں آپ کے مقالات کی فہرست حروفِ تہجی کے لحاظ سے پیش کی گئی ہے۔ آپ کے مقالات اردو، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں میں ہند و بیرونِ ہند کے معیاری مجلّات ورسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ یہ مقالات فارسی و اردو کی عظیم شخصیات، موسیقی، خطاطی، فنِ تعمیرات، لغت، طب، تاریخ، تذکرے اور دوسرے اہم موضوعات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تحقیقِ غالب کے سلسلے میں نذیر احمد صاحب نے مقالات میں نئے نئے اور گرانقدر پہلو اجاگر کئے جنہوں نے آپ کو غالب شناسی کی انتہائی بلندی تک پہنچا دیا۔ غالب کی تلاش وجستجو آپ کا نصب العین رہا، جس سے آپ کی تحقیق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، لیکن ادب میں آپ کی فکری پرواز کسی مخصوص دائرے میں محدود نظر نہیں آتی۔ اگر چہ آپ کو غالب پر تحقیق کا اختصاص حاصل رہا لیکن اس کے علاوہ آپ نے اپنے منفرد انداز میں دوسرے موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور ان کا حق ادا کیا۔ نذیر احمد صاحب نے چونکہ غالبیات میں متعدد اضافے کئے ہیں، اس لئے آپ کو ماہرِ غالبیات کہنا بجا معلوم ہوتا ہے۔

مقالے کے دوسرے باب میں بحیثیت استاد آپ کے کارناموں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں طالب علموں سے آپ کی شفقت، مہربانی اور ان کی کردار سازی میں آپ کی کوششوں کا رنگ نظر آتا ہے۔ آپ کا سارا وقت مطالعۂ کتب، طالب علموں کی رہنمائی اور دانشوروں کے مسائل کے حل میں صرف ہوتا تھا۔ آپ نے جہاں تحقیقی، تنقیدی اور علمی کاموں میں خود کو مصروف رکھا وہیں پروفیسر وارث کرمانی، پروفیسر کبیر احمد جائسی، پروفیسر محمد طارق حسن، پروفیسر آزرمی دخت صفوی، ڈاکٹر معتصم عباسی اور ڈاکٹر زہرہ عرشی جیسے لائق اور ہونہار شاگردوں کی تربیت ونگرانی کی جو اپنے استاد کے نقشِ قدم پر علمی و ادبی سرگرمیوں میں مصروفِ عمل ہیں اور آج نہ صرف شعبۂ فارسی بلکہ یونیورسٹی کے بہترین اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اور اعلیٰ منصب ومراتب پر متمکن ہیں یا رہے ہیں۔ آپ نے اپنے طلبا اور خاص طور سے ریسرچ اسکالرس کے ساتھ کس قدر شفقت سے رہنمائی فرمائی اور کن کن موضوعات پر تحقیقی کام کرائے، تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرے باب کو مزید تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں بحیثیت فرہنگ نگار آپ کی تحقیقات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔آپ نے قدیم ترین فرہنگوں کے نسخوں کو دریافت کیا اور ان کی تصحیح اور ترتیب وتدوین کر کے شائع کرایا۔قدیم فارسی فرہنگوں سے پروفیسر نذیر احمد کی خاص دلچسپی تھی، انہوں نے فخر الدین مبارک شاہ قواس غزنوی کی مرتب کردہ فرہنگِ قواس، حاجب خیرات دہلوی کی دستور الافاضل، بدر ابراہیم کی فرہنگ زفانِ گویا و جہان پویا، فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۳ھ۔۷۹۰ھ) کی فارسی فرہنگ لسان الشعرا، نیز نقد قاطع برہان جیسی اہم فرہنگیں مرتب کر کے شائع کیں۔فرہنگوں کے نسخوں کی دریافت میں آپ کو کس قدر دشوار مراحل سے گزرنا پڑا اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے نیز یہ نسخے آپ کو کہاں کہاں سے فراہم ہوئے اس پر بھی تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

تیسرے باب کے دوسرے حصے میں آپ کی خطاطی وفنون پر کئے گئے کام کی وضاحت کرتے ہوئے ان کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اس حصے میں آپ کے وہ مضامین شامل کئے گئے ہیں جن میں آپ نے خطّاطی وفنون پر اطلاعات فراہم کی ہیں۔اس باب کے تیسرے حصے میں آپ کو بحیثیت تذکرہ نویس آپ کے کام کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔اس میں آپ کی کتاب ''تذکرہ علماء بلخ'' کا ترجمہ اور دوسرے مشہور ومعروف تذکروں پر بعض منتخب مضامین کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالے کے چوتھے باب میں بحیثیت حافظ شناش آپ کے کام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔آپ نے دیوانِ حافظ کے قدیم ترین نسخوں کی دریافت کی اور تصحیح کر کے شائع کیا اور دریافت شدہ نسخوں پر معنی خیز مضامین لکھے، آپ کے اس کام کو اہلِ ہند نے ہی نہیں بلکہ اہلِ ایران نے بھی خراج تحسین پیش کیا ہے۔دیوانِ حافظ میں آپ نے الحاق قرار دیئے گئے کلام کو پھر سے شامل کیا، جو یقیناً محنت اور جانفشانی کا کام ہے۔

پانچویں اور آخری باب میں پورے مقالے پر اجمالاً بحث کی گئی ہے اور اختصار کے ساتھ اس کی افادیت واہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس طرح یہ مقالہ بڑی صبر آزما اور مشکل مراحل سے گزر کر مکمل کیا گیا ہے۔

ربِ ذوالجلال کا ہزار ہزار بار شکر ادا کرتا ہوں جس نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ ڈاکٹر افشاں آفتاب ریڈر شعبۂ فارسی دانشگاہ علی گڑھ کی زیرنگرانی مجھے کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ڈاکٹر صاحبہ نے میرے کام کی نگرانی ہی نہیں فرمائی بلکہ میری سرپرستی بھی فرمائی اور ہر ہر قدم پر میری دست گیری کی۔ پروفیسر نذیر احمد جیسی قاموسی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنا میری صلاحیت اور لیاقت سے بالاتر بات تھی۔ یہ صرف ڈاکٹر صاحبہ کی سرپرستی کا نتیجہ ہے کہ میں اس مشکل کام کو سرانجام دے سکا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحبہ کی معاونت اور رہنمائی حاصل نہ ہوتی تو شاید میں اس مقالے کو مکمل نہیں کرسکتا۔ میں بارگاہِ رب العزت میں ڈاکٹر صاحبہ کے لئے خوش حالی اور سلامتی صحت کے ساتھ درازِ عمر کی دعا کرتا ہوں۔ میں نے اپنے کام کے سلسلہ میں مختلف کتب خانوں سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں مولانا آزاد لائبریری، سمینار لائبریری، ایوانِ غالب نئی دہلی، خدا بخش لائبریری پٹنہ کے اراکین کا شکرگزار ہوں جنہوں نے مجھے تعاون دیا۔ میں اپنے شعبہ کے تمام اساتذہ کرام بالخصوص صدرِ شعبہ کا احسان مند ہوں جنہوں نے علم جیسی لازوال دولت کے حاصل کرنے میں میری حتیٰ المقدور مدد کی۔

مجھے اپنے کام کے دوران متعدد ساتھیوں اور مخلصوں کا بھرپور تعاون ملا جن میں نواز احمد، محمد سلیم، محمد اصغر، اعجاز احمد، محمد لطیف، محمد ریاض، الیاس مغل اور خاص طور سے ڈاکٹر محمد جلال الدین کا میں بے حد مشکور ہوں جنہوں نے اس کام میں میری مدد اور ہمت افزائی فرمائی۔

آخر میں میں اپنی شریکِ حیات کا شکریہ ادا کرنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے دورانِ تحقیق مجھے گھریلوں ذمہ داریوں سے آزاد رکھا۔ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتی رہیں اور میرا حوصلہ بڑھایا۔

مقالے کی تیاری کے دوران بہت سے مراحل اور بہت سے نامساعد حالات ایسے بھی آئے جب یہ محسوس ہوا کہ اب یہ کام پورا نہ ہو سکے گا۔ ایسی صورت میں میری شفیق نگراں کی مشفقانہ رہنمائی میری

حوصلہ افزائی کرتی رہی اور یہ مقالہ مکمل کر سکا۔

اس مقالے کی تکمیل میں از روزِ اوّل تا آخر ان شفیق اور عظیم ترین ہستیوں کی دعائیں شامل رہیں جنہیں ''والدین'' کہتے ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی محمد سلیم، محمد ارشد اور بہنوں نے میری مدد کی اور ہر طرح سے تعاون دیا۔ ان کا میں بے حد مشکور ہوں۔ معصوم اریب، ریحان نے میرے لیے اپنے ننھے منھے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگیں۔ ان کے لئے میں دعا گوں ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو سلامتی صحت، لمبی عمر اور تعلیم جیسی نعمت عطا فرمائے۔

☆☆☆

باب اوّل

پروفیسر نذیر احمد:
ہندوستان میں فارسی زبان و ادب
کے ایک معروف استاذ اور محقق

حصّہ (الف)

حالاتِ زندگی

پروفیسر نذیر احمد کے والد کا نام حاجی محمد اسمٰعیل اور والدہ کا نام جمن پھلیلا تھا۔ والدین خوش طبیعت اور نرم مزاج تھے اور اپنی اولاد سے بے حد محبت کرتے تھے۔ آپ کے دادا کا نام حاجی گلزار تھا۔ آپ کے دو بھائی تھے۔ سب سے بڑے بھائی حاجی احمد حسین آپ سے عمر میں پندرہ سال بڑے تھے اور اُن سے چھوٹے حاجی منیر احمد آپ سے چار سال بڑے تھے۔

ولادت

پروفیسر نذیر احمد ۳ رجنوری ۱۹۱۵ء کو ریاست اتر پردیش کے ضلع گونڈہ، پوسٹ آفیس بنگواں کے ایک گاؤں کولھی غریب میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک شریف اور باعزت گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ یہ گھرانا زمینداروں کا تھا اور اپنے حلقے میں اچھی خاصی عزت رکھتا تھا۔[1] گاؤں کولھی غریب کو تقریباً سات ساڑھے سات سو سال پہلے میاں جی نام کے ایک شخص نے عرب سے آکر بسایا تھا جن کی زبان عربی تھی۔ اس گاؤں میں آج بھی لوگوں کے گھروں میں محمد تغلق کے دور کے سکے ملتے ہیں۔ تغلق خاندان نے ہندوستان پر ۱۳۲۰ء سے ۱۴۱۴ء تک حکمرانی کی۔ اس خاندان کے ایک مشہور حکمران محمد شاہ تغلق کا دور ۱۳۴۷ء سے ۱۳۷۲ء تک کو محیط ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میاں جی، تغلق خاندان سے پہلے اس گاؤں کو بسا چکے تھے۔ اس گاؤں کے بارے میں پروفیسر نذیر احمد کی صاحبزادی پروفیسر ریحانہ خاتون اپنی کتاب کارنامۂ نذیر میں کچھ یوں بیان کرتی ہیں۔

''گاؤں کولھی غریب آس پاس کے علاقوں میں بہت معروف سمجھا جاتا تھا۔ اس گاؤں کے بارے میں بزرگوں سے سنا جاتا ہے کہ آج سے سات ساڑھے سات سو سال پہلے میاں جی نام کے کوئی صاحب عرب سے آکر بس گئے تھے، جن کی زبان عربی تھی۔ اس وقت سے ہی اس گاؤں کی داغ بیل پڑی۔ اس گاؤں میں آج بھی لوگوں کے گھروں میں محمد تغلق کے دور کے سکے

---

[1] افکار و احوال، مرتبہ، محمد سالم قدوائی ص ۴۱

ملتے ہیں ۔تغلق خاندان نے ۱۳۲۰ء سے۱۴۱۴ء تک ہندوستان پر حکمرانی کی ۔محمد تغلق کا دور ۷۲۵ھ/ ۱۳۴۷ء سے ۷۵۰ھ/۱۳۷۲ء تک کا ہے ۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میاں جی قطعی طور پر یہاں اس سے پہلے آئے تھے اور اس گاؤں کی آبادی اس سے پہلے موجود تھی'' [۱]

شادی اور اولاد

آپ کی شادی ۲۰ سال کی عمر میں اپنے رشتہ داروں کی ایک لڑکی سکینہ خاتون سے ہوئی جن سے آٹھ بچے پیدا ہوئے ۔سب سے بڑی بچی کو ۵ سال کی عمر میں چیچک کی بیماری سے آنکھوں کی روشنی چلی گئی ۔ جب یہ بچی نابینا ہوگئی تو آپ کی بیگم جو باہمت خاتون تھیں انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ وہ اس بچی کو علاج کے لئے لکھنؤ لے جائیں گی ، جہاں نذیر صاحب اُس وقت ایم اے کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف تھے ۔آپ کی اہلیہ محترمہ کے اس فیصلے کی باقی گھر والوں نے بڑی مخالفت کی اور جو پیسہ نذیر صاحب کے خرچ کی غرض سے دیتے تھے بند کردیا۔آپ کی بیگم گھر سے خالی ہاتھ لکھنؤ چلی گئیں، اگر چہ انہوں نے اس کی وجہ سے بہت پریشانیاں برداشت کیں مگر پھر بھی صبر واستقلال سے مشکل حالات کا مقابلہ کیا۔مگر افسوس یہ بچی علاج کے باوجود چار چھ مہینے میں ہی انتقال فرما گئیں ۔آپ کو اس کی موت پر بڑا صدمہ ہوا مگر اللہ کی رضا پر راضی رہے اور صبر واستقلال سے کام لیا۔آپ کی اہلیہ کا یہ فیصلہ اس قدر سودمند رہا کہ آپ کی باقی ساری اولادیں ماشااللہ پڑھ لکھ گئیں اور اچھے مقام حاصل کئے ،ورنہ اُس وقت گاؤں میں لڑکیوں کو پڑھانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ جب آپ کی اہلیہ نے اپنی دوسری بیٹی فاطمہ بلقیس کو اسکول میں داخل کرایا تو بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔طرح طرح کے طعنے سننے پڑے مگر قابلِ تحسین تھیں آپ کی اہلیہ محترمہ جنھوں نے تمام مخالفتوں کے باوجود اپنی اولاد کو پڑھانے میں کوئی کثر باقی نہ چھوڑی۔آپ کی اہلیہ جب لکھنؤ چلی گئیں تو اپنے ساتھ فاطمہ بلقیس کو بھی لے گئیں اور وہاں ان کی تعلیم کو آگے بڑھایا۔ یہ بیٹی پڑھ لکھ کر

---

[۱] کارنامۂ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون، ص ۱۸

کامیاب رہیں اور تقریباً ۴۵ سال سے امریکہ میں مستقل طور پر مقیم ہیں۔ فاطمہ بلقیس کے بعد اللہ پاک نے نذیر صاحب کو ایک بیٹا عطا فرمایا جس کا نام عبدالباسط رکھا گیا۔ ان کو آپ نے اچھی تعلیم دلائی۔ جب آپ علی گڑھ تشریف لائے تو عبدالباسط کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل کروایا۔

عبدالباسط بالاخر ۳۱ رجنوری ۱۹۶۶ء کو انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکہ چلے گئے۔ وہاں زیر تعلیم تھے کہ اچانک ۲۷ رمئی ۱۹۶۷ء میں ایک کار ایکسیڈینٹ ہوا جس میں عبدالباسط کافی زخمی ہوگئے۔ اور پھر ۴۵ منٹ بعد ہی اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون نذیر صاحب کو ہندوستان میں جب اس بات کی خبر ہوئی تو بہت تڑپے مگر صبر وتحمل اس قدر تھا کہ مومنانہ شان سے اس صدمے کو برداشت کیا۔ عبدالباسط سے چھوٹی دو بیٹیاں ہیں ایک پروفیسر ماریہ بلقیس جو تا حال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ فارسی کی صدر اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ دوسری پروفیسر ڈاکٹر ریحانہ خاتون جو دہلی یونیورسٹی میں شعبہ فارسی میں صدارت کے عہدے پر فائز ہیں۔ ان سے چھوٹی بیٹی طاہرہ خاتون ہیں اور دو بیٹے عبدالرافع اور عبدالواسع دونوں ڈاکٹر ہیں اور امریکہ میں ہی مستقل طور پر سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ نذیر احمد صاحب کی اہلیہ محترمہ جناب سکینہ خاتون ۵۵ سال کی عمر میں ۱۹۷۷ء کو انتقال فرما گئیں۔ ان کے انتقال کے بعد گھر کے کاموں کا نظام اور دیکھ بھال کے لئے نذیر احمد صاحب کے پاس نہ وقت تھا اور نہ ہی میلان، اس لئے کافی عرصہ پریشانی اٹھانے کے بعد بلآخر آپ نے مئی ۱۹۸۱ء میں محترمہ آصفہ احمد سے عقد ثانی کیا جو اس وقت علی گڑھ میں D.A.V گرلز کالج میں انگریزی کی استاد تھیں۔ اس کے بعد خدا کے فضل وکرم سے آپ نے خوش حال زندگی گزاری۔ آپ کا گھرانہ ماشاء اللہ حاجیوں کا گھرانا ہے۔ آپ کو دو بار حج بیت اللہ کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ آپ کی پہلی بیوی سکینہ خاتون نے بھی حج کیا تھا اور دوسری بیگم آصفہ احمد نے بھی حج بیت اللہ کی زیارت کی، اس طرح آپ کی بیٹیاں فاطمہ بلقیس اور ان کے خاوند عبدالحی بیٹی ماریہ بلقیس ان کے خاوند کبیر الدین، سب بیت اللہ کی زیارت کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر ریحانہ کے خاوند مشکور الرحمٰن عمرہ کی

سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی طاہرہ خاتون اور ان کے شوہر نعیم اختر نے بھی حج بیت اللہ کی زیارت کی ہے۔ اس طرح نذیر صاحب کو ایک بیٹی اور بیٹے کے صدمے کے علاوہ اللہ نے ہر مصیبت سے محفوظ رکھا اور آپ کی اولاد کو بلند سے بلند مقام عطا فرمایا۔ آپ کو خود بھی اللہ تعالیٰ نے بلندی کی وہ منازل عطا فرمائیں جن کے لیے ہر آدمی ترستا ہے۔

تعلیم وتربیت

پروفیسر نذیر احمد صاحب کی ابتدائی تعلیم گاؤں کولھی غریب کی عید گاہ کے ایک معمولی اور چھوٹے مدرسے سے شروع ہوئی۔ آپ کی باقاعدہ ابتدائی تعلیم کا آغاز بنگواں کے گورنمنٹ پرائمری اسکول سے ہوا۔ بچپن میں طبیعت تھوڑی شریر تھی اور جب کبھی اسکول سے کسی شرارت کی وجہ سے کانا گوشی کی جاتی تو فوراً اپنے والد صاحب سے شکایت کرتے۔ والد صاحب بھی آپ سے بہت پیار کرتے تھے اس لیے دوسرے دن اسکول سے روک لیتے کہ میرے نونہال پر سختیاں کی جاتی ہیں لہٰذا اسکول نہیں بھیجوں گا۔ مگر آپ کے بڑے بھائی جو قصبے کے ایک اسکول میں استاد تھے، نذیر صاحب کو موقعہ پاتے ہی پکڑ کر اپنے ساتھ اسکول لے جاتے۔ جس اسکول میں نذیر احمد صاحب کا داخلہ ہوا تھا، وہاں آپ کے ماموں استاد تھے۔ بڑے بھائی بھی قصبے کے دوسرے اسکول میں استاد تھے، لہٰذا بھائی ماموں کے ہاتھ میں دے کر چلے جاتے اور مجبوراً نذیر صاحب کو پڑھنا پڑتا۔ کافی ذہین بھی تھے لہٰذا جب آپ چوتھی کلاس میں تھے تو کسی بات پر بڑے بھائی اور ماموں میں ان بن ہوگئی، بڑے بھائی نے ماموں کے اسکول سے ہٹا کر اپنے اسکول میں داخل کیا جہاں اسی سال اسکالرشپ کا امتحان دیا اور پورے گونڈھ ضلع میں اوّل مقام حاصل کیا۔ اس اسکول میں پچھلے پچاس سالوں میں کسی کو بھی یہ امتیاز حاصل نہیں ہوا تھا، یہ اسکالرشپ صرف دو روپیہ ماہانہ تھی۔ اس شاندار کامیابی کی وجہ سے ماموں بڑے بھائی سے خفا ہوگئے۔ ماموں کا کہنا تھا کہ تیاری میں نے کرائی اور نام بھائی کے اسکول کا روشن ہوا۔ بہر حال نذیر صاحب نے اس اسکول میں پانچویں

کلاس تک تعلیم حاصل کی۔ اب آپ کا شوق پڑھائی کی طرف زیادہ ہونے لگا۔ پھر آپ کا داخلہ ۱۹۲۶ء میں مسکنواں کے اسکول میں کرایا گیا، جہاں آپ ۱۹۲۹ء تک زیر تعلیم رہے۔ اس اسکول میں شنبھو دیال شرما ہیڈ ماسٹر تھے جو سخت مزاج کے آدمی تھے۔ اس اسکول میں بچوں کے رہنے کو ہاسٹل تھا اس لیے بچوں کو گھر نہیں جانے دیا جاتا اور Extra کلاسین کرائی جاتیں۔ یہاں پڑھائی کا اچھا ماحول تھا۔ اس کے بعد آپ کو گونڈہ کے گورنمنٹ اسکول میں ساتویں جماعت میں شمبھوں دیال صاحب نے دوبارہ زبردستی داخلہ کرایا یعنی مسکنواں سے ساتویں پاس کر کے ہی آئے تھے لیکن چونکہ اس زمانے میں یہی طریقہ رائج تھا اس لئے مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔ گونڈہ کے گورنمنٹ اسکول میں ہاسٹل کی سہولت نہیں تھی اس لیے آپ کو الگ سے کمرہ لے کر رہنا پڑتا۔ گورنمنٹ اسکول گونڈہ میں ساتویں جماعت میں آپ نے اسکالرشپ کے لیے امتحان دیا اور پورے گونڈہ ضلع میں اوّل مقام حاصل کیا۔ اس اسکول میں بھی آپ سے قبل کسی کو اسکالرشپ نہیں ملا تھا۔ آپ نے اسی اسکول سے مڈل کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ اس امتحان میں آپ نے فرسٹ ڈویژن اور حساب میں distinction حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں آپ نے اسی اسکول سے دسویں کلاس کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا اور ریاضی اور فارسی میں امتیازی نمبر حاصل کئے۔ ابوالبقا صاحب اُس زمانے میں آپ کے استاد تھے، ابوالبقا صاحب کو آپ سے ہمدردی تھی اس لیے خود شام کو اپنے پاس بلا کر پڑھاتے تھے۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد آپ پڑھائی کرنے کے بجائے نوکری کرنا زیادہ پسند کرتے تھے تاکہ کچھ پیسہ کمالیں۔ جب بقا صاحب کو اِن کے اس اِرادے کی خبر ہوئی تو نذیر صاحب کو ساتھ لے کر لکھنؤ گئے اور وہاں کرسچین کالج میں استاد جعفر حسین صاحب کے حوالے کیا۔ نذیر احمد صاحب کرسچین کالج میں تعلیم حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس اسکول میں حساب کا مضمون نہیں تھا اور آپ کو حساب سے دلچسپی تھی۔ کیونکہ بقا صاحب کی اور جعفر صاحب کی آپس میں دوستی تھی اس لیے جعفر صاحب نے زبردستی کرسچین اسکول میں انٹر میں داخل کروادیا۔ انٹر کی پڑھائی کے دوران آپ نے ۱۹۳۵ء میں منشی کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا اور ۱۹۳۶ء میں اس کالج

سے انٹر کا امتحان سیکنڈ ڈویژن سے پاس کرلیا۔ انٹر میں آپ نے دو سال فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ انٹر کے بعد C.T کا امتحان دینے چلے گئے۔ اتفاقاً امتحان کے سینٹر پر بقا صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ بقا صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ بیٹا یہاں کیسے آنا ہوا، نذیر احمد صاحب نے پہلے تو بات ٹالنے کی کوشش کی مگر استاد سے کبھی جھوٹ نہ بولتے تھے سچ بتا دیا کہ میں C.T کا امتحان دینے آیا ہوں۔ یہ سن کر بقا صاحب نے امتحان میں شریک نہ ہونے دیا، کیونکہ آپ کی ذہانت سے وہ اچھی طرح واقف تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ پڑھائی چھوڑ کر نذیر احمد صاحب ٹیچرس ٹریننگ کر کے نوکری کریں۔ لہٰذا نذیر احمد صاحب کو بقا صاحب کی بات تسلیم کرنی پڑی اور بقا صاحب آپ کو ساتھ لے کر لکھنؤ یونیورسٹی چلے گئے، وہاں پہنچ کر پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس طرح ۱۹۳۶ء میں لکھنؤ یونیورسٹی میں آپ نے بی۔ اے آنرز (فارسی) تین سالہ کورس میں داخلہ لیا اور ۱۹۳۹ء میں بی۔ اے آنرز فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن سے مکمل کرلی۔ ۱۹۴۰ء میں نذیر صاحب نے لکھنؤ یونیورسٹی سے ہی ایم۔ اے فارسی فرسٹ ڈویژن اور فرسٹ پوزیشن سے مکمل کی اور دو سونے کے تمغے حاصل کئے۔ ایک تمغہ ایم۔ اے (فارسی) میں امتیازی نمبر حاصل کرنے پر اور دوسرا پوری فیکلٹی میں امتیازی نمبر حاصل کرنے پر، ساتھ میں ریسرچ کرنے کے لیے فیلوشپ بھی ملا۔ آپ کی ریسرچ کا موضوع ''ظہوری ہز لائف اینڈ ورکس'' منتخب ہوا اور آپ نے اپنی تحقیق کا کام پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب مرحوم کی زیرنگرانی میں شروع کیا۔ نذیر احمد اور مسعود صاحب کے بلند کردار رشتوں کو نذیر احمد صاحب کی بیٹی ڈاکٹر ریحانہ خاتون یوں بیان کرتی ہیں:

''پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب (مرحوم) آپ کے استاد تھے، ان کی زیرنگرانی آپ نے اپنی تحقیق کا آغاز کیا۔ مسعود صاحب سے آپ کو بہت لگاؤ تھا اور حقیقی معنوں میں آپ نے شاگردی کا حق ادا کیا۔ وہ اپنے استاد کی جوتیاں درست کرتے اور جب ان کو ضرورت ہوتی تو اپنے ہاتھ سے پہناتے تھے۔ یہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اگرچہ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی

لیکن اس بات نے اُس وقت مجھ کو اس قدر متاثر کیا تھا کہ آج بھی یہ بات ذہن نشین ہے۔ شاید استاد کی اسی عزت و احترام کے سبب خدا نے ان کو اعلیٰ مقام، عزت و شہرت دی ہے۔ رضوی صاحب کے گھر ہم سب بچے اور والدہ بھی برابر جایا کرتی تھیں۔ ہم بچے رضوی صاحب کو دادا اور ان کی بیگم کو دادی کہتے تھے۔ ان دونوں کو بچوں سے بہت پیار تھا، والد صاحب کو اپنے بیٹوں سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔ ہم لوگ طرح طرح کی شرارتیں کرتے لیکن کبھی دونوں کو محسوس نہ ہوتا، معمول تھا کہ ہم لوگ جب بھی جاتے صبح سے شام تک کے لیے جاتے اور رات کا کھانا کھا کر گھر واپسی ہوتی۔ اس طرح مسعود صاحب نے والد صاحب کو مہربان استاد کی حیثیت سے شاگرد اور مشفق باپ کی طرح بیٹے کا درجہ دیا تھا۔''[۱]

پروفیسر نذیر احمد صاحب استاد کی کس قدر تعظیم کرتے اور اپنے دل میں استاد کی محبت اور احترام رکھتے تھے اس کا اندازہ ہم بہ خوبی اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے ۲۵/اپریل ۱۹۹۲ء میں اپنے استاد پر غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ایک روزہ سمینار منعقد کرایا اور اس سمینار میں جتنے مضامین پڑھے گئے اُن کو مرتب کر کے کتابی شکل میں غالب انسٹی ٹیوٹ سے شائع کیا۔

اس کتاب کو ''سیّد مسعود حسن رضوی ادیب' حیات اور کارنامے'' کا عنوان دیا اور اس کتاب کے پیش لفظ میں کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

''پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی پر جو کتاب شائع ہو رہی ہے اس پر کچھ تعارفی کلمات لکھتے ہوئے مجھے بڑی طمانیت کا احساس ہو رہا ہے۔ وہ میرے نہایت شفیق استاد تھے اور میں بھلا بُرا جو کچھ ہوں وہ ان کی تربیت کی وجہ سے ہوں۔ یہ سطریں ان کی شفقت و محبت کا اعتراف ہیں۔ پروفیسر رضوی کی قد آور شخصیت اور علمی فضائل کا تقاضا تھا کہ ان پر ایک ضخیم کتاب تیار کرائی جاتی، یہ نہ ہو سکا جس کا افسوس ہے، بہر حال اس مختصر سی کتاب کو ان کے علم و فضل کے سمجھنے اور پرکھنے کی طرف ایک قدم سمجھنا چاہئے۔

---

[۱] کارنامۂ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون، صفحہ ۲۶۔۲۷

راقم پروفیسر رضوی صاحب کی خدمت میں ۱۹۳۶ء میں پہنچا تھا، اس وقت سے لے کر وفات تک ان کی فیض رسائی کا سلسلہ جاری رہا۔ اتنی طویل مدّت میں مجھے جتنا سیکھنا تھا سیکھ سکا یا نہیں البتہ اتنی بات تو ضرور ہے کہ میں نے ان کو جتنا قریب سے دیکھا ہے اتنا ہمارے معاصرین میں کسی نے نہ دیکھا ہوگا، اس بنا پر میری تحریر میں بڑی صداقت ہے۔''[۱]

پیش لفظ کے میں ہی مزید لکھتے ہیں کہ:

''پروفیسر رضوی بڑی وضع دار شخصیت کے مالک تھے، لکھنوی تہذیب اور لکھنوی واضع داری کا بہترین نمونہ تھے۔ لکھنؤ کی شستہ اُردو پر لکھنوی اندازِ بیان سونے پہ سہاگہ کا کام کرتا تھا۔ گفتگو میں ایسی دل کشی ہوتی کہ گھنٹوں باتیں سنیے، لطف لیجیے، اکتاہٹ کا نام ونشان نہیں۔ ہر چیز میں ایک رکھ رکھاؤ ہوتا، بڑے خوش پوش تھے، انگریزی لباس میں ان کی شخصیت کا نکھار قابلِ دید ہوتا، میں ان کی صحبت میں بہت رہا ہوں، ان کے منہ سے کبھی کوئی غیر مہذب لفظ میں نے نہیں سُنا۔ گفتگو میں میانہ روی کا شعار تھا۔ مخالف کے لیے بھی انھوں نے کبھی کوئی سخت رویہ اختیار نہیں کیا، کئی لوگوں سے علمی بحثیں چلیں، نوک جھوک بھی رہی لیکن وہ نہ تہذیب کے دائرے سے باہر نکلے اور نہ میانہ روی کا دامن ہاتھ سے جانے دیا۔''[۲]

اس کتاب کے آخر میں نذیر احمد صاحب کی ایک تقریر پیش کی گئی ہے، جس میں نذیر احمد صاحب نے اپنی تعلیم اور اپنے استاد کے بارے میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

''خواتین وحضرات! پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی بڑے درجے کے دانش ور، نقاد، محقق اور صاحبِ طرز انشا پرداز تھے۔ وہ لکھنؤ کی تہذیب کے دلدادہ اور اس کے نمائندہ تھے، اخلاق اور شرافتِ انسانی کے قابل تقلید نمونہ تھے۔ وہ میرے استاد تھے اور استادی وشاگردی کا یہ رشتہ پندرہ سال سے زیادہ عرصے کو محیط تھا۔ ۱۹۳۶ء میں اپنے اسکول کے ایک استاد سیّد ابوالبقا جونپوری کے

---

[۱] سید مسعود حسن رضوی ادیب (حیات اور کارنامے)، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص پیش لفظ

[۲] ایضاً ص پیش لفظ

ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، بی۔اے اور ایم۔اے میں ان سے باقاعدہ پڑھا، اور انھیں کی نگرانی میں ۱۹۴۴ء۔۱۹۴۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۵۰ء میں ڈی لٹ کی ڈگری ملی۔ اس طرح مجھے درسی کتابوں کے پڑھنے کا بھی شرف ان سے حاصل تھا اور تحقیق میں ان سے رہنمائی کا بھی، اور آخر میں لکھنؤ یونیورسٹی میں ان کے ساتھ درس وتدریس میں بھی شرکت رہی، اس طرح ان سے استفادہ ورہنمائی حاصل کرنے کا اور ان کو بہت قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا مجھے بڑا وسیع تجربہ ہے۔''[۱]

مزید لکھتے ہیں:

''جیسا کہ عرض کر چکا ہوں میری علمی زندگی کا آغاز مسعود حسن رضوی صاحب کی زیرنگرانی ہوا، میں نے ایم۔اے پاس کیا مگر اس کی بنا پر ملازمت کا حصول نہایت مشکل تھا۔ میں نے پی۔ ایچ۔ ڈی میں داخلہ لیا، ''ظہوریؔ، آثار وحیات'' موضوعِ تحقیق قرار پایا۔ اس زمانے میں ہندوستان میں تحقیق کی اتنی گرم بازاری نہ تھی۔ عام طور پر اساتذہ یورپ سے ڈاکٹریٹ حاصل کرتے اور ہندوستان کی دانش گاہوں میں ملازم ہوتے، بہرحال رفتہ رفتہ ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں کچھ سہولتیں پیدا ہوئیں، غرض میں نے داخلہ تو لے لیا مگر اس میں مجھے شُد بُد نہ تھی۔ نہ مخطوطہ جانتا، نہ کٹیلاگ، نہ تنقیدِ متن سے واقف نہ تصحیح کتاب سے، چند ماہ جیسے تیسے چلایا، پھر ایک چھوٹی ملازمت کر لی، لیکن ریسرچ سے تعلق قائم رکھا، تھوڑی تھوڑی واقفیت ہوئی تو ظہوریؔ کے دیوان اور دوسرے متعلقہ امور ومواد کی تلاش میں کلکتہ، پٹنہ، رام پور کا سفر کیا۔ اس سفر میں طرح طرح کے تجربے ہوئے، وقتاً فوقتاً استادِ مکرم کی خدمت میں لکھنؤ آجاتا، استاد بڑی شفقت سے ملتے اور کام میں تشویق پیدا کرتے، مگر ان کا قاعدہ تھا کہ براہِ راست موضوع پر گفتگو کم کرتے، البتہ دوسرے اسی قبیل کے عملی وتحقیقی موضوع پر گفتگو زیادہ ہوتی۔ چنانچہ پچاسوں سیکڑوں مسائل پر ان کی گفتگو سنی تو اس سے میرے ذہن میں وہ مسائل مستحضر ہو گئے۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ مجھ میں اپنے موضوع کے

---

[۱] سید مسعود حسن رضوی ادیب (حیات اور کارنامے)، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص ۲۲۶

سمجھنے اور برتنے کا کچھ سلیقہ پیدا ہو گیا۔۱۹۴۲ء میں رام پور رضا لائبریری میں کام کر رہا تھا۔تو مولانا عرشی صاحب سے تحقیق کی دشواری کا ذکر آیا،عرشی صاحب نے فرمایا کہ اس کام کا انعام محنت سے کئی گنا زیادہ قابلِ قدر ہے۔مسعود صاحب نے طلبہ کی تربیت کا یہ نیا انداز اپنایا تھا،اس کی افادیت کا صحیح تصور بعد ہی میں ہو سکا۔''[۱]

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب نذیر احمد صاحب لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔اے کر رہے تھے اس وقت اس یونیورسٹی میں فارسی اور اُردو الگ الگ شعبے نہ تھے بلکہ ایک ہی شعبہ ہوا کرتا تھا، جس میں فارسی اور اُردو کی تعلیم دی جاتی تھی لہٰذا اس شعبہ میں مسعود رضوی صاحب استاد تھے۔نذیر احمد صاحب نے اس شعبہ سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی اور جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ مسعود حسن رضوی صاحب کی زیرِ نگرانی پی۔ایچ،ڈی میں داخلہ لیا۔آپ کی تحقیق کا موضوع ''ظہوریؔ آثار و حیات'' قرار پایا،جس کی تحقیق میں آپ نے پانچ سال صرف کئے اور اپنی محنت اور لگن سے اپنا تحقیقی مقالہ تیار کر کے یونیورسٹی میں جمع کیا۔آپ نے اپنی انتھک محنت سے ۱۹۴۵ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری اور بہترین تحقیق پر انعام حاصل کیا۔ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھی آپ نے اپنی تحقیق جاری رکھی اور Persion Poets of Adil Shahs regime اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔اس تحقیقی کام پر بھی آپ نے اپنی زندگی کے قیمتی پانچ سال صرف کئے اور بالآخر اپنی مشقت اور محنت سے اس تحقیق کو مکمل کر کے ۱۹۵۰ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے فارسی میں ڈی۔لٹ کی ڈگری حاصل کی اور بہترین تحقیق پر انعام حاصل کیا۔فارسی کی یہ دونوں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد آپ نے اُردو کی طرف رُخ کیا،اُردو میں آپ کی تحقیق کا موضوع ابراہیم عادل شاہ کی کتاب ''نورس'' تھی۔یہ کتاب دکنی زبان میں موسیقی پر اپنی نوعیت کی اہم کتاب ہے۔آپ نے اس کتاب پر کام کے دوران موسیقی کے ایک ماہر استاد سے موسیقی کے راگوں کے بارے میں واقفیت حاصل کی اور پھر پانچ سال کی کڑی محنت سے

---

[۱] سید مسعود حسن رضوی ادیب (حیات اور کارنامے)،مرتبہ،پروفیسر نذیر احمد،ص ۲۲۹۔۲۳۰

اس تحقیقی کام کو مکمل کر کے ۱۹۵۵ء میں اُردو میں ڈی۔لٹ کی ڈگری حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم کے لیے ایران کا سفر

پروفیسر نذیر احمد صاحب ہندوستانی یونیورسٹیوں سے فارسی اور اُردو میں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد ۵۶۔۱۹۵۵ء میں فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ایران تشریف لے گئے اور وہاں تہران یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔آپ نے وہاں ۹ ماہ قیام کیا اور وہاں سے چار مضامین یعنی پہلوی، فارسی قدیم، فارسی جدید اور تاریخ میں ڈپلوما حاصل کیا۔وہاں دورانِ قیام آپ نے کئی کتب خانوں کے قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا اور ان پر مضامین لکھے۔تہران میں جناب ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا، بدیع الزماں فروز انفر اور ڈاکٹر ناتل خانلری آپ کے اساتذہ میں شامل رہے۔ پروفیسر امیر حسن عابدی صاحب ایران میں پہلے سے ہی موجود تھے جو ان سے ایک سال قبل ایران جا چکے تھے۔ عابدی صاحب کو حکومت ایران کا وظیفہ (۴۰۰ تومان) ملا تھا۔نذیر احمد صاحب اور پروفیسر سید حسن رضوی کو بعد میں حکومت ہند کا وظیفہ ملا جو ۱۰۰۰ تومان پر مشتمل تھا۔ یہاں ایک بات بیان کرنا چاہوں گا کہ حکومت ہند نے ایک منصوبہ بنایا تھا کہ غیر ملکی زبانوں کی تحصیل کے لیے کچھ اساتذہ اور حکومت کے عملے کو ان ممالک میں بھیجا جائے جہاں وہ زبانیں بولی جاتی ہوں، چنانچہ فارسی کے لیے نذیر احمد صاحب، سیّد حسن رضوی اور ایک سرکاری افسر سدارنگانی صاحب کا انتخاب ہوا اور ان کو حکومت کی طرف سے وظیفہ بھی دیا گیا تھا۔اس سفر کے بارے میں عابدی صاحب کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

''نذیر صاحب سے میری پہلی ملاقات تہران یونیورسٹی میں ۱۹۵۵ء میں ہوئی۔ جہاں ہم لوگ تقریباً دو سال مرحوم پروفیسر سید حسن، ڈاکٹر مہتاب نرائن ماتھر بخشی صاحب وغیرہ کے ساتھ باشگاہ دانشگاہ تہران میں رہتے تھے۔وہاں کے قیام میں ہم سب کو وہاں کے علماء اور شعراء سے ملنے

اوران سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔جن میں استاد پورداؤد، استادفروز انفر، استادسعید نفیسی اور ڈاکٹر احسان یار شاطر وغیرہ جیسے اساتذہ قابل ذکر ہیں۔شعراء اورادبا میں نیما یوشیج سے بار بار ملاقات رہی ،جنہیں جدید فارسی شاعری کا بابا آدم اور بانی سمجھا جاتا ہے۔ان کے علاوہ زہری، شاملوکولی، ابتہاج سایہ وغیرہ سے برابر ملاقاتیں رہیں اوران کا کلام سننے کا موقع ملا۔''[۱]

نذیر صاحب کے ساتھ ایران تشریف لے جانے والے ساتھی پروفیسر سیّدحسن رضوی صاحب اس سفر کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں کہ:

''آشنائی این جانب، باد کتر نذیر احمد به سال ۱۹۵۶ بر می گردد۔ در آن زمان دکتر نذیر احمد ومن برائے مطالعۂ زبان وادب فارسی جدید (تحت برنامه دولت هند) انتخاب شدیم۔اکتبرهمان سال، از بمبئی باکشتی عازم مقصد شدیم۔ کشتی ما، پس از ده روز واردبندرخر مشهر شد. شب رادریک هتل گزراندیم و روز بعد با قطار به تهران رسید یم۔

هردو دریک خوابگاه اقامت کردیم. دکتر سید امیر حسن عابدی (که به دعوت دانشگاه تهران آمد بود)در اتاق دیگر هتل، اقامت داشت۔ ایشان شش ماه قبل از مارسیده بود، از این رو باتهران وبرخی شخصیت های برجستۂ ان آشنائی پیدا کرده بود . باحضور ایشان، احساس غربت، کلی کا هش یافت۔به راهنمائی استاد عابدی، مادردانشگاه تهران ثبت نام کردیم، وبه استادان ان دانشگاه معرفی شدیم۔ هرسه، روزهای جمعه به منزل یکی ازاستادان ویاشاعر ونویسنده ای برجسته برائے ملاقات می رفتیم۔ ضمناً، درکلاس های زبان پهلوی وفارسی باستان نیز شرکت می کردیم۔''[۲]

---

[۱] پروفیسر نذیر احمد درنظر دانشمندان، مرتبہ، پروفیسر ماریہ بلقیس ص۲۱

[۲] زندگی نامہ وخدمات علمی وفرہنگی پروفیسر نذیر احمد ص ۵۷۔۵۸

اب اس سفر کا حال نذیر احمد صاحب کی زبانی سنیے:

''ہم لوگ جب تہران روانہ ہوئے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کسی دور دراز جزیرے میں قیدی کی حیثیت سے بھیجے جا رہے ہیں، اُس وقت باہر جانے آنے کا بہت کم رواج تھا۔ غرض میں اور سید حسن صاحب پانی کے جہاز سے (بمبئی سے) روانہ ہوئے۔ ہم دونوں سفر سے نا آشنا تھے، نہ جانے کتنی پریشانیوں سے خرم شہر پہنچے، ہمارے پاس ہندوستانی روپیہ تھا، فارن ایکسچینج (متبادل روپیہ پیسہ) جیسی کوئی چیز نہ تھی، ڈالر کی بالا دستی اس وقت اتنی نہ تھی، خرم شہر اترے تو ہمارے پاس ایرانی سکے نہ تھے۔ بڑی مشکلوں اور دشواریوں سے کچھ ایرانی سکے حاصل کئے اور ان سے موٹر لانچ اور ریل کا کرایہ ادا کیا گیا۔ غرض اس طرح مرتے کھپتے ہم لوگ تہران پہنچے۔ اس شاندار شہر کی در و دیوار سے وحشت کا احساس ہوتا۔ تہران میں غیر ملکی طلبہ کا ایک ہوسٹل ہے جو باشگاہ کہلاتا ہے، غرض ہم لوگ باشگاہ پہنچائے گئے۔ باشگاہ میں عابدی صاحب سے ملاقات ہوئی اور ایسے ملے جیسے مدتوں کے شناسا ہوں، بغیر کسی تعارف و تکلف انہوں نے پہلی فرصت میں ہمیں ضرورت کے سامان کی فہرست بنوائی اور انہیں خریدوانے کے لیے ہمارے ساتھ اسی دن یا دوسرے دن روانہ ہوئے۔ کچھ راستہ سواری سے طے کیا اور زیادہ پیدل اس طرح لالہ زار پہنچے جو اس وقت تہران کا سب سے خوبصورت بازار تھا۔ اس کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ ضرور کرتی لیکن ہم لوگوں کو سارا ماحول اجنبی لگتا تھا۔ عابدی صاحب کی وجہ سے بڑی ڈھارس بندھی، باشگاہ کے ماحول میں عابدی صاحب کی وجہ سے بڑی دلکشی ہوتی تھی۔ وہاں مختلف ملکوں کے طالب علم ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ہندوستانیوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ باشگاہ میں صرف دوپہر کا کھانا دیا جاتا، شام کا خود انتظام کرنا پڑتا۔ ایک روز ہم ہندوستانیوں کا خیال ہوا کہ گوشت خود پکائیں، سب لوگ گوشت خریدنے گئے، دوکاندار نے گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا کاٹ کر دے دیا، ہم کو بوٹیاں کرانی تھیں، سمجھ میں نہ آیا کہ اس سے بوٹیاں کرنے کو کس طرح کہا جائے، ہم ہندوستان میں بوٹیوں کو پارچہ بھی کہہ دیتے ہیں، چنانچہ اس سے کہا ٹکڑے کو پارچہ بنادو، دوکاندار ہنسا اور کہا ''آغا این گوشت'' پارچہ نمی شے (جناب عالی یہ

گوشت ہے اور گوشت پارچہ نہیں ہوسکتا) پارچہ کے معنی کپڑے کے ہیں، واضح ہے گوشت کپڑے میں تبدیل نہیں ہوسکتا، تو پھر ہم نے بین الاقوامی زبان کا استعمال کیا، یعنی ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ ہم کیا چاہتے ہیں اس پر اس نے کہا کہ ''تکہ می خواہید'' تکہ بمعنی بوٹی ہے، لیکن اس لفظ کا محل استعمال صرف محاورہ میں ہے۔ تکہ بوٹی کر ڈالا، لیکن عام بوٹی کے لیے اس لفظ کا استعمال ہمارے ملک میں نہیں، ہم کو اپنی بے چارگی پر بہت ترس آیا۔ ہم سب لوگ یونیورسٹی میں فارسی کے استاد تھے لیکن روزمرہ کی فارسی میں ہماری دسترس کا یہ عالم تھا کہ کسی دوکاندار سے کوئی سودا نہیں خرید سکتے تھے۔ باشگاہ کے نیچے ہال میں شادیاں ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی ہم لوگوں کو بھی مدعو کرلیا جاتا تو ہم واقعی اس دعوت کا حق ادا کرتے۔ ہماری کلاس سہ پہر کو ہوتی، وہاں سے لوٹتے تو اکثر ہمارے کمرے کی کھڑکیوں پر آئس کریم ملتی۔

ایک بار مرغ پکانے کا منصوبہ بنا، مرغ لایا گیا۔ میں نے غسل خانے میں ذبح کیا، عابدی صاحب کے ساتھ مل کر اس کو صاف کیا، پھر اس کی بوٹیاں بنائیں، شام کو مرغ پکایا گیا۔ پکانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی۔ انہیں دنوں ڈاکٹر سدارنگانی مشہد سے زعفران لائے تھے، میں نے سنا تھا کہ زعفران ڈالنے سے سالن لذیز ہوجاتا ہے، میں نے گوشت میں زعفران ڈالی مگر وہ اندازے سے کہیں زیادہ ہوگئی، کھانا کھانے بیٹھے، سارے ہندوستانی جمع تھے سدارنگانی گوشت نہیں کھاتے تھے، ان کے لیے کچھ سبزی بن گئی تھی، گوشت چکھا گیا تو اس میں نہایت ناگوار کڑواہٹ تھی، کسی سے کھایا نہ گیا، عابدی صاحب مستثنیٰ رہے، وہ برابر کھاتے رہے، کچھ بچ رہا تو اسے دوسرے وقت نوش جان کیا، اس کے بعد جب کوئی سالن پکتا تو کہتے کہ اس میں زرا زعفران ڈال دو۔

سید پروفیسر حسن اور میں ایک بار بازار سے گزر رہے تھے تو بالوشاہی جیسی ایک مٹھائی ایک بسکٹ بیچنے والے کی دوکان پر دکھائی دی۔ سید صاحب نے فوراً ایک کلو مٹھائی خریدی، جب کمرے پر اسے کھایا تو وہ بدمزہ تھی۔ مجھے مٹھائی کا شوق نہ تھا غرض وہ پڑی رہی۔ وہاں کی آب و ہوا میں

چیزیں جلد خشک ہو جاتی ہیں۔ مٹھائی بھی خشک ہوگئی، عابدی صاحب اس کو برابر کھاتے رہے اور جب وہ ختم ہوگئی تو مذاق کے طور پر مزید مٹھائی لانے کی فرمائش کی۔''[۱]

ملازمت

آپ کو ملازمت سے پہلے چوتھی کلاس سے ہی اسکالرشپ ملنے لگی تھی جس کی رقم دو روپیہ ماہانہ تھی۔ ساتویں میں چار روپیہ ہوگئی، آٹھویں کلاس میں آٹھ روپیہ، بی۔اے میں تیس روپیہ، ایم۔اے میں ساٹھ روپیہ اور پی۔ایچ۔ڈی میں پچھتر روپیہ ماہانہ ملتی رہی۔ اس اسکالرشپ سے آپ اپنی فیس کا بوجھ کم کر لیتے تھے کیونکہ اس زمانے میں تعلیم اتنی مہنگی نہ تھی۔ گیارہویں کلاس میں آپ کی فیس ۱۲ روپیہ ماہوار تھی۔ جو اس وقت کے حساب سے مہنگی نہیں تھی۔ ماشاءاللہ آپ ذہین تھے اور برابر اسکالرشپ بھی ملتی رہی، اس لیے آپ کو کبھی فیس کا بوجھ محسوس نہیں ہوا۔ اس زمانے میں زیادہ فیس نہ ہونے کے باوجود پڑھائی کا بہت زیادہ رواج نہ تھا اور اُس زمانے میں عربی اور فارسی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کو آج کی طرح فوراً کسی یونیورسٹی یا کالج میں لیکچرر کی جگہ نہیں مل جاتی تھی۔ نوکریوں کا ملنا تھوڑا مشکل تھا۔ اس لیے لوگوں کو اپنی عملی زندگی کا آغاز کرتے وقت بڑی جدوجہد کرنی پڑتی تھی تب کہیں اسکول یا انٹر کالج میں درس وتدریس یا معلّمی کا کام دستیاب ہوتا۔

اُس زمانے میں یونیورسٹی میں عربی، فارسی اور اُردو کے شعبے بھی تھے مگر یونیورسٹی کی تدریسی سطح تک آنے کے لیے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کو واقعی اور حقیقی معنوں میں سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ ۱۹۴۰ء میں آپ نے U.P.S.C کا امتحان دیا، کامیاب ہوئے اور دیوریا کے گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول میں چالیس روپیہ ماہوار پر اردو اور فارسی کے ٹیچر کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ جب آپ کی تقرری ہوئی اُس وقت آپ نے ایم۔اے تک کی تعلیم مکمل کی تھی اس کے بعد ۱۹۴۳ء میں بستی کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں استاد کی حیثیت سے ٹرانسفر ہوگیا، جہاں آپ نے ۱۹۵۰ء تک درس وتدریس کی خدمات کو انجام دیا۔ دورانِ ملازمت ان دس سالوں میں برابر تحقیقی کاموں میں بھی

---

[۱] عابدی نامہ، مرتبین، پروفیسر نورالحسن انصاری، پروفیسر اظہر دہلوی، پروفیسر شریف حسین قاسمی، انجمنِ فارسی، دہلی ۱۹۹۰ء ص ۳۷۵۔۳۸۱

مصروف رہے اور پہلے ۱۹۴۵ء میں پی۔ایچ۔ڈی اور پھر ۱۹۵۰ء میں ڈی۔لٹ جیسی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ڈی۔لٹ کی ڈگری حاصل کرتے ہی ۱۹۵۰ء میں آپ کا لکھنؤ یونیورسٹی میں لیکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔آپ نے اپنی تحقیق جاری رکھی۔۱۹۵۵ء میں اُردو میں ڈی۔لٹ کی ڈگری حاصل کی اس کے بعد برابر تحقیقی کاموں میں مصروف رہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کیا۔آپ نے اس دوران بہت سارے مقالے لکھ کر شائع کرائے جو فارسی اور اُردو ادب کے لیے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔اپنے تحقیقی کاموں کے بارے میں خود انہوں نے اپنی کتاب ''تحقیقی مطالعے'' کے تعارف میں لکھا ہے:

''۱۹۴۰ء میں ایم۔اے پاس کرنے کے ساتھ ہی تاریخی تحقیق کا شوق پیدا ہوا چنانچہ مشہور فارسی نثار وشاعر ظہوریؔ کو اپنی تحقیق کا موضوع قرار دیا اور دسمبر ۱۹۴۴ء تک پی۔ایچ ڈی کے مقالے کی ترتیب مکمل ہوگئی۔اس سلسلے میں ابراہیم عادل شاہ ثانی (متوفی ۱۰۳۷ء) کے غیر معمولی کمال نے اس حد تک متاثر کیا کہ اُس کے عہد کے ادب پر کام شروع کر دیا اور ۴، ۵ سال کی سعی وتلاش کے بعد ایک مقالہ بعنوان ''ابراہیم عادل شاہ اور اُس کے درباری شعراء'' مکمل ہوا جس پر لکھنؤ یونیورسٹی نے ڈی۔لٹ کی ڈگری عطا کی۔اب ریسرچ میں شغف اور زیادہ ہوگیا اور ابراہیم عادل شاہ کی کمیاب کتاب ''نورس'' کی ترتیب وتدوین کا خیال راسخ ہوگیا۔چنانچہ تقریباً تین سال کی تلاش وجستجو اور پٹنہ، رام پور، حیدرآباد بمبئی وغیرہ کے سفر کے بعد مارچ ۱۹۵۳ء تک یہ کام بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔بارہ تیرہ سال کی اس مدت میں ہندستان کے موقر رسالوں میں مضامین بھی شائع کرتا رہا۔''[۱]

انہی کوششوں کے نتیجے میں جب آپ لکھنؤ یونیورسٹی میں لیکچرر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اسی دوران آپ کا انتخاب ایران میں اعلیٰ تعلیم کے لیے ہوگیا۔آپ ایران تشریف لے گئے اور ۱۹۵۶ء میں ایران میں ۹ ماہ کے قیام کے بعد لکھنؤ واپس پہنچے اور اس کے بعد ۱۳ مارچ ۱۹۵۷ء میں آپ کا

---

[۱] تحقیقی مطالعے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، لکھنؤ یونیورسٹی ۱۹۵۴ء ص تعارف

انتخاب علی گڑھ میں تاریخ ادب اُردو کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے ہوا۔ اس طرح لکھنؤ یونیورسٹی میں سات سال تک درس وتدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد آپ علی گڑھ تشریف لائے اور یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ علی گڑھ آمد کے بارے میں خود نذیر صاحب فرماتے ہیں۔

''میں ۱۹۵۷ء میں علی گڑھ آیا اور یہیں کا ہو کے رہ گیا۔ یہاں جن لوگوں سے آشنا تھا اس میں میرے لکھنؤ کے ساتھی ڈاکٹر محمد حسن بھی تھے، جب علی گڑھ تاریخِ ادب اُردو کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر کی آسامی کے انٹرویو کے لیے آیا، تو باوجود اس کے کہ لکھنؤ کی گاڑی چار بجے صبح کے قریب پہنچتی تھی، ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے رضوان حسین صاحب کو میرے لینے کے لیے اسٹیشن بھیجا تھا۔ سیّد رضوان حسین اب شعبۂ انگریزی کے لائق استاد ہیں، ڈاکٹر محمد حسن کا قیام زہرہ باغ کوٹھی میں تھا، جو اُن دنوں ایک لق ودق میدان میں یکّہ وتنہا کھڑی تھی، آج زہرہ باغ ایک بڑے محلّے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ شروع میں، میں اکیلا علی گڑھ آیا تو پروفیسر آل احمد سرور صاحب نے جو اُن دنوں سرسیّد ہال کے پرووسٹ تھے، میرا قیام ٹول ہال میں کر دیا۔ اس سے ملحق ایک کمرے میں ڈاکٹر وسیم صدیقی کا قیام تھا، جو عثمانیہ ہوسٹل کے وارڈن تھے۔ یہ وہی وسیم صاحب ہیں جن کی ملیریا کے ویکسین سے متعلق تحقیقات عالمی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ دیکھئے میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ پروفیسر مختار الدّین احمد پر مضمون لکھ رہا تھا کہ درمیان میں دوسری اور باتوں میں الجھ گیا۔ مگر کیا کیا جائے، علی گڑھ کا نام آتے ہی پرانی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

اک ذرا چھیڑئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے! جی چاہتا ہے کہ قیام علی گڑھ کے ۳۷ سالہ تجربات کو قلمبند کروں، اگر توفیق خداوندی شامل حال رہی تو شاید لکھ بھی لوں، لکھنے میں صرف یہ تامّل ہے کہ اس میں بعض تلخیاں کیسے سموئی جائیں۔''[۱]

آپ جولائی ۱۹۵۷ء میں مع اہل وعیال علی گڑھ تشریف لائے اور علی گڑھ میں زہرہ باغ کے قریب کوٹھی اشفاق منزل میں رہائش اختیار کی۔ آپ تقریباً سوا برس تک مجلّہ اُردو ادب کی

---

[۱] نذرِ مختار، مرتّبہ، مالک رام، مجلس نذرِ مختار، نئی دہلی ۱۹۸۸ء ص ۴۸

خدمت کرتے رہے۔ پھر اگست ۱۹۵۸ء میں شعبۂ فارسی، دانشگاہ علی گڑھ میں بحیثیت ریڈر آپ کا تقرر ہوا، تقریباً ڈیڑھ برس بحیثیت ریڈر کام کرنے کے بعد اسی شعبہ میں پروفیسر اور صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۹ء میں فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین کے عہدے پر فائز ہوئے اور مقررہ مدت تک اس کام کو بھی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اسی طرح درس وتدریس کا جو سفر آپ نے دیوریا کے ایک معمولی سے اسکول سے شروع کیا تھا۔ اس کو ۱۹۷۷ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے پروفیسر اور صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے ہوئے اختتام کو پہنچایا۔ اس دوران آپ نے بہت سے طُلبہ کی پی۔ ایچ۔ ڈی میں رہنمائی فرمائی جن کا ذکر دوسرے باب میں تفصیل سے کیا جائے گا۔

دورانِ قیام علی گڑھ درس وتدریس اور دوسری اہم ذمہ داریوں کے ساتھ آپ شب وروز علم وادب کی خدمت کرتے رہے نہ آپ کا قلم رکا اور نہ آپ نے سُستی برتی۔ لگاتار تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ آپ نے اس دوران بہت سے طلبہ کی بہترین رہنمائی کی اور انہیں اعلیٰ درجے کے مصنف مُفکر اور اساتذہ بنایا جن میں پروفیسر کبیر احمد جائیسی، پروفیسر طارق حسن، پروفیسر آزرمی دخت صفوی، پروفیسر ماریہ بلقیس، پروفیسر ریحانہ خاتون وغیرہ اہم ہیں اور فارسی و اُردو کی علمی دنیا میں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے طلبہ میں سے بہت سے ہندوستانی دانشگاہوں میں پروفیسر اور صدر شعبہ کے عہدہ پر فائز ہیں اور عالمی شہرت رکھتے ہیں۔

غیر ملکی مجالس اور مذاکرات میں شمولیت:

آپ نے نہ صرف ہندوستانی بلکہ دنیا کے دیگر ممالک کی یونیورسٹیوں کی علمی مجالس اور مذاکرات میں حصہ لیا۔ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک کی یونیورسٹیاں مثلاً ایران میں تہران، مشہد، شیراز، کرمان، تبریز، افغانستان میں کابل، پاکستان میں کراچی، لاہور، سندھ، یو۔ ایس۔

اے میں ایوا، اربانا، شکاگو، واشنگٹن، کلیولینڈ، یو۔ ایس۔ آر میں سمرقند، بخارا، دوشنبہ، تاجیکستان اور کویت میں علمی مجالس میں شرکت کی اور اُن سبھی یونیورسٹیوں میں لیکچر دیئے جہاں فارسی اور اُردو کے شعبے موجود ہیں۔

اعزازات:

نذیر احمد صاحب کو ان کی غیر معمولی کارکردگیوں پر بہت سارے ایوارڈز (توصیفی اسناد) اور انعامات سے نوازہ گیا۔

پروفیسر نذیر احمد کا شمار دنیا کی گنی چنی ہستیوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے جو کام تن تنہا کیا ہے وہ ایک ادارہ پر بھاری ہے۔ آپ نے لاتعداد مقالے لکھے اور نادر و نایاب کتابوں کی تصحیح کی۔ آدمی جب یکسوئی اور خاموشی سے بیگانۂ سود و زیاں ہو کر مسلسل کسی نیک اور مفید کام میں مصروف رہتا ہے تو قدرت اُس کو محبوب خلائق بنا دیتی ہے اور دنیاوی انعامات و اکرامات کی بھی اُس پر بارش کرواتی ہے۔ نذیر صاحب پر یہ بارش ہوئی اور خوب ہوئی اور مرتے دم تک ہوتی رہی۔ ۱۹۷۸ء میں صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے فارسی خدمات کے سلسلے میں آپ کو انعام اور توصیفی سند سے نوازا گیا۔

۱۹۷۸ء میں ہی فارسی تحقیق و تنقید کے لیے غالب انسٹی ٹیوٹ کے ۱۹۷۶ء کے فخر الدین علی احمد ایوارڈ کے حقدار قرار دیئے گئے۔ ۱۹۸۰ء میں انجمن استادان فارسی ہند کی طرف سے آپ کو ''استاد ممتاز'' کے اعزاز سے نوازا گیا اور اس موقع پر ایک سند آپ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ ۱۹۸۷ء میں حکومت ہند کی طرف سے پدم شری کے خطاب سے نوازے گئے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے اس خوشی کے موقعہ پر آپ کو ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کی تقریب غالب انسٹی ٹیوٹ نے نہایت شاندار طریقے سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد کی اور اُسی سال یعنی ۱۹۸۷ء میں ہی آپ کو امیر خسرو سوسائٹی امریکہ کی طرف سے نذرِ خسرو ایوارڈ سے نوازہ گیا۔ ۱۹۸۷ء کو ہی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے آپ کی قابل قدر علمی و ادبی خدمات کے پیش نظر آپ

کو استاد ممتاز Professor emeretus مقرر کیا۔ ۱۹۸۸ء کو یونسکو نے سالِ حافظ قرار دیا تھا، آپ نے حافظ کے دو قدیم ترین مخطوطات کشف کئے اور ان کو مرتب کر کے شائع کروایا، ان کے اس کام اور اس سے قبل حافظ پر کئے گئے کام کی اہمیت اور عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے خانہ فرہنگ ایران (ہند) نے آپ کو ''حافظ شناس'' کا خطاب عطا کیا۔ ان اسناد و انعامات کے علاوہ ۱۹۸۹ء میں تہران یونیورسٹی نے آپ کو آنریری ڈگری پیش کی اور اُسی سال ایران میں آپ کی ادبی، علمی و تحقیقی خدمات کے صلے میں پہلا عالمی ادبی اور تاریخی ''محمود افشار ایوارڈ'' پیش کیا گیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب ایران سے باہر کسی دانشمند کو یہ سند عطا کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں ایران، تہران میں آپ کے اعزاز میں نہایت عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ایران کی مختلف یونیورسٹیوں کے دانشمندوں، استادوں اور طالب علموں نے شرکت کی۔ ان شرکاء میں آپ کے وہ استاد بھی شامل تھے، جنھوں نے ۱۹۵۶ میں ایران میں دورانِ قیام آپ کو درس دیا تھا۔ آپ کی علمی و ادبی و تحقیقی مساعی جمیلہ کا ذکر کر کے کھلے دل سے آپ کی علمی فضیلت کا اعتراف کیا اور سند کے طور پر ایک سپاسنامہ اور ۳۶۲۵ ڈالر کا چیک پیش کیا۔ اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر محیط طباطبائی نے کی۔

۱۹۹۳ء میں آپ کو آل انڈیا میرا کاڈمی نے ''اعزاز میر ۱۹۸۹ء'' کی سند اور ۲۵۰۰ روپیہ پیش کیا یہ سند اور انعام آپ کی اردو زبان و ادب کی نمایاں، منفرد و ممتاز تحلیقی و تحقیقی خدمات کے اعتراف میں پیش کیا گیا۔

۱۹۹۹ء میں خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ نے آپ کو سرٹیفکیٹ اور ایوارڈ سے نوازا یہ ایوارڈ آپ کو اردو اور فارسی میں گرانقدر خدماتِ کے اعتراف میں پیش کیا گیا۔ ۲۰۰۵ء میں دریافت لوح جشن زریں کے موقعہ پر خانہ فرہنگ ایران کی طرف سے آپ کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

۱۰ جنوری ۲۰۰۸ء میں آپ کو دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی نے اعزاز سے نوازا۔ انہیں یہ اعزاز فارسی میں قابلِ قدر خدمات کے لیے دیا گیا۔ نذیر احمد صاحب کی عمر اور صحت کو مدِ نظر رکھتے

ہوے یہ تقریب علی گڑھ میں ہی منعقد کی گئی۔ اس تقریب میں دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے صدر پروفیسر چندر شیکھر، پروفیسر شریف حسن قاسمی اور ڈاکٹر محمود فیاض ہاشمی نے آپ کو شال اور توصیف نامہ پیش کیا۔ اس موقع پر اقتدار حسین صدیقی، پروفیسر کبیر احمد جائیسی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی شعبہ فارسی کی صدر پروفیسر ماریہ بلقیس بھی موجود تھیں۔ پروفیسر کبیر الدین، ڈاکٹر سراج اجملی نے نذیر احمد صاحب کی فارسی میں کی گئی خدمات پر روشنی ڈالی اور انھیں ماہرِ لسانیات بھی بتایا۔

ملکی و غیر ملکی انجمنوں کی صدارت اور رکنیت

پروفیسر نذیر احمد درس وتدریس اور تحقیق کے علاوہ دوسری اہم ذمہ داریوں کے باوجود متعدد ملکی اور غیر ملکی انجمنوں کے صدر اور رکن بھی رہ چکے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپ ''انجمن اساتذۂ فارسی ہند'' کے بانیوں میں سے ہیں، جس کی تشکیل جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں ۱۹۷۷ء میں ایرانی اساتذہ کی موجودگی میں ہوئی تھی۔ ہندوستان میں فارسی زبان وادب کی ترقی وترویج کے لیے آپ نے انتھک کوشش کی۔ آپ کی ان خدمات عالیہ اور ہندوستان کے فارسی اساتذہ میں آپ کی بے پناہ عزت واحترام کے پیش نظر آپ کو دوبارہ ''انجمن اساتذۂ فارسی ہند'' کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کے بعد آپ ایک بار ''آل انڈیا اورینٹل کانفرنس شعبہ عربی وفارسی'' کے صدر منتخب کئے گئے۔ آپ نے بخوبی اس کام کو سرانجام دیا اس طرح ''غالب نامہ'' کے مدیر اعلیٰ غالب انٹرنیشنل سمینار کمیٹی کے چیرمین، غالب انسٹی ٹیوٹ کے ٹرسٹی اور ۱۹۹۱ء سے غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری کے فرایض انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ تہران یونیورسٹی کے رسالہ ایران شناسی کے بورڈ آف مشاورین کے رکن اور غالب اکیڈمی دہلی کے رکن بھی رہے۔ رسالۂ انڈوایرانیکا (کلکتہ) کے بورڈ آف ایڈیٹوریل کے رکن اور رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے بورڈ آف ایڈیٹوریل کے رکن کے فرایض بھی بخوبی انجام دیتے رہے۔ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی سے شائع ہونے والے فارسی رسالہ ''بیاض'' کے بورڈ آف ایڈیٹوریل کے رکن اور دہلی سے ہی شایع

ہونے والے ''میڈیکل ہسٹری'' کے بورڈ آف ایڈیٹوریل کے رکن کے عہدے پر بھی فائز رہے۔اس کے علاوہ آپ نے قند پارسی خانۂ فرہنگ ایران، دہلی نو کے ایڈیٹوریل بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔آپ نے ان تمام عہدے کے فرائض بڑے وقار اور ایمانداری سے انجام دیئے اور فارسی، اردو اور عربی ادب کی گرانقدر خدمات سرانجام دیتے رہے جس پر قوم کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

ادبی زندگی کا آغاز:

پروفیسر نذیر احمد صاحب نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۰ء میں اپنی پی۔ایچ۔ڈی کے عنوان ''ظہوری آثار وحیات'' سے کیا جس کے نتیجہ میں ۱۹۴۵ء کو پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری اور بہترین تحقیق پر انعام حاصل کیا۔آپ کی ادبی زندگی کے بارے میں پروفیسر امیر حسن عابدی فرماتے ہیں:

''پروفیسر نذیر احمد صاحب کی سب سے پہلی کتاب Ph.d کی تھیسس تھی، جس کا عنوان ''ظہوری آثار وحیات'' تھا۔اس زمانے میں فارسی میں ریسرچ کا مقالہ صرف انگریزی میں لکھا جاتا تھا۔اکثر فارسی کی تعلیم بھی انگریزی ہی میں ہوتی تھی، لہٰذا نذیر احمد صاحب کا ظہوری پر مقالہ بھی انگریزی میں چھپا ہے۔''[۱]

اس کے بعد آپ نے ایک مضمون ''فارسی ساقی نامہ'' کے عنوان سے لکھ کر ''رسالہ نگار'' لکھنؤ میں ستمبر ۱۹۴۷ء کو چھپوایا پھر اسی رسالہ میں 'عرفی شیرازی'' پر لکھ کر دسمبر ۱۹۴۷ء میں اور ''سنجر کاشانی'' پر مضمون لکھ کر اگست۔اکتوبر ۱۹۴۷ء میں شائع کرائے۔اس طرح آپ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا۔آپ کا قلم برابر رواں دواں رہا اور وفات تک جاری رہا۔آپ نے لاتعداد مقالے لکھے حتی الامکان کوشش سے میں نے ان کے مقالات کی ایک فہرست تیار کی ہے جو اس مقالے میں پیش کی ہے اور بہت سی نادر اور نایاب کتابوں کو مرتب کر کے شائع کروایا جو فارسی اور اردو ادب کا اہم ذخیرہ ہیں اور تحقیق کرنے والوں کے لیے راہ نما ہیں۔آپ کے مقالات اور تصانیف سے بے شمار

---

[۱] پروفیسر نذیر احمد در نظرِ دانشمندان، مرتبہ، پروفیسر ماریہ بلقیس ص ۲۰

اسکالر استفادہ کررہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

ہندی میں ان کی مرتب کردہ ''کتاب نورس'' جسے سنگیت اکیڈمی نے تقریباً تیس سال پہلے شائع کیا تھا، اب نایاب ہے۔ انگریزی میں ان کی پہلی کتاب ظہوری پر تھی، جواب بہ مشکل دستیاب ہو سکے گی۔ مکاتیب سنائی اور دیوان سراجی انہیں کا کام ہے۔ ان میں سے پہلی کتاب ہندوستان کے علاوہ ایران اور افغانستان سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

ان کا سب سے بڑا کارنامہ دیوان حافظ کے اس قلمی نسخے کی تلاش ہے، جو مع مقدمے کے قدیم ترین نسخہ کہا جائے گا۔ یہ نسخہ سید ہاشم علی سبز پوش گورکھپور کے کتب خانے سے حاصل کیا اس کی بازیافت میں انہوں نے جتنی زحمتیں اٹھائیں ہیں، ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ تہران میں یہ نسخہ کئی مرتبہ چھپ چکا اور بے حد مقبول ہوا ہے۔

اس سے بھی بڑا کام لغت کی دنیا میں نادر و نایاب منابع کی تلاش اور ترتیب ہے۔ غالب شناسی میں بھی اس کو ایک مقام حاصل ہے۔ تاج محل اور مصوری سے متعلق بھی ان کے مقالات کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔

اخلاق و عادات:

پروفیسر نذیر احمد ایک مشفق باپ، مہربان دوست اور ایک ہر دلعزیز استاد تھے۔ آپ کے اخلاق و عادات کے بارے میں آپ کی بیٹی پروفیسر ماریہ بلقیس لکھتی ہیں:

''میں نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں اپنے والد صاحب کو ایک مشفق باپ، مہربان دوست، ہر دلعزیز استاد، سگھڑ، سلیقہ مند اور وفادار بیوی سے محبت کرنے والے شوہر، ملنسار، خلیق، متواضع اور بلند پایہ اخلاق کا مالک پایا۔ چھوٹے اور بڑے سب سے اخلاق سے پیش آتے ہیں، مزاج میں سادگی کے ساتھ شگفتگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ گفتگو میں کشش ہے، مدلل انداز میں بات کرتے ہیں۔ نہایت معاملہ فہم ہیں، بردباری اور تحمل ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ سیاست سے الگ تھلگ رہتے ہیں، خواہ وہ ملکی سیاست ہو یا دانشگاہی سیاست، سیاسی موضوع پر بہت کم گفتگو

کرتے ہیں۔ اسلامی فکر اور سوچ رکھتے ہیں، ادبی اور علمی کاموں میں ایسے مواقع کثرت سے آتے ہیں جہاں اختلاف کے مواقع پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن ایسی صورت میں بھی وہ تحمل سے کام لیتے ہیں اگر کسی سے اختلاف ہو بھی جاتا ہے تو انداز بیان نہایت نرم ہوتا ہے کہ صاحبِ معاملہ کی کسی طرح دل شکنی نہ ہو۔ ان کا حلقہ احباب خاصا وسیع ہے، جن میں بالخصوص ہندوستانی، پاکستانی اور ایرانی حضرات شامل ہیں۔ آپ کو تحقیق سے بہت دلچسپی ہے جو مرحوم پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ کی فیض و ترتیب کا نتیجہ ہے۔ متنی تنقید و تحقیق کی طرف آپ کا میلان و رجحان ہے۔ آپ کے پاس کتابوں کا ایک وقیع ذخیرہ ہے جو تحقیقی کام کرنے والے طلباء اور اساتذہ کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ چونکہ وہ دوستوں اساتذہ اور حتیٰ طالب علموں کو بھی کتاب دینے میں عار محسوس نہیں کرتے اور دی گئی کتاب کا کبھی اندراج بھی نہیں کرتے، جس سے ان کو یہ یاد رہتا کہ کتاب کون لے گیا، اسی طرح کتاب کے واپس نہ آنے کا احتمال زیادہ رہا جس نے آپ کے گرانبہا کتابی ذخیرہ کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اگر آپ نے باقاعدہ کتابوں کی لین دین کا اندراج کیا ہوتا اور کتابوں کی واپسی کا سلسلہ اسی طرح برقرار رہتا جس طرح لوگوں کے لے جانے کا، تو آپ کے پاس نہ معلوم کتنی کتابیں ہوتیں۔ حد یہ ہے کہ والد صاحب یہ تک جانتے ہیں کہ بعض لوگوں کو انہوں نے کتابیں دی ہیں، لیکن جب ان سے واپسی کا نرم انداز میں تقاضا کرتے ہیں تو وہ لوگ کہتے ہیں! جی ہاں ڈاکٹر صاحب بہت حفاظت سے رکھی ہیں کتابیں! اور واپس دینے کا نام نہیں لیتے۔ آپ کے بلند اخلاق کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ایک سیمنار میں حضرت نظام الدین تشریف لائے۔ یہ سیمنار حسن ثانی نظامی نے کرایا تھا، واپسی پر آپ کو ہدیتاً کچھ پیسے کی پیشکش کی گئی جو آپ نے یہ کہہ کر واپس کر دی کہ میں ایسے عظیم پایہ انسان کے سیمنار میں شرکت کروں، یہ میری خوش قسمتی ہے، لیکن میں اس کے لیے پیسے لوں یہ میرا ضمیر گوارہ نہیں کرتا۔

آپ نے ہمیشہ فرسٹ کلاس میں سفر کیا اور عام طور پر ریزرویشن کے ساتھ کیا۔ وہ سفر میں زحمت اٹھانے کے قائل نہیں تھے۔ آپ کو چھوٹے بچوں سے بہت لگاؤ تھا اور خاص کر اپنے

نواسے نواسیوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ یہ بچے جب چھوٹے تھے تو ہر وقت نانا سے کہانی سنانے کی فرمائش کرتے یا اگر بچے کوئی ضد کرتے تب بھی آپ ان کو کہانی سنایا کرتے، لیکن ان کو وہ ہمیشہ صرف ایک ہی کہانی سناتے، جب ہم یعنی ان کے بچے چھوٹے تھے تب بھی وہ یہی کہانی سناتے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانی ان کو بے حد پسند ہے اور ہم نے ہر موقعہ پر بارہا اس کو سنا ہے۔ وہ کہانی ایک ادنیٰ اور بڑوا سیار کی ہے جس کو وہ مزے لے لے کر ہنس ہنس کر بچوں کو سناتے اور بڑے و بچے سب خوش کر، قہقہہ لگاتے۔ ان کو چھوٹے بڑے سب کو خوش کرنے اور ہنسانے کا فن بخوبی آتا ہے۔ والد صاحب بچوں سے کچھ پہیلیاں بھی بجھاتے تھے، جو مخصوص تھی مثلاً چراغ، گنا، لال، بنولی کی پہلیاں۔''[۱]

تفریحی مشاغل

نذیر احمد صاحب کو بیڈمنٹن کھیلنے میں دلچسپی تھی اور جب کبھی تحقیقی کاموں سے انھیں فرصت ملتی تو بیڈمنٹن کھیلتے اس کھیل میں آپ اچھی مہارت رکھتے تھے۔

آپ کے اس کھیل کے متعلق پروفیسر ماریہ بلقیس لکھتی ہیں:

''والد صاحب کو بیڈمنٹن کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ جب ہم لوگ بڑے ہوئے اور بیڈمنٹن کھیلتے وہ اس عمر میں بھی ہم سے بہتر کھیلتے۔ ہمیں ان کا کھیلنا دیکھ کر حیرانی ہوتی کہ وہ اتنا اچھا بیڈمنٹن کھیلتے ہیں۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے کالج کی ٹیم کے اپنے وقت کے بہترین کھلاڑی تھے۔''[۲]

معمولات یومیہ

نذیر صاحب کے دن رات کے مشاغل کے بارے میں لکھتی ہیں کہ:

''والد صاحب سحر خیز ہیں پہلے تہجد کی نماز ادا کرتے، قرآن پڑھتے اور پھر نماز فجر کے

---

[۱] کارنامۂ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون ص ۸۳۔۸۴

[۲] ایضاً ص ۸۵

لیے مسجد تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں سے واپسی کے بعد سات بجے تک قرآن کی تلاوت کرتے، پھر ناشتہ کے بعد اپنی علمی کاوشوں میں مصروف ہو جاتے اور پھر تمام دن صرف نماز، قرآن اور اپنی تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ ہمیشہ باوضو رہنے کی کوشش رہتی۔ پڑھنے پڑھانے کے لیے آپ کی میز، کرسی کا ہی ہونا ضروری نہیں، وہ کبھی چارپائی پر بیٹھے پڑھتے ہوئے نظر آتے اور کبھی چٹائی پر بیٹھ کر کام کرتے ہوئے مصروف دکھائی دیتے۔ ویسے میز کرسی پر بھی ان کو کام میں مصروف دیکھا جا سکتا تھا۔ دن میں صرف آدھے گھنٹے کے لیے دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرتے اور پھر رات میں دس ساڑھے دس بجے سونے کے لیے لیٹ جاتے، اس طرح ان کا پورا دن ان مصروفیات میں گزر جاتا۔''[۱]

آخری علالت اور رحلت:

ویسے تو ہفتہ دو ہفتہ بعد نذیر احمد صاحب سے ملنے جاتا رہتا تھا مگر ہوا یوں کہ میں عید الفطر کے موقعہ پر گھر چلا گیا۔ ۱۲/اکتوبر ۲۰۰۸ء کو واپس علی گڑھ پہنچا، دوسرے دن ڈپارٹمنٹ گیا۔ میری استاد محترم ڈاکٹر افشاں آفتاب نے بتایا کہ پروفیسر نذیر احمد میڈیکل میں ایڈمٹ ہیں۔ یہ سنتے ہی کچھ عجیب سا محسوس ہوا۔ ایسا لگا جیسے دل کی دھڑکن ٹھہر سی گئی ہو۔ میں فوراً رکشہ پکڑ کر میڈیکل پہنچا اس وقت صبح کے ۹ بج رہے تھے۔ نذیر صاحب کو C.C.U میں رکھا گیا تھا، جو دل کے امراض سے متعلق ہے۔ اگرچہ اس یونٹ سے ان کے مرض کا کوئی تعلق نہیں تھا، مگر وہاں صرف اس لیے شفٹ کیا گیا تھا کہ پورے اسپتال میں قدرے بہتر یونٹ وہی تھا اور نذیر صاحب کی پوزیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا کیا گیا تھا۔ خیر جب میں C.C.U میں داخل ہوا تو اُس وقت ان کے پاس اُن کی صاحبزادی پروفیسر ریحانہ خاتون موجود تھیں۔ پروفیسر ریحانہ خاتون سے حالات معلوم کیے اور بیڈ کی دوسری جانب اسٹول پر بیٹھ کر نذیر احمد صاحب کا ہاتھ تھاما، نذیر احمد صاحب سے بات کرنے کو جی کر رہا تھا مگر افسوس کہ وہ بات نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی آنکھیں کھول رہے تھے۔

---

[۱] کارنامۂ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون ص ۸۵

واقعہ یہ ہوا کہ ۷/اکتوبر کی شام پروفیسر نذیر احمد باتھ روم سے کمرے میں آتے ہوئے گر گئے تھے۔ اگر چہ اس وقت ان کے ساتھ ان کے بھائی کے نواسے ڈاکٹر ہارون بھی تھے لیکن وہ ان کو سنبھال نہ سکے اور نذیر احمد صاحب زمین پر گر پڑے۔ کسی طرح ان کو اٹھا کر برآمدے میں بچھے تخت پر لا کر لٹایا گیا۔ نذیر احمد صاحب نے پیر میں خفیف سی تکلیف کا اظہار کیا جس پر Moov دوا لگائی گئی اور ایک (درد کش) دوا بھی دی گئی۔ اس سے قبل ۴/اکتوبر کو اسی طرح کا واقعہ پیش آچکا تھا لیکن ان کو سنبھال لیا گیا تھا۔ ۷/اکتوبر کے اس واقعہ کی جب پروفیسر ماریہ بلقیس کو اطلاع دی گئی، (پروفیسر ماریہ بلقیس پروفیسر نذیر احمد کی صاحبزادی ہیں جو علی گڑھ میں ہی نذیر صاحب کے گھر سے تھوڑی ہی دور رہائش پذیر ہیں اور شعبۂ فارسی دانشگاہ علی گڑھ میں پروفیسر، صدر اور ان سطور کے لکھے جانے تک ڈین کے فرائض انجام دے رہی ہیں) وہ فوراً ہی گھر پہنچیں اور نذیر صاحب کو تخت پر لیٹا ہوا پایا۔ والد سے احوال پرسی کے بعد نزدیک کے فیروز نرسنگ ہوم میں وہیل چیئر پر بٹھا کر لے گئے اور موجود ڈاکٹر سے اچھی طرح معائینہ کرنے کی گزارش کی۔ ڈاکٹر نے بغور معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے، معمولی چوٹ آئی ہے اور ایک نسخہ لکھ دیا جس کے مطابق ان کو دوا لا کر کھلا دی گئی اور وہ آرام سے سو گئے۔ پروفیسر ماریہ بلقیس کو تسلی نہ ہوئی، صبح کو انھوں نے ایک ہڈی کے ماہر ڈاکٹر کو بلا کر گھر پر ہی دکھایا۔ ہڈی کے ڈاکٹر نے بھی کہا کہ سب ٹھیک ہے آپ لوگ پریشان نہ ہوں لیکن پروفیسر ماریہ بلقیس کو پھر بھی تسلی نہ ہوئی اور انھوں نے علی گڑھ میڈیکل کالج کے ایک ڈاکٹر جو امراض قلب کے شعبہ کے پروفیسر اور صدر تھے، سے فون پر بات کر کے ساری کیفیت سے آگاہ کیا اور ڈاکٹر صاحب سے اظہار کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ نذیر صاحب کا سٹی اسکین ہو جائے تو مناسب ہوگا۔ میں آدمی بھیج رہی ہوں آپ لکھ کر دے دیجئے ہم میڈیکل کالج سے باہر ٹسٹ کروا لیتے ہیں، اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ نہیں میں نذیر صاحب کا سٹی اسکین میڈیکل کالج میں ہی کرنا چاہتا ہوں اور کچھ وقت اپنی نگرانی میں ان کی کیفیت کو بغور دیکھوں گا۔ (چونکہ نذیر صاحب علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک معزز شخصیت تھے اس لیے ان کو بڑی عزت واحترام کی نظر سے

دیکھا جاتا تھا) چنانچہ نذیر احمد صاحب کو میڈیکل کالج لے جایا گیا، ان کا سٹی اسکین ہوا اور رپورٹ تیار ہوئی جس میں تھا کہ فوری چوٹ کا کوئی نشان نہیں ہے البتہ بہت پرانے خون کے جماؤ کا عکس نظر آرہا تھا جس سے بقول ڈاکٹر پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ پرانا معلوم ہو رہا تھا۔ پھر ان کو وہاں سے ایمرجنسی لے جایا گیا۔ وہاں سے ان کو فوری اور خصوصی نگہداشت والے کمرے میں شفٹ کر دیا گیا۔ وہ کمرہ نہایت چھوٹا تھا۔ رات بھر اس کمرے میں لوگ ان کو دیکھنے بھی آتے رہے۔ اس دوران ان کے ہاتھوں میں تشنج بڑھ گیا۔ وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر لگی سلین واٹر کی سرنج کو نکالنے کی کوشش کرتے مگر دو لوگ ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہوئے تھے۔ لیکن پھر بھی کافی طاقت صرف کرنی پڑ رہی تھی۔ رات گزری، دوسرے دن یعنی ۹ راکتوبر کو ڈاکٹر آئے، نذیر احمد صاحب کا چیک اپ کیا اور کہنے لگے کہ ان کو یہاں سے جنرل وارڈ میں شفٹ کر دیا جائے کیونکہ یہ کمرہ ہمیں چاہئے۔ اقربا نے اسپیشل وارڈ میں ایک کمرے کی درخواست دی مگر اس یقین دہانی کے ساتھ ٹال دیا گیا کہ کمروں کی کسی وجہ سے کمی ہے، سب کمرے لگے ہوئے ہیں جیسے ہی کوئی کمرہ خالی ہوگا ان کو شفٹ کر دیا جائے گا۔ ایمرجنسی کے ڈاکٹر اقربا پر دباؤ ڈالتے رہے کہ اپنے مریض کو جنرل وارڈ میں لے جایئے یہاں ان کو نہیں رکھا جا سکتا، اور جنرل وارڈ کی حالت ایسی کہ اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی جنرل وارڈ میں نہ رکھے۔ تمام اقربا اور کچھ ہمدرد ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ وہ وہاں جا کر اور زیادہ بیمار ہو جائیں گے اس لیے جب تک پرائیویٹ کمرہ نہیں ملتا اسی کمرے میں رہیں گے، کچھ سینیر ڈاکٹروں کی مداخلت کہ بعد یہ طے پایا کہ جب تک کوئی بہتر کمرہ نہیں ملتا نذیر احمد صاحب کو اسی کمرے میں رہنے دیا جائے۔ اس طرح ایک دن اور گزر گیا۔ ۱۰ راکتوبر کی صبح یہ تہہ کیا گیا کہ ان کو C.C.U میں شفٹ کرنا ہے۔ دوپہر تک ان کو وہاں شفٹ کر دیا گیا۔ یہاں ڈاکٹر ہر وقت موجود رہتے۔ اس یونٹ میں تیسرا دن تھا۔ کہ میں اسپتال پہنچ گیا تب پروفیسر ماریہ بلقیس تشریف لائیں۔ ان کے استفسار پر ڈاکٹر نے بتایا کہ ٹھیک ہو جائیں گے مگر شام کو ایک سینیر ڈاکٹر صاحب آئے اور ان کی کیفیت پوچھی۔ یہ بتانے پر کہ وہ گر گئے تھے۔ انھوں نے دائیں کولہے

کی طرف ہاتھ لگایا اور سمجھ گئے کہ ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مشورے پر رات کو نو بجے ایکسرے ہوا اور اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اسی وقت ڈاکٹر نے ان کے پیر میں ایک اینٹ کا وزن دے کر اس کو Stretch کر دیا۔ میں اپنی رہائش گاہ چلا آیا۔ دوسرے دن یعنی ۱۴ر اکتوبر کو صبح میڈیکل پہنچا تو ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا اور Anesthesia کے شعبہ سے رابطہ کیا کہ نذیر صاحب کی طبیعت کی صورت حال کو مدنظر رکھ کر یہ بتائیں کہ ان کو کب Anesthesia دے سکتے ہیں۔ لہٰذا Anesthesia کے شعبے کے سربراہ سے ملاقات کی گئی۔ انھوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ چیک اپ کیا اور کہا کہ ابھی ان کو اپنی نگرانی میں رکھ کر ان کی کیفیت کو دیکھتے رہیں گے اور پھر بتائیں گے کہ صورت حال کیا ہے۔ اسی دن سے نذیر احمد صاحب کو ایک اور تکلیف شروع ہوگئی یعنی ان کو سینے کا انفکشن ہوگیا۔ یہ تکلیف کھانا سانس کی نلی میں چلے جانے کی وجہ سے ہوئی۔ دوسرے دن ڈاکٹر نے کھانا یا میڈیسن لینے سے منع کر دیا کیونکہ کھانا اندر ہی نہیں جاتا تھا اس لیے ڈاکٹروں کا مشورہ ہوا کہ ان کے حلق میں پائپ ڈال کر وہ رقیق دیا جائے جو Medicated food ہوتا ہے۔ اس کے لیے C.C.U سے ہی Anestheslogist کو کال بھیجی گئی۔ کافی دیر بعد ڈاکٹر ٹیم لے کر آئے اور پائپ ڈال دی۔ اب پائپ سے Medicated food دودھ میں گھول کر دیا جانے لگا۔ دوسرے دن نذیر احمد صاحب کو Drager پر رکھا گیا جو Ventilator کی طرح کا Instrument ہوتا ہے لیکن اس کے مقابلے ۴۰٪ کم کام کرتا ہے۔ اس کو کندھے کی طرف کسی ایسی رگ میں لگاتے ہیں جو سیدھے دل کی نلی تک پہنچ جاتا ہے اور دوائیں اس کے ذریعے پہنچائی جاتی ہیں۔ تکلیف بڑھتی جارہی تھی، میں رات گئے تک رہا اور پھر ہوسٹل چلا آیا۔

دوسرے دن صبح میڈیکل پہنچا تو نذیر احمد صاحب کو I.C.U میں شفٹ کر دیا گیا تھا کیونکہ وہ یونٹ C.C.U سے بھی قدرے بہتر ہوتا ہے۔ سب خانوادہ پریشان تھا کیونکہ صحت بگڑتی جارہی تھی ڈاکٹر ہر وقت موجود رہتے۔ میں بھی لگاتار موجود رہتا۔ تمام دوائیاں لانا اور نذیر احمد صاحب کے پاس ہی بیٹھے رہنا میرا دستور بن گیا تھا۔ ہر روز صبح ۷ بجے ہسپتال پہنچتا اور رات کو ۱۱ بجے

پروفیسر ماریہ بلقیس صاحبہ سے اجازت طلب کر کے واپس اپنے ہوسٹل چلا آتا۔ رات بھر پریشانی میں گزرتی، نہ جانے کب کیا خبر آجائے۔ دورانِ علالت نذیر صاحب کے دونوں صاحبزادے امریکہ سے تشریف لا چکے تھے۔ وہ بھی موجود رہتے اور بیٹیاں پروفیسر ماریہ بلقیس صاحبہ وداماد پروفیسر کبیر احمد صاحب (پروفیسر وچیرمین کیمسٹری ڈپارٹمنٹ) علی گڑھ میں سکونت پذیر ہونے کے باعث ہمہ وقت والد صاحب کی خدمت میں موجود رہتے۔ حالانکہ کچھ دن پہلے صاحب زادی ماریہ بلقیس صاحبہ کے ہاتھ میں اور کچھ ہی دن بعد پاؤں میں فریکچر ہوگیا تھا اور ابھی ان کو چلنے میں تکلیف تھی لیکن وہ اپنی تمام تکلیفیں بھُلا کر والد صاحب کے لیے بھاگ دوڑ میں لگیں رہتیں جو یقیناً اُن کی سعادت مندی کی نشانی ہے۔ ڈاکٹر ریحانہ خاتون صاحبہ جو دہلی میں سکونت پذیر ہیں وہ بھی ہر وقت اپنے والد صاحب کی خدمت میں موجود رہتیں۔ مزید برآں یونیورسٹی کے پروفیسرز، دوست، رشتہ دار سب وہاں تشریف لاتے اور خیریت معلوم کرتے۔ خاصہ وقت وہاں گزارنے کی وجہ سے متعلقین وگھر والوں سے میری خاصی جان پہچان ہوگئی تھی اس لیے میں اب خود کو اس گھر کا ایک فرد محسوس کر رہا تھا۔ جب Drager کو لگے دو دن ہوگئے تو ڈاکٹروں نے یہ فیصلہ لیا کہ اب گلے کی نلی کو کاٹ کر وہاں سے کام لیا جائے اور ساتھ ہی پیٹ میں بھی سوراخ کیا جائے کیونکہ Drager بھی زیادہ پر اثر نہیں رہ گیا تھا لیکن نذیر احمد صاحب کے بیٹے عبدالواسع جو خود بھی ڈاکٹر ہیں اس عمل کو کرنے سے منع کر دیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت نذیر احمد صاحب کو اور شدید تکلیف دی جائے۔ دوسری صبح یعنی ۱۹/اکتوبر کو میڈیکل پہنچا تو کچھ ہی دیر بعد یعنی 8.30 پر نذیر احمد صاحب انتقال فرما گئے۔ آپ کی وفات ۱۹/اکتوبر ۲۰۰۸ بروز اتوار یعنی ۱۸/شوال ۱۴۲۹ھ کو صبح صادق 8.30 پر ہوئی۔ "اِنّا اِللّٰہ وانا الیہ راجعون" بیماری اور مرض تو موت کے لیے ایک بہانہ ہوتا ہے ورنہ پیدا کرنے والے نے موت کا دن اور گھڑی جو مقرر کی ہوتی ہے اُسی گھڑی انسان اس دارالفانی سے کوچ کر جاتا ہے۔ نذیر احمد صاحب کے لیے گھر میں گر جانا موت کا ایک بہانہ تھا۔ اب سفید چادر سے ان کو سر سے پیر تک ڈھک دیا گیا، اس طرح ایک عالی ظرف انسان، فارسی

زبان وادب وتاریخ کا محقق ومستند عالم، مایہ ناز دانشور اور آسمانِ فارسی کا درخشاں ستارہ ہم سب کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ایک گھنٹے کے اندر ان کے جسد خاکی کو ان کے مکان پر پہنچایا گیا، جہاں مغرب کی نماز تک رہے اور بعد نماز مغرب میّت کو تدفین کے لیے لوگوں کے ایک ہجوم کے ساتھ یونیورسٹی قبرستان لے جایا گیا اور نماز جنازہ کے بعد ان کی نعش کو سپرد خاک کردیا گیا، آج وہ دنیا میں باقی نہیں رہے مگر ان کا نام باقی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ایک مصنف کبھی نہیں مرتا کیونکہ ادبی دنیا میں وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ ہم سب کو اور خاص کر اردو فارسی ادب سے تعلق رکھنے والوں کو انہیں یاد رکھنا چاہئے اور ان کے جمع کردہ علمی سرمایہ سے استفادہ کرنا چاہے، جس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی، اور ان کے کام کو محفوظ کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ آپ کی وفات پر نہ صرف یونیورسٹی کو بلکہ پوری دنیا میں جہاں کہیں اردو اور فارسی پڑھی اور بولی جاتی ہے سب کے لیے صدمہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ ہر زندہ چیز کو ایک دن فنا ہونا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جنّت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی بخشش فرمائے (آمین)

۲۱/اکتوبر کو شعبۂ فارسی کی طرف سے تعزیتی جلسہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار آفس میں منعقد کیا گیا، جس میں ایران کلچر ہاؤس دہلی کے ڈائیریکٹر، انجمن اساتذہ فارسی کے جنرل سیکریٹری اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب پی۔ کے عبدالعزیز صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ اس جلسہ میں پروفیسر نذیر احمد کی بیٹیاں اور بیٹے، شعبۂ فارسی کے سبھی اساتذہ، طلبہ وریسرچ اسکالر اور دیگر چاہنے والے موجود تھے۔ صدرِ شعبہ جناب آصف نعیم صدیقی صاحب نے نظامت کے فرایض انجام دیئے اور فرمایا کہ ''میں نذیر احمد صاحب سے ایم۔ اے میں پڑھ چکا ہوں، ان کی لیاقت اور شخصیت سے سبھی طالب علم بے حد متاثر ہوتے رہے ہیں'' اس کے بعد پروفیسر مرحوم کے عزیز ترین شاگرد پروفیسر کبیر احمد جائسی صاحب نے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ''ابھی چوٹ تازہ ہے ہمیں یہ اندازہ نہیں کہ ہم نے کتنا انمول موتی کھویا ہے۔ جب چوٹ پرانی ہوجائے گی تب اس بات کا احساس ہوگا کہ ہم نے کتنے بڑے آدمی کو کھودیا ہے اور اُس وقت ہمیں اُن کی کمی محسوس ہوگی۔ میں ان کا پہلا شاگرد ہوں جس نے اُن کو بڑے قریب سے دیکھا اور ان کی شفقتوں سے

لطف اندوز ہوا'' اس کے بعد آپ کے دوسرے شاگرد شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر طارق صاحب نے کچھ یوں بیان کیا۔''میں پروفیسر مرحوم کا دوسرا شاگرد تھا۔ میں نے ان کے ساتھ ۴۵ سال گزارے۔ ان کی وجہ سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوا ان سے پہلے ہندوستان میں فارسی ادب پر بہت کم کام ہوا تھا۔ ایران میں سب سے پہلے ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں سے تین پروفیسر صاحبان پروفیسر عابدی صاحب، پروفیسر نذیر احمد صاحب اور پروفیسر سیّد حسن صاحب کا انتخاب ہوا تھا۔ ان تینوں پروفیسر صاحبان نے ایران میں رہ کر فارسی ادب کا مطالعہ کیا، بلکہ ایرانی دانشوروں اور استادوں کی علمی لیاقت وصلاحیت اور قابلیت سے متاثر ہوئے'' پروفیسر طارق صاحب نے گہرے رنج کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ''اس چھوٹے سے جلسہ میں یہ ممکن نہیں کہ پروفیسر نذیر احمد صاحب سے وابستہ خصوصیات بیان کی جاسکیں۔''غم کی کیفیت کے دوران انھوں نے پروفیسر مرحوم سے عقیدت کا اظہار کیا۔

اس کے بعد پروفیسر آزرمی دخت صفوی نے اُن کے بارے میں فرمایا:''میں ان کی شاگردہ رہ چکی ہوں اور انھوں نے مجھے بیٹی جیسا درجہ دیا آج میں جو کچھ بھی ہوں دو لوگوں کی وجہ سے ہوں۔ ایک والد صاحب اور دوسرے نذیر احمد صاحب۔ نذیر احمد صاحب کے علم اور انسانیت و شفقت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ میرے والد صاحب سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ نذیر احمد صاحب کو بڑے سے بڑا صدمہ ہوتا لیکن صبر وتحمل اس قدر تھا کہ محسوس نہیں ہونے دیتے تھے'' اس کے بعد پروفیسر عبدالودود اظہر نے ان کے بارے میں فرمایا کہ'' وہ واحد شخص تھے جنھوں نے دیوانِ حافظ کے دو نسخوں کو تلاش کر کے مرتب کیا اور تصحیح وتعلیقات کے ساتھ شائع کروایا جس کے بنا پر اُنھیں حافظ شناس کہا گیا۔ اس کے بعد وائس چانسلر پروفیسر پی۔ کے عبدالعزیز نے ان کی بیٹیوں اور بیٹوں و دیگر چاہنے والوں کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے اتنی بڑی شخصیت کے چلے جانے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ''یونیورسٹی نے ایک بڑی شخصیت کو کھو دیا ہے۔'' اس کے بعد اظہار عقیدت میں کھڑے ہو کہ جلسہ کے تمام شرکا نے پروفیسر نذیر احمد صاحب کی مغفرت کے لیے دعا کی اور جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

پروفیسر نذیر احمد صاحب کے متعلق ان کے احباب اور چند معروف دانشوروں کی آراء کا اظہار کرنا یہاں شاید غیر مناسب نہ ہوگا جو ان کی شخصیت کو سمجھنے میں معاون ہیں۔

پروفیسر سید حسن (سابق صدر، شعبۂ فارسی، پٹنہ)

پروفیسر سید حسن صاحب اور نذیر احمد صاحب دونوں ایران تشریف لے گئے جہاں عابدی صاحب پہلے سے موجود تھے۔ وہاں تینوں حضرات کا قیام ایک ساتھ رہا۔ سید حسن صاحب کے نذیر صاحب سے اچھے مراسم تھے۔ ایران سے آپ دونوں عراق کی سیر کے لیے بھی تشریف لے گئے اور پھر واپس ہندوستان آئے تو یہاں بھی آپ دونوں کے تعلقات قایم رہے۔ سید حسن صاحب نذیر احمد صاحب کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''ڈاکٹر نذیر احمد سے میری شناسائی اور دوستانہ روابط ۱۹۵۶ء سے ہیں جب ہم دونوں گورنمنٹ آف انڈیا کی ایک اسکیم کے تحت جدید فارسی زبان وادب کا ایران میں مطالعہ کرنے کی غرض سے منتخب کئے گئے تھے، اسی سال اکتوبر کے وسط میں ہم دونوں بمبئی پہنچے اور وہاں سے سمندری جہاز میں سوار ہوکر منزل مقصود کو روانہ ہوئے۔ ہم دونوں کو ایک سیکنڈ کلاس کیبن میں دو الگ الگ برتھ ملے ہوئے تھے۔ ہمارا جہاز کراچی، مسقط، بحرین، دوبئ اور المنار کی بندرگاہوں میں ایک ایک دن ٹھہرتا ہوا دسویں روز ایران کی بندرگاہ، خرم شہر (الحال خمینی شہر) میں پہنچا، شام ہو چکی تھی، ایک ہوٹل میں شب باش ہوکر دوسری صبح کو ٹرین سے تقریباً بتیس گھنٹے کے بعد تہران پہنچ گئے۔ یہاں ہم دونوں کو باشگاہ میں اقامت کے لیے الگ الگ لیکن پہلو بہ پہلو کمرے ملے، اسی قطار میں ایک کمرہ کے بعد ہندوستان سے تہران یونیورسٹی کی دعوت پر آئے ہوئے سید امیر حسن عابدی مقیم تھے، وہ تقریباً چھ ماہ پہلے آچکے تھے اس لیے تہران کی فضا اور بعض معروف اشخاص سے واقف ہو چکے تھے، ان کی وجہ سے ہم دونوں کے احساس اجنبیت میں قدرے کمی واقع ہوئی، ہم دونوں ان کی رہنمائی میں تہران یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور وہاں کے استادوں سے رابطہ پیدا

کیا، جمعہ یعنی روز تعطیل کو ہم دونوں کو کسی شاعر یا ادیب کسی استاد دانشگاہ سے ملاقات کے لیے لے جاتے، ہم تینوں فارسی باستان اور پہلوی زبانوں کو سیکھنے کے لیے استادان دانشگاہ کی کلاسوں میں حاضر رہتے تھے، صبح کا ناشتہ اور رات کے کھانے کا انتظام باشگاہ سے باہر کرنا پڑتا تھا صرف ناہار یعنی دن کا کھانا باشگاہ کے ڈائننگ ہال میں ملتا تھا، ہم ناشتہ اور ڈنر کے لیے اپنا انتظام کر لیتے تھے۔ ڈاکٹر نذیر احمد کو کھانا پکانے کا خاصا سلیقہ تھا چنانچہ بعض مرتبہ ان کا تیار کیا ہوا ڈنر کھانے کو مل جاتا تھا۔

مارچ ۱۹۵۷ء میں عید نوروز اور آمد فصل بہار کی تعطیل ہوئی۔ اس فرصت میں، میں اور نذیر صاحب نے عراق کے سفر کا پروگرم بنایا، چنانچہ ٹرین سے خرم شہر اور وہاں سے بذریعہ ٹیکسی دریائے شطّ العرب کے کنارے پہنچے۔ ندی کو ایک لانچ کے ذریعے عبور کر کے بصرہ میں داخل ہوئے جہاں دو روز مقیم رہ کر بابل، کوفہ، نجف، کربلا، بغداد کاظمین کی سیر کی اور عتبیات عالیات کی زیارت کی، پھر تہران واپس آ کر وطن کو مراجعت کا پروگرام بنایا۔ واپسی کے سفر میں ڈاکٹر عابدی میرے ساتھ تھے کیونکہ نذیر احمد صاحب نے ایک ہفتہ مزید تہران میں توقف کا فیصلہ کیا تھا۔

ایران سے واپسی پر شروع ہی سے ہمارے درمیان خط وکتابت اور ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ ہم دونوں کو اپنی اپنی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں ایسے مواقع میسر آ گئے کہ وہ پٹنہ یونیورسٹی کے مختلف بورڈوں میں اور میں علی گڑھ یونیورسٹی کے مختلف امتحانات کے سلسلے میں ملتے رہے نیز مختلف کانفرنسوں اور علمی اجتماعات میں ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ مختصر یہ کہ میں نے تیس بتیس سال کے طویل دوستانہ تعلقات میں ڈاکٹر صاحب کو قدرے قریب سے دیکھا اور ان کی سیرت وشخصیت کا اندازہ لگایا ہے۔ وہ پختہ عقیدوں کے مذہبی اور پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ صورتاً بھی مسلمان ہیں اور سیرتاً بھی، نذیر احمد صاحب نہایت متواضع اور منکسر المزاج ہیں، مخلصانہ دوستی رکھتے ہیں، وسعت قلب سے مہمان نوازی کرتے تھے۔''[۱]

---

[۱] کارنامۂ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون ص ۷۲۔۷۱

پروفیسر نورالحسن انصاری مرحوم (سابق صدر، شعبہ فارسی، دانشگاہ دہلی)

پروفیسر نورالحسن انصاری صاحب، نذیر احمد صاحب کی تحقیقات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے فارسی نوابغ کی کتنی ہی مختصر فہرست تیار کی جائے اس میں پروفیسر نذیر احمد کا ایک اہم مقام ہوگا۔ ان کی تحقیقات کو ایران، افغانستان، پاکستان، مرکزی ایشاء اور ترکی وغیرہ کے ممتاز دانشور عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان سے مختلف ادبی مسائل میں وقتاً فوقتاً مراجعہ کرتے ہیں اور ان کے رہنمائی کی دل سے قدر کرتے ہیں۔

پروفیسر نذیر احمد نے پچھلے چالیس سالوں میں فارسی کے انتہائی اہم موضوعات پہ تحقیق فرمائی ہے۔ ان کی متعدد کتابیں اور سیکڑوں مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ سبک ہندی کے ممتاز شاعر اور نثر نویس ظہوریؔ پر پروفیسر نذیر احمد نے انگریزی میں اپنا تحقیقی مقالہ لکھا تھا جو کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ ظہوریؔ پر تحقیقات سے انہیں دکنی زبان میں دلچسپی ہوئی اور اس طرح انہوں نے دکنیات کے مختلف پہلوؤں کو اپنی تحقیق کے ذریعہ روشن کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے نورس کا انگریزی ترجمہ کیا جو للت کلا اکادمی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ نورس جیسی کتاب کا انگریزی ترجمہ صرف پروفیسر نذیر احمد جیسے معتبر استاد کا کام ہے۔

پروفیسر نذیر احمد نے فارسی کے مشہور شاعر سنائی غزنوی کے خطوط کو بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا اور اس پر مفصل مقدمہ اور تعلیقات لکھا۔ بعد میں انہیں کچھ اور مکاتیب دستیاب ہوئے جنہیں مرتب کر کے انہوں نے کابل سے شائع کیا۔ سنائیؔ پر ان کی تحقیقات نے اس عظیم شاعر کے فکر وفن کے بعض ایسے گوشوں کو بے نقاب کیا ہے جو ابھی تک اہل علم کی نظر سے مخفی تھے۔ درحقیقت مکاتیب سنائی پروفیسر نذیر احمد کی تحقیقات کو فارسی کی اہم ترین اور عظیم ترین تحقیقات کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے۔

پروفیسر نذیر احمد کو علم لغت سے گہری دلچسپی ہے۔ ان کا ذاتی کتب خانے میں تقریباً فارسی کی

سبھی اہم لغت موجود ہیں۔ انہوں نے ہندوستان میں لکھی گئی فارسی کی دو قدیم ترین لغت ''فرہنگ قواس'' اور ''دستور الافاضل'' کے متون کو تحقیق وتنقید کے جدید اصولوں کی روشنی میں مرتب کر کے ایران سے شائع کیا۔ درحقیقت ان دونوں لغات کے شائع ہونے کے بعد ایران کے علمی حلقوں میں پروفیسر نذیر احمد کی عزت وعظمت بہت بڑھ گئی ہے۔ اتفاق سے یہ دونوں کتابیں اسی زمانے میں شائع ہوئیں جب راقم الحرف تہران میں موجود تھا اور اس سلسلے میں تہران یونیورسٹی کے اساتذہ اور دوسرے علمانے پروفیسر نذیر احمد کی لغت شناسی کے بارے میں جس عقیدت کا اظہار کیا وہ ہم سب ہندوستانیوں کے لیے باعث فخر ہے۔

مرزا غالب کو بھی لغت شناسی پر ناز تھا لیکن غالب فارسی داں تھے لغت شناس نہیں، یہی وجہ ہے کہ ''قاطع برہان'' میں تحقیق کی بہ نسبت مناظراتی انداز زیادہ ہے۔ غالب کی لغت شناسی پر پروفیسر نذیر احمد کی کتاب ''نقد قاطع برہان'' غالبیات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی فارسی تخلیقات وتحقیقات کے سلسلے میں ابھی ہمیں کتنے اہم کام انجام دینے ہیں۔

پروفیسر نذیر احمد کو فارسی کے نایاب مخطوطات کے کشف میں عجیب وغریب مہارت ہے، انہوں نے دیوان حافظ کا قدیم ترین مخطوطہ کشف کیا اور پھر اس کے متن کی تصحیح کر کے ایران سے شائع کروایا۔ اسی زمانے میں پروفیسر پرویز ناتل خانلری بھی قدیم ترین نسخوں کی مدد سے دیوان حافظ کی تصحیح کر رہے تھے جب نذیر احمد صاحب کا مرتبہ دیوان حافظ شائع ہوا تو پروفیسر خانلری نے مجھ سے فرمایا کہ کاش اسی کتاب کی تصحیح میں نذیر احمد صاحب کے ساتھ ہمکاری کر پاتا۔ درحقیقت نذیر صاحب نے دیوان حافظ مرتب کر کے اپنے ایرانی دوست کے حوالے کر دیا تھا جو تصحیح میں زبردستی ان کے ہمکار بن گئے۔

پروفیسر نذیر احمد نے ہندوستان کے دو قدیم فارسی شعرا عمید لویکی اور سراجی خراسانی کے دیوان مرتب کر کے ہندوستان کی فارسی تاریخ کو نئی جہت سے روشناس کرایا۔ عام خیال یہ تھا کہ ان

دونوں عظیم شاعروں کے دیوان ناپید ہو گئے ہیں، لیکن ان کے دواوین کے انکشاف سے ہندوستان کی فارسی شاعری کا دامن وسیع بھی ہو گیا اور مالا مال بھی۔ قدیم دواوین کے متن کو صحیح طور پر مرتب کرنا بڑی دیدہ سوزی اور عرق ریزی کا کام ہے اور یہ کام نذیر احمد صاحب جیسے جفاکش اور مستقل مزاج علما ہی انجام دے سکتے ہیں۔'' [۱]

پروفیسر مختار الدین (سابق صدر، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

پروفیسر مختار الدین صاحب سے نذیر احمد صاحب کی پہلی ملاقات لکھنؤ یونیورسٹی میں آل انڈیا اورینٹل کانفرس کے اجلاس میں ہوئی۔ اس کے بعد جب نذیر احمد صاحب علی گڑھ تشریف لائے تو مختار صاحب آپ کی بہت عزت واحترام کرتے تھے۔ دونوں کے تعلقات کافی استوار ہوتے گئے اور نذیر احمد صاحب کی وفات تک قائم رہے مختار صاحب آپ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

''پروفیسر نذیر احمد فارسی کے مستند عالم، مائیہ ناز مصنف اور مشہور محقق ہیں۔ ہندوستان ہو یا پاکستان، ایران ہو یا افغانستان، یورپ ہو یا امریکہ، ان کی علمی تحریریں ہر جگہ بڑے ذوق وشوق اور دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں اور علم کے شائقین ان سے برابر مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ وہ گزشتہ پچاس سال سے برابر اُردو، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں میں لکھتے رہے ہیں اور ان کی تصانیف ومقالات ہر دور میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے ہیں۔

میں ان سے تقریباً چالیس سال سے واقف ہوں۔ میں نے انہیں ۱۹۵۱ء میں پہلی مرتبہ آل انڈیا اورینٹل کانفرس کے اجلاس لکھنؤ میں دیکھا تھا، اس وقت انہیں ڈاکٹریٹ تفویض ہو چکی تھی، انگریزی میں ان کی کتاب ''ظہوری: ہز لائف اینڈ ورکس'' اور ''کتاب نورس'' زیر اشاعت تھی۔ میں نے انہیں ہمیشہ متواضع، خلیق اور منکسر المزاج پایا۔ میں نے ان جیسے شاگرد کم دیکھے جو اپنے اساتذہ کی اس طرح تعظیم کرتے ہیں کہ عہد وسطیٰ کے لوگ یاد آجاتے

---

[۱] کارنامۂ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون ص ۶۴۔۶۵۔۶۶

ہیں۔ انہیں اپنے استاد پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی جس طرح عزت کرتے ہوئے دیکھا اسے فراموش نہیں کرسکتا۔ اپنے شاگردوں کے ساتھ ان کے تعلقات میں ہمیشہ مثالی رہے۔ ایسے اساتذہ کم ملتے ہیں جو اپنے تلامذہ کے ساتھ اس شفقت ومحبت سے پیش آتے ہوں جس شفقت ومحبت سے ڈاکٹر صاحب پیش آتے ہیں۔

۱۹۵۷ء میں وہ ''علی گڑھ تاریخ ادب اُردو'' کے منصوبے کی تعمیل کے لیے علی گڑھ بلائے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شعبۂ فارسی میں ریڈر اور پھر پروفیسر مقرر ہوئے۔ وہ دو سال تک فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین رہے۔ انتظامی امور اور ان کی ذمہ داریاں اکثر علمی وادبی کاموں میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں، لیکن ڈاکٹر نذیر احمد دونوں سے جس کامیابی سے عہدہ برآ ہوئے اس کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ ایک کامیاب کیریر کے بعد ۱۹۷۷ء میں یونیورسٹی سے متقاعد ہوئے۔

انہوں نے کثرت سے مضامین لکھے، کئی اہم متون مرتب کئے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کے سمینار اور کانفرنسوں میں شرکت کی اور ان میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کی کتابیں ہندوستان، پاکستان، ایران اور افغانستان سے شائع ہوئیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد کی دو خوبیوں نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا۔ وہ ان تھک محنت کرنے والے ہیں اور اپنا کام دلجمعی اور نہایت انہماک سے کرتے ہیں۔ جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں اسے جلد پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات وتصورات بہت جلد اور بہت آسانی سے کاغذ پر منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ طویل تر مضامین چند نشستوں میں لکھ لیتے ہیں۔ پروفیسر نذیر احمد علمی دوست ہیں اور ہر قیمت پر اور ہر وقت دوسروں کی علمی مدد کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ اپنے قیمتی وقت کی قربانی دے کر دوسروں کی علمی مدد کرنا ایک شفیق استاد اور اچھے اسکالر کی شناخت ہے اور بہت بڑا وصف بھی۔ مجھے اس بات کے اظہار میں خوشی ہوتی ہے کہ یہ وصف پروفیسر نذیر احمد میں بدرجہ اتم موجود ہے۔''[۱]

---

[۱] کارنامہ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون ص ۶۷۔۶۸

پروفیسر نذیر احمد صاحب پر منعقد سمینار

پروفیسر نذیر احمد سارے جہاں میں اور خاص طور پر فارسی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ نے فارسی زبان وادب میں جو گرانقدر ادبی، تنقیدی اور تحقیقی کارنامے انجام دیے ہیں۔ وہ ہندوستان کے فارسی اساتذہ اور دیگر علما کے لیے باعث صد افتخار ہے۔ آج ایران میں بھی پروفیسر نذیر احمد صاحب کا نام احترام سے لیا جاتا ہے اور پروفیسر نذیر احمد صاحب کی روش تحقیق وتدوین کو بڑی حد تک مکمل اور مناسب سمجھ کر اس کی پیروی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ فارسی زبان ادب میں آپ کی علمی وادبی خدمات پر ایک سہ روزہ قومی سمینار مورخہ ۱۷ تا ۱۹ مئی ۲۰۰۱ء کو شعبہ فارسی، ڈی۔آر۔ایس پروگرام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام منعقد کیا گیا۔ اس سمینار میں پڑھے گئے مقالات کو پروفیسر ماریہ بلقیس نے مرتب کر کے ''درنظرِ دانشمندان پروفیسر نذیر احمد'' کے عنوان سے کتاب شائع کرائی ہے جس میں سمینار کے آغاز کی تفصیل کچھ یوں بیان کرتی ہیں۔

''سمینار کا افتتاح ۱۷ مئی کو جناب عیسیٰ رضا زادہ، کلچرل کونسلر، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نے کیا۔

سمینار کا افتتاح کرتے ہوئے عیسیٰ رضا زادہ نے کہا کہ پروفیسر نذیر احمد کو نہ صرف ہندوستان بلکہ ایران میں بھی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ نذیر صاحب پہلے ہندوستانی دانشور ہیں، جن کو ایران نے ڈی۔لٹ کی اعزازی ڈگری سے سرفراز کیا۔ جناب عیسی رضا زادہ نے نذیر احمد صاحب کی خدمت میں اپنی بنائی ہوئی نذیر صاحب کی ایک تصویر بھی پیش کی جو فن مصوّری کا بہترین نمونہ ہے۔

پروفیسر امیر حسن عابدی صاحب نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ فارسی زبان نے صدیوں تک ہندوستان کی تہذیب وتمدن کو متاثر کیا ہے۔ اب بھی اس کے بہت سے گوشے ایسے ہیں جن کو منظر عام پر نہیں لایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں نذیر احمد صاحب نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انہوں نے کہا کہ نذیر صاحب سے ان کی پہلی ملاقات ۱۹۵۵ء میں تہران میں

ہوئی تھی اور دوستی کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

ڈاکٹر مہدی خواجہ پیری جنہوں نے مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فارسی مخطوطات کی فہرست تیار کی ہے، نے کہا کہ اس عظیم کام کے سلسلے میں وہ سب سے پہلے نذیر احمد صاحب سے ملے۔ انہیں کی رہنمائی کے سبب یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچایا، انہوں نے اپنی تیار کی ہوئی فہرست مخطوطات کی جلدیں بھی نذیر احمد صاحب کی خدمت میں پیش کیں۔

جناب علی اکبر ثبوت نے اپنی تقریر میں فارسی زبان وادب اور تحقیق وتدوین کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ترتیب وتدوین متن کا کام جتنا ہندوستان میں انجام پذیر ہوا ہے اتنا ایران میں نہیں ہوا۔ اس کا سہرا نذیر صاحب کے سر جاتا ہے نذیر صاحب نے دو بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں، جو فارسی زبان وادب کی خدمت بحسن وخوبی انجام دے رہی ہیں۔ ایک دہلی یونیورسٹی میں اور دوسری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں۔

کلچر ہاوس کے ڈائرکٹر محمد حسن مظفری نے کہا کہ ''نذیر احمد صاحب نے ۲۰ سے زائد ریسرچ اسکالروں کی رہنمائی کی جن کو پی۔ ایچ۔ ڈی ڈگریاں تفویض کی گئیں۔ رامپور رضا لائبریری کے او۔ ایس۔ ڈی ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی نے کہا کہ تاج محل کے معمار استاد احمد کے سلسلے میں نذیر صاحب کی تحقیق ہندوستان کی تاریخ کا ایک زرین باب ہے۔ گجرات کے عربی اور فارسی اساتذہ کی جانب سے ڈاکٹر نثار احمد انصاری نے ایک سپاسنامہ پیش کیا اور کہا کہ نذیر احمد صاحب نہ صرف یہ کہ ایک فرد اور ادارہ ہیں بلکہ ایک زندہ تحریک بھی ہیں۔ کل ہند انجمن استادان فارسی کی جانب سے بھی ایک شال اور سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ شعبۂ فائن آرٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی جانب سے نذیر احمد صاحب کو ایک پینٹنگ پیش کی گئی اور ڈاکٹر آصف نعیم صدیقی نے صدر جمہوریہ ہند، کے۔ آر۔ نارائنن، وزیر اعظم ہند، ہندوستان میں ایرانی سفارت کار، چانسلر حامد انصاری اور سابق وائس چانسلر محمود الرحمن کے تہنیتی پیغامات پڑھ کر سنائے۔ امریکہ میں مقیم نذیر صاحب کے صاحبزادے عبدالواسع کی جانب سے ایم۔ اے فارسی میں سب سے زیادہ نمبر پانے والے طالب علم کو گولڈ

میڈل دینے کا اعلان کیا گیا۔

اس سے قبل صدر شعبۂ فارسی اور نذیر احمد صاحب کی بیٹی پروفیسر ماریہ بلقیس نے اپنی تعارفی تقریر میں سمینار کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے پروفیسر نذیر احمد کی زندگی، زمانہ، ان کے کارناموں، علمی وادبی معرکوں اور اعزازات وانعامات پر عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ پروفیسر نذیر احمد ایک ممتاز مخطوطہ شناس ہیں اور فرہنگ شناسی میں وہ بے نظیر ہیں۔ انہوں نے بیشمار فارسی مخطوطات اور شخصیات کی بازیافت کی اور متنی تحقیق کو مستقل فن بنایا۔ پروگرام کے اختتام پر پروفیسر ایس۔ ایم۔ طارق حسن نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

افتتاحی جلسے سے قبل پروفیسر نذیر احمد صاحب کی مرتبہ کتابوں، تحقیقی وعلمی مقالات، انعامات اور اسناد کی نمائش کا اہتمام مولانا آزاد لائبریری میں کیا گیا، جن کا افتتاح نواب رحمت اللہ خاں شیروانی صاحب نے کیا۔''[۱]

ان کے کارناموں اور ان کی شخصیت پر اس سمینار میں جو مقالات پیش کئے گئے مع مصنف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)	پروفیسر نذیر احمد صاحب کے علمی کارناموں اور "فارسی قصیدہ نگاری" کا ایک مختصر جائزہ	پروفیسر شعیب اعظمی
(۲)	فرہنگ قواس مرتبہ پروفیسر نذیر احمد ترتیب وتصحیح کا ایک اعلیٰ نمونہ	پروفیسر شریف حسین قاسمی
(۳)	از لطف شمامی بینم	ڈاکٹر زہرہ عرشی
(۴)	Contribution of Prof.Nazir Ahmad to Indo- Islamic art and Culture	ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی
(۵)	پروفیسر نذیر احمد صاحب: ایک تعارف	پروفیسر کبیر احمد جائیسی
(۶)	پروفیسر نذیر احمد صاحب، ممتاز ماہر غالبیات	ڈاکٹر خلیق انجم
(۷)	پروفیسر نذیر احمد اور ان کے عقیدت مند	پروفیسر اقتدار حسین صدیقی

---

[۱] پروفیسر نذیر احمد در نظرِ دانشمندان، مرتبہ، پروفیسر ماریہ بلقیس، ص ۱۔۴

(۸)	پروفیسر نذیر احمد کی تحقیق وتدوین	پروفیسر عبدالحق
(۹)	پروفیسر نذیر احمد، محقق نامور ہند بحوالہ تحقیق متن	پروفیسر آصفہ زمانی
(۱۰)	تحقیق وتدوین سے متعلق پروفیسر نذیر احمد کا اسلوب فکر وطریقہ کار	پروفیسر ظہیر الدین ملک
(۱۱)	گجرات اور ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی علمی وادبی خدمات	پروفیسر نثار احمد انصاری
(۱۲)	پروفیسر نذیر احمد: چند تالیفات کا ایک مختصر جائزہ	پروفیسر سید انوار احمد
(۱۳)	پروفیسر نذیر احمد در جہان نقد وپژوہش	پروفیسر عبدالقادر جعفری
(۱۴)	پروفیسر نذیر احمد صاحب ''فارسی قصیدہ نگاری'' کے آئینے میں	ڈاکٹر علیم اشرف خان
(۱۵)	فن فرہنگ نویسی ورشتہ لغت اور پروفیسر نذیر احمد صاحب	ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری
(۱۶)	فارسی کی رمز شناس بے نظیر: پروفیسر نذیر احمد صاحب	پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی
(۱۷)	مطالعات غالب اور پروفیسر نذیر احمد صاحب کی نکتہ رسی	پروفیسر ابوالکلام قاسمی
(۱۸)	عظیم آباد کے علمی وتحقیقی مراکز اور پروفیسر نذیر احمد	پروفیسر محمد شرف عالم
(۱۹)	نذیر احمد کے تحقیقی منسوبات	ڈاکٹر ظفر احمد
(۲۰)	پروفیسر نذیر احمد کے غالب شناسی کے چند گوشے	ڈاکٹر عراق رضا زیدی
(۲۱)	نظر بر شخص دانش	ڈاکٹر معتصم عباسی
(۲۲)	فارسی فرہنگ اور زبان وادب	پروفیسر سید محمد طارق حسن
(۲۳)	پروفیسر نذیر احمد کے چند تحقیقی انکشافات	ڈاکٹر شوکت نہال انصاری
(۲۴)	پروفیسر نذیر احمد ترتیب وتدوین متن کے آئینے میں	ڈاکٹر رعنا خورشید
(۲۵)	''جوی مولیاں: پروفیسر نذیر احمد کی تحقیق کی تناظر میں	ریسرچ اسکالر عبدالسلام جیلانی

اس کتاب میں شامل مقالات کا تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے۔

پروفیسر شعیب اعظمی نے پروفیسر نذیر احمد کی علمی اور ادبی خدمات کے تذکرے کے ساتھ پروفیسر موصوف کی ایک کتاب ''فارسی قصیدہ نگاری'' پر شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ انہوں

نے اپنے مقالے میں لکھا ہے:

''پروفیسر نذیر احمد صاحب کی کتاب فارسی قصیدہ نگاری اگر چہ ۹۰ صفحہ کی ایک مختصر سی تصنیف ہے لیکن اس کا مطالعہ ضخیم سے ضخیم کتاب پر فوقیت رکھتا ہے۔ تحقیق، تنقید، تدوین کا شوق، موضوع سے دلچسپی، اس کے حسن وقبح، دوسری بیاضوں کی صبر آزما ورق گردانی، قدیم شعراء کے دواوین، تاریخ سے مطابقت اوران دواوین اور کلیات سے ان کے قصائد کے اقسام، صفاعات اور اوصاف کو نقد ونظر کی کسوٹی پر پرکھ کر اسے ایک علمی مقام عطا کر دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ یوں تو ان کی علمی جدوجہد کے سفر کی داستان کے صدہا نمونے ہیں اور صفحات بالا میں ان کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے لیکن ان کی تصنیفات کی فہرست میں ''فارسی قصیدہ نگاری'' بھی علمی، تحقیقی، شعر فہمی دقیق نگاہی، ژرف بینی اور نگارش قلم کا شاہکار ہے۔''[۱]

پروفیسر شریف حسین قاسمی نے اپنے مضمون ''فرہنگ قواس مرتبہ پروفیسر نذیر احمد'' میں لکھتے ہیں ''فرہنگوں پر نقد وتبصرہ ایک علمی وفنی کام ہے۔ نذیر احمد کو اس میدان میں خاص ملکہ، استعداد اور خداداد صلاحیت حاصل ہے۔ اس کام کے لئے گہری علمی بصیرت اور پھر وسیع مطالعے کے ضرورت ہے۔'' مذکورہ مضمون میں فرھنگِ قواس مرتبہ پروفیسر نذیر احمد پر تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں ''فرہنگ قواس، جس نہج پر ترتیب دی گئی ہے، اس کی تنہا ایک مثال ایران میں نظر آتی ہے اور وہ ہے ''برہان قاطع'' مرتبہ استاد محمد معین مرحوم۔''[۲]

ڈاکٹر زہرہ عرشی نے اپنے مقالے میں اپنے ذاتی تاثرات اور اپنی طالب علمی کے زمانے کے چند واقعات بیان کیے ہیں اور اپنی تحقیق کے بارے میں بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی نے اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ ''پروفیسر نذیر احمد نے ملک اور بیرون ملک بالخصوص امریکہ اور یورپ کی مختلف آرٹ گیلریوں اور لائبریریوں میں مختلف مخطوطات

---

[۱] پروفیسر نذیر احمد درنظرِ دانشمندان، مرتبہ، پروفیسر ماریہ بلقیس ص ۱۵۶

[۲] پروفیسر نذیر احمد درنظرِ دانشمندان، مرتبہ، پروفیسر ماریہ بلقیس ص ۱۲۹۔۱۳۰

اور Paintings کی بازیافت کی اور ان کو علمی وادبی حلقوں میں روشناس کرایا۔ جن کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے، جو ہند اسلامی آرٹ وکلچر کی تاریخ میں ایک گرانقدر سرمایہ ہے۔'' [۱]

اس کے بعد نذیر احمد صاحب کے ایک شاگرد پروفیسر کبیر احمد جائیسی نے پروفیسر نذیر احمد کے حالات زندگی کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''نذیر احمد صاحب کے علمی کاموں کی خاص خصوصیت تنوع ہے، جتنا تنوع ان کے مقالوں اور کتابوں میں ہے کم لوگوں کے یہاں ہوگا۔ ادب، زبان، زبان کے قواعد، زبان شناسی، مخطوطہ شناسی، کتبہ شناسی، تاریخ، فنون لطیفہ، موسیقی، مصوّری، خطّاطی، فن تعمیرات اور طب وغیرہ پر ان کے مطالعے علمی شہرت کے حامل ہیں۔

حافظؔ، سنائیؔ، اور غالب پر انہوں نے جو قیمتی مواد اکٹھا کیا ہے اس کا خاصہ بڑا حصّہ ابھی تک مختلف رسالوں میں منتشر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بکھرے ہوئے مواد کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تاکہ وہ سب استفادہ کا باعث بن سکے۔

اس طرح انہوں نے فارسی فرہنگ نویسی پر جو وافر اور نادر مواد فراہم کیا ہے اس کے غائر مطالعے کے بغیر نذیر صاحب کی علمی فتوحات کا عرفان حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔'' [۲]

اس طرح ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے مقالے میں نذیر صاحب کی مرتب کردہ تصنیف مکاتیب سنائی، نقد قاطع برہان، دیوان حافظ اور غالب کی فارسی شاعری پر بحث کی ہے اور نذیر صاحب کو ایک سچا اور کھرا عالم قرار دیا ہے۔

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی نے اپنے مقالہ میں نذیر صاحب کی رہبری اور ان سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے زمانہ طالب علمی کی ان دشواریوں کا ذکر کیا ہے جن میں نذیر صاحب نے رہنمائی کی تھی انہوں نے نذیر صاحب کی موسیقی پر مرتّبہ ''کتاب نورس'' اور دوسری

---

[۱] پروفیسر نذیر احمد درنظرِ دانشمندان، مرتّبہ پروفیسر ماریہ بلقیس ص ۵

[۱] پروفیسر نذیر احمد درنظرِ دانشمندان، مرتّبہ پروفیسر ماریہ بلقیس ص ۶۰۔۶۱

اہم تصنیف اور تحقیق کا خلاصہ کرتے ہوئے نذیر صاحب کی شرافت ومہمان نوازی اور انسانی ہمدردی کو ایک مثالی قرار دیا۔ پروفیسر عبدالحق نے نذیر صاحب کی تحقیق وتدون پر بحث کرتے ہوئے نذیر صاحب کی فتوحات علمیہ کا صدق دل سے اعتراف کیا اور کہا کہ نذیر احمد صاحب پہلے عالم ہیں جن میں علم وعمل اور نظر وخبر کا اجتماع ہے۔

پروفیسر آصفہ زمانی نے اپنے مقالے میں نذیر احمد صاحب کو فارسی دنیا کی ایک ایسی شخصیت قرار دیا ہے، جنہیں فارسی تحقیق کی آبرو کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ نذیر احمد صاحب نے فارسی تحقیق کو نہ صرف اعتبار بخشا، بلکہ اپنے پُر ارزش کارناموں کی بدولت فارسی کو اس کساد بازاری کے دور میں حیات نو اور حیات جاودانی عطا کی۔ انہوں نے اپنے مقالے میں پروفیسر نذیر احمد کی متنی تحقیق کے سلسلہ میں ان کی چند گراں مایہ تحقیقات مکاتیب سنائی، دیوان حافظ، فرہنگوں کے انتقادی متن، فرہنگ قواس، دستورالافاضل، فرہنگ زفان گویا، نقد قاطع برہان پر تفصیلی بحث کی ہے۔

پروفیسر ظہیرالدین ملک نے ''تحقیق وتدوین سے متعلق پروفیسر نذیر احمد کا اسلوب فکر اور طریقہ کار'' پر مقالہ پیش کیا ہے اور نذیر احمد صاحب کی شخصیت سے متعلق اپنے ذاتی تاثرات بیان کرنے کے بعد نذیر صاحب کو ایک منفرد صاحب طرز محقق قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالے میں کہا ہے نذیر صاحب نے متن کے تحقیق وتصحیح میں دو امور تخریج وتعلیقات پر خصوصاً بحث کی ہے۔ ظہیرالدین صاحب نے اس افادیت کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد انصاری نے ''گجرات اور ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کے علمی وادبی خدمات'' کا جائزہ لیا ہے اور کہا ہے کہ گجرات کو عالم ادب میں سب سے پہلے نذیر احمد صاحب نے روشناس کیا۔

پروفیسر انوار احمد صاحب نے ''نذیر احمد صاحب کی چند تالیفات کا ایک مختصر جائزہ'' کے زیر عنوان مقالے میں دیوان حافظ، دیوان عمید لویکی، فرہنگ قواس، فرہنگ زفان گویا اور دیوان سراجی خراسانی پر مشتمل نذیر احمد صاحب کی تحقیق وتدوین اور اشاعت کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے:

''پروفیسر نذیر احمد نے فارسی کی تحقیق وتلاش کے مختلف شعبوں میں ایسی رفیع و وقیع خدمات انجام دیے ہیں اور ایسے آگہی بخش انکشافات کئے ہیں جو بے حد مفید واہم ہیں۔ان کی تحقیقی مساعی کے نتائج نہ صرف بصیرت افروز اور دانش افزا ہوتے ہیں بلکہ مجھ جیسے قاری کو ان کی دقیق وعمیق بحث کو استدلال کے منبع وجزرسی سے اپنی علمی مفلسی اور تنگ مائیگی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ان کا تحقیقی سرمایہ مقدار ومعیار دونوں اعتبار سے وقیع ہے اور ان کے تحقیقی مضامین میں تنوع بھی ہے۔ انہوں نے جو بھی لکھا ہے وہ ان کی سچی کاوش، مخلصانہ غور وتامل کا آئینہ دار ہے۔فارسی زبان وادب کی تحقیق کا میعار جس طرح علامہ قزوینی، محمود شیرانی اور قاضی عبدالودود کے غور وتامل، تلاش وجستجو سے بلند ہوا ہے اسے پروفیسر نذیر احمد نے اپنی کوششوں سے بلند تر کیا ہے۔[۱]

ڈاکٹر عبدالقادر جعفری نے پروفیسر موصوف کو ''عاشقِ جستجو'' قرار دیا ہے اور ڈاکٹر علیم اشرف خان نے نذیر احمد ''فارسی قصیدہ نگاری کے آئینے میں'' کے عنوان سے اپنا مضمون پیش کیا ہے اور ایک محقق ونقاد کی حیثیت سے پروفیسر نذیر احمد کا مقام ومرتبہ تعین کرنے کی کوشش کی۔ضیاء الدین انصاری نے فرہنگ نگاری سے متعلق نذیر صاحب کی تحقیقی نگارشات فرہنگ قواس، زفان گویا، دستورالافاضل، نقد قاطع برہان، لسان الشعرا کا عمومی جائزہ لیا ہے۔ پروفیسر عبدالودود اظہر نے اپنے مقالے میں نذیر احمد صاحب کے مقالات پر مبنی مجموعہ ''تاریخی وادبی مطالعے'' کے ہر مقالے پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ کام پتہ ماری، کثرت مطالعہ، وسیع النظری اور قدیم عالموں کی پیروی میں منکسر المزاجی، شاگردوں کی ترتیب اور ہمت افزائی سے جو حاصل ہوسکتا ہے وہ پروفیسر نذیر احمد صاحب میں سب ہی صفات بدرجہ اتم موجود ہیں۔''[۲]

پروفیسر ابوالکلام قاسمی نے ''مطالعات غالب اور پروفیسر نذیز احمد کی نکتہ رسی'' پر روشنی ڈالی ہے اور نذیر احمد صاحب کے حوالے سے ''رنگ اور بے رنگ'' کی تشریح کی ہے۔

پروفیسر شرف عالم نے اپنے مضمون ''عظیم آباد کے علمی وتحقیق مراکز اور پروفیسر نذیر احمد''

---

[۱] پروفیسر نذیر احمد درنظرِ دانشمندان، مرتبہ پروفیسر ماریہ بلقیس ص ۳۵

[۲] ایضاً ص ۱۳۸

کی روشنی میں نذیر احمد صاحب کے ان توسیعی خطبات اور مقالوں کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے مختلف مواقع پر پٹنہ یونیورسٹی اور خدا بخش لائبریری میں پیش کئے تھے۔

ڈاکٹر ظفر احمد نے نذیر صاحب کے تحقیقی منسوبات کا ذکر کیا ہے جن میں دیوان حافظ میں رباعیوں کا الحاق اور عمید لویکی کے قصاید شامل ہیں۔ ڈاکٹر عراق رضا زیدی نے ''پروفیسر نذیر صاحب کی غالب شناسی کے چند گوشے'' سے بحث کی ہے۔

پروفیسر نذیر احمد پر یہ پہلا تین روزہ سمینار منعقد کیا گیا تھا، جو بہت کامیاب رہا اور کسی زندہ شخصیت کی موجودگی میں یہ پہلا سمینار تھا۔ یہ سمینار نذیر صاحب کے لیے خراج تحسین ہی نہیں بلکہ اس سے نذیر شناسی اور نذیر فہمی کی فضا عام ہوگی اور نقد و تحقیق کی نئی راہیں کھلیں گی۔

☆☆☆

حصّه (ب)

تصانیف و تالیفات

پروفیسر نذیر احمد تحقیق کی دنیا میں ایک ایسی قابلِ فخر شخصیت ہیں جن کو دنیائے تحقیق کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ آپ ایک زبردست عالم، بہترین استاد اور سچے محقق تھے۔ آپ کے علمی کارناموں کا شمار مشکل ہے، آپ کے علمی کاموں کی خاص خصوصیت تنوع ہے، جتنا تنوع آپ کے مقالوں اور کتابوں میں ہے کم لوگوں کے یہاں ہوگا۔ ادب، زبان کے قواعد، زبان شناسی، مخطوطہ شناسی، کتبہ شناسی، تاریخ، فنون لطیفہ، موسیقی، مصوری، خطاطی، فن تعمیرات اور طب وغیرہ آپ کے علمی شہرت کے حامل ہیں۔ آپ نے اب تک جتنی کتابیں مرتب کر کے شائع کروائی ہیں ان سے متنی تحقیق کے اصول وضوابط ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ان اصول وضوابط کو اپنا راہ نما بنالیا جائے تو متنی تحقیق کا دشوار گزار مرحلہ بہ آسانی طے کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے علم لغات اور فن فرہنگ نگاری سے متعلق جتنے بھی کام کیے ہیں وہ سب بلاشبہ انتہائی اہم اور قابلِ یادگار ہیں۔ آپ نے فرہنگ قواس، زفان گویا، لسان الشعرا، دستور الافاضل، برہان قاطع جیسی اہم فرہنگوں کو دستیاب قلمی نسخوں کی مدد سے مع تصحیح وترتیب شائع کروایا، جو یقیناً محنت اور جانفشانی کا کام تھا۔ آپ نے ان فرہنگوں پر انتہائی مفید اور پُر از معلومات مقدمے تحریر فرمائے ہیں اور ان کتابوں کے اصل متن کی تدوین میں انتہائی دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ ان کتابوں کی حواشی میں آپ نے نہ صرف دستیاب نسخوں کے متنی اختلاف کی نشاندہی کی ہے بلکہ ہر ہر لفظ کے بارے میں بھی یہ بتایا ہے کہ دوسری کتب لغات میں ان کے کیا معنی درج ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے لغت فرس، فرہنگ زفان گویا، دستور الافاضل، فرہنگ رشیدی، لغات سروری، برہان قاطع، صحاح الفرس، ادات الفضلا، فرہنگ جہانگیری جیسی اہم اور مستند کتب لغات میں درج معنی ومفاہیم سے مقابلہ کیا ہے اور بعض مقامات پر فرہنگوں کے تسامحات کی نشاندہی بھی کی ہے۔ آپ حسب ذیل اُردو، انگریزی اور فارسی کی معروف کتابوں کے مصنف اور مرتّب ہیں جو اب تک شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

کتبِ فارسی

(۱) مکاتیب سنائی، رامپور، ۱۹۶۲ء، ۱۳۸۲ھ

(۲) مکاتیب سنائی، ادبیات وعلوم بشری، میزان، کابل ۱۳۵۶ھ.ش، ۱۹۷۷ء

(۳) مکاتیب سنائی، بنیاد موقوفات دکتر محمود افشار، تہران، ۱۳۷۹ش

(۴) مکاتیب سنائی، صنوبر تہران، زمستان، ۱۳۶۲ش، ۱۹۸۳ء شمارہ ۲۲۴

(۵) دیوان سراجی، دانشگاہ اسلامیہ علی گڑھ ۱۳۵۱ھ، ۱۹۷۲ء

(۶) دیوان عمید لویکی، مجلس ترقی ادب، لاہور، پاکستان ۱۹۸۵ء

(۷) دیوان حافظ، براساس نسخہ ۸۲۴ھ.ق، انتشارات آستان قدس، تہران ۱۹۷۱ء

(۸) دیوان حافظ، براساس نسخہ ۸۱۸ھ.ق مرکز تحقیقات فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ۱۳۶۷ش، ۱۹۸۸ء

(۹) غزلیاتِ حافظ، براساس نسخہ ۸۱۳ھ۔ ق، مرکز تحقیقات فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ۱۳۶۷ش، ۱۹۸۸

(۱۰) غزلہائے حافظ، براساس مجموعۂ لطائف وسفینۂ ظرائف، از سیف جام ہروی ہمعصر حافظ، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی ۱۹۹۱ء

(۱۱) دیوان حافظ براساس مورخہ ۸۱۲، ۸۱۷، ۸۲۴ھ.ق، انتشارات امیر کبیر تہران، ایران ۱۳۷۰ش

(۱۲) دستور الافاضل، تہران ۱۹۵۷ء، ۱۳۵۲ش

(۱۳) فرہنگ قواس، بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب، تہران، ایران ۱۳۵۳ش، ۱۹۷۴ء

(۱۴) فرہنگ قواس، رضا لائبریری رامپور، تہران ۱۹۹۹ء

(۱۵) فرہنگ زفان گویا، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار ۱۹۸۹ء

(۱۶) فرہنگ زفان گویا، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار ۱۹۹۷ء

(۱۷) فرہنگ لسان الشعراء، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی ۱۹۹۵ء

(۱۸) کتاب الصیدنہ

(۱۹) بساتین الانس

(۲۰) دیوان مہندس

کتبِ اُردو

(۲۱) نقد قاطع برہان، مع ضمائم، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء

(۲۲) تذکرہ علمائے بلخ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، جولائی۔ستمبر ۱۹۸۹ء

(۲۳) فارسی قصیدہ نگاری، ادارہ علوم اسلامیہ، اے۔ایم۔یو، علی گڑھ ۱۹۹۱ء

(۲۴) تصحیح وتحقیق متن، شعبہ اردو بمبئی یونیورسٹی، ۱۹۸۸ء

(۲۵) تصحیح وتحقیق متن، ادارۂ یادگارِ غالب کراچی، پاکستان، ۲۰۰۰ء

(۲۶) کتاب نورس، بھارتیہ کلا کیندر دانش محل، امین الدولہ پارک لکھنؤ اتر پردیش، اپریل ۱۹۵۵

(۲۷) کتاب نورس، کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور، فروری ۱۹۹۸ء

(۲۸) مومن خاں مومن حیات وشاعری، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

(۲۹) سید مسعود حسن رضوی ادیب، حیات اور کارنامے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، مارچ ۱۹۹۳ء

(۳۰) مولانا امتیاز علی عرشی، ادبی وتحقیقی کارنامے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۹۱ء

(۳۱) حافظ محمود شیرانی تحقیقی مطالعے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

(۳۲) قاضی عبدالودود، تحقیقی وتنقیدی جائزے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

(۳۳) یادگار نامہ قاضی عبدالودود، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۰

(۳۴) یادگار نامۂ فخر الدین علی احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

(۳۵) الطاف حسین حالی، تحقیقی وتنقیدی جائزے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

(۳۶) سیّد احتشام حسین: کچھ یادیں کچھ جائزے، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی ۱۹۹۷ء

(۳۷) انتخاب مقالات غالب نامہ ''تنقیدات''، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء
(۳۸) انتخاب مقالات غالب نامہ ''تحقیقات''، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء
(۳۹) انیسویں صدی کی علمی، ادبی اور تہذیبی روایت، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء
(۴۰) یادگار نامہ یوسف حسین خاں، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء
(۴۱) غالب کی مکتوب نگاری، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء
(۴۲) سودا، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء
(۴۳) میر تقی میر، تنقیدی جائزہ، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء
(۴۴) شیخ غلام حمدانی مصحفی، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء
(۴۵) تحقیقی مطالعہ، سرفراز قومی پریس لکھنؤ، یو۔ پی، ۱۹۵۴ء
(۴۶) غالب پر چند تحقیقی مطالعے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء
(۴۷) غالب پر چند مقالے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء
(۴۸) مقالاتِ نذیر، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء
(۴۹) تاریخی وادبی مطالعے، علی گڑھ، ۱۹۶۱ء
(۵۰) فارسی اور ہندوستان، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۷۴ء

کتبِ انگریزی

(51) Zahori his life and works, Allahabad, 1953

(52) Kitab-e-Nauras, Sangeet Natak Academy, New Delhi, 1956

(53) Tarjuma E'ijaz Khusravi, Amarica, 2007

(54) Fakhruddin Ali Ahmad Memorial volume (English) Ghalib Institute New Delhi 1994.

(55) Islamic Heritage in South Asian Subcontinents Publication Scheme. Jaipur, India1998

(56) Islamic Heritage in South Asian Subcontinents Publication Scheme. Jaipur, India 2000

مجموعۂ مقالات

پروفیسر نذیر احمد کے مجموعۂ مقالات جو دوسرے لوگوں نے مرتب کئے ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۵۷) قند پارسی (مجموعۂ مقالاتِ فارسی، نذیر احمد از دکتر سیّد حسن عباس، مجموعۂ انتشارات ادبی وتاریخی، موقوفات دکتر محمود افشار یزدی، شمارہ ۳۹، چاپخانہ نقش جہان، تابستان ۱۳۷۱ش

(۵۸) قند پارسی (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) از دکتر سید حسن عباس، مجموعۂ انتشارات ادبی وتاریخی موقوفات دکتر محمود افشار یزدی، شمارہ ۸۶، ۱۳۸۳ش (جلد دوم)

(۵۹) غالب آشفتہ سر، مرتبین، مہر الٰہی ندیم (علیگ)، لطیف الزماں خان، ملتان آرٹس فارم ملتان، فروری ۱۹۹۶ء

(۶۰) کارنامہ نذیر، تالیف ڈاکٹر ریحانہ خاتون (مجموعۂ مقالات نذیر احمد) دانشگاہ دہلی ۲۰۰۴ء

(۶۱) تاریخی اور علمی مقالات، مصنف نذیر احمد، مترجم کبیر احمد جائسی، مکتبہ برہان، اردو بازار، دہلی، اکتوبر ۱۹۷۶ء

(62) Essay on Persian Literature: Edt: Prof. Sharif Hussain Quasmi, Idarah-I-Adabiyat-I-Delhi-2005

پروفیسر نذیر احمد تحقیق کی دنیا میں ایک ایسی قابلِ فخر شخصیت ہیں جن کو دنیائے تحقیق کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ آپ ایک زبردست عالم، بہترین استاد اور سچے محقق تھے۔ آپ کے علمی کارناموں کا شمار مشکل ہے، آپ کے علمی کاموں کی خاص خصوصیت تنوع ہے، جتنا تنوع آپ کے مقالوں اور کتابوں میں ہے کم لوگوں کے یہاں ہوگا۔ ادب، زبان کے قواعد، زبان شناسی، مخطوطہ شناسی، کتبہ شناسی، تاریخ، فنون لطیفہ، موسیقی، مصوری، خطاطی، فن تعمیرات اور طب وغیرہ آپ کے علمی شہرت کے حامل ہیں۔ آپ نے اب تک جتنی کتابیں مرتب کر کے شائع کروائی ہیں ان سے متنی تحقیق کے اصول وضوابط ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر ان اصول وضوابط کو اپنا راہ نما بنالیا جائے تو متنی تحقیق کا دشوار گزار مرحلہ بہ آسانی طے کیا جا سکتا ہے۔ آپ نے علم لغات اور فن فرہنگ نگاری سے متعلق جتنے بھی کام کیے ہیں وہ سب بلاشبہ انتہائی اہم اور قابلِ یادگار ہیں۔ آپ نے فرہنگ قواس، زفان گویا، لسان الشعرا، برہان قاطع جیسی اہم فرہنگوں کو دستیاب قلمی نسخوں کی مدد سے مع تصحیح وترتیب شائع کروایا، جو یقیناً محنت اور جانفشانی کا کام تھا۔ آپ نے ان فرہنگوں پر انتہائی مفید اور پُر از معلومات مقدمے تحریر فرمائے ہیں اور ان کتابوں کے اصل متن کی تدوین میں انتہائی دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ ان کتابوں کی حواشی میں آپ نے نہ صرف دستیاب نسخوں کے متنی اختلاف کی نشاندہی کی ہے بلکہ ہر ہر لفظ کے بارے میں بھی یہ بتایا ہے کہ دوسری کتب لغات میں ان کے کیا معنی درج ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے لغت فرس، فرہنگ زفان گویا، دستور الافاضل، فرہنگ رشیدی، لغات سروری، برہان قاطع، صحاح الفرس، ادات الفضلا، فرہنگ جہانگیری جیسی اہم اور مستند کتب لغات میں درج معنی ومفاہیم سے مقابلہ کیا ہے اور بعض مقامات پر فرہنگوں کے تسامحات کی نشاندہی بھی کی ہے۔ آپ حسب ذیل اُردو، انگریزی اور فارسی کی معروف کتابوں کے مصنف اور مرتّب ہیں جو اب تک شائع ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

کتبِ فارسی

(۱) مکاتیب سنائی (فارسی) رامپور، ۱۹۶۲ء، ۱۳۸۲ھ

یہ کتاب حکیم سنائی کے سترہ مکتوبات کا مجموعہ ہے جس کے متون کی تصحیح وترتیب پروفیسر نذیر احمد نے پانچ نسخوں کی بنیاد پر کی ہے۔ کتاب میں متنِ مکاتیب کے علاوہ مقدمہ، مصحح، ملحقات، تعلیقات، فہرست کلمات مخصوص شامل ہیں۔ تعلیقات کے باب میں ان مکاتیب کے مشمولات کے حوالے سے نہایت بیش قیمت اور بصیرت افروز بحثیں شامل ہیں جن سے مؤلف کی ژرف نگاہی، دانشوری اور طراز اول کی محققانہ مساعی کا پتہ چلتا ہے۔ سنائی کے یہ مکاتیب ان کے دوستوں، معروف ہم عصروں، بہرام شاہ غزنوی، سلجوقی وزیر ابوالقاسم درگزینی، عمر خیام کے علاوہ چند دوسرے اشخاص کے نام لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب میں نذیر احمد صاحب نے ایک مقدمہ انگریزی میں اور ایک فارسی میں تحریر فرمایا ہے۔ فارسی مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"حکیم سنائیؔ درطراز اول گویند گان فارسی محسوب میشود۔ واوهمواره مورد توجه علاقه مندان قرار گرفته وپیش شاعران وادیبان اختـرام فراوان داشته است۔ سنائیؔ نحستین شاعر است که افکار تصوف وعرفان رابا زوق شعری امیحته ودر قالب نظم در اورده است"[۱]

مقدمہ میں پروفیسر موصوف نے سنائیؔ کے حالاتِ زندگی اور اس کی تصانیف تفصیل سے دی ہیں جس سے سنائیؔ کے زمانے کے حالات اور اس کے ہم عصروں کے بارے میں مفید اطلاع ملتی ہے۔

اس کتاب کا متن نذیر احمد صاحب نے جن پانچ نسخوں کی بنیاد پر تیار کیا ہے ان کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) انڈیا آفس کتاب خانے کی "کلیات سنائی" جس میں سنائی کے مکاتیب کا مجموعہ شامل ہے۔

---

[۱] مکاتیب سنائی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، رامپور ۱۹۶۲ء، ص ۲

(۲) کلیات سنائی کتابخانہ دانشگاہ عثمانیہ

(۳) حبیب گنج کتابخانہ کا نسخہ

(۴) نسخہ کابل

(۵) ''کلیات سنائی'' کتابخانہ بودلین آکسفورڈ

اس کتاب کے تہیہ وترتیب میں ان پانچ نسخوں کے علاوہ آپ کے زیر مطالعہ ایسے مکاتیب بھی رہے جو ایران سے شائع ہونے والے مجلّے ''یغما'' و''ارمغان'' میں چھپ چکے تھے اور ساتھ ہی ان مکاتیب سے بھی مقابلہ کیا جو ''دیوان سنائی'' تالیف مدرس رضوی، ''حکیم سنائی'' تالیف خلیلی ''تعلیقات چہار مقالہ: مؤلف ڈاکٹر محمد معین میں شائع ہوئے تھے۔ لیکن ان سارے مخطوطے اور مطبوعہ مکاتیب میں بہت غلطیاں تھیں، اس لئے مؤلف موصوف نے متن کو صحیح و درستی سے قریب کرنے کے لیے ''مقدمہ سنائی'' اور دیوان سنائی' کا عمیق مطالعہ فرمایا۔ فاضل محقق کی کوشش اس مجموعے کی گردآوری میں نہایت وقیع ہیں۔

(۲) مکاتیب سنائی (فارسی) ادبیات وعلوم بشری، میزان، کابل ۱۳۵۶ھ ش، ۱۹۷۷ء

یہ کتاب تجدید نظر ہوکر کابل میزان سے شائع ہوئی اس کتاب کو مرتب کرنے میں نذیر احمد صاحب نے مندرجہ ذیل تین نسخوں سے مدد لی ہے۔

(۱) موزۂ بریطانیہ

(۲) دانشگاہ حیدرآباد

(۳) دانشگاہ علی گڑھ

یہ کتاب بھی مقدمہ مصحح اور ملحقات، تعلیقات فہرست ماخذ کے ساتھ شائع کی ہے۔

اس کتاب کے پیش گفتار میں لکھا ہے:

''دکتور نذیر احمد هفده نامهٔ حکیم سنائیؔ رابایَک مقدمه وتعلیقات مفصل دربارهٔ نامه هاو با فهرستِ هادرا خیر سال ۱۹۶۲م

(۱۳۴۱ ش) به سلسله انتشارات یونیورستهٔ اسلامی علیگره (هند) در مطبع رامپور به چاپ رسانیده است، که اینک از طرف مجله ادب پوهنجئی ادبیات وعلوم بشری، به کوشش پوهندوی شاه علی اکبر شهر ستانی مدیرمجله به چاپ می رسد۔"[۱]

(۳) مکاتیب سنائی (فارسی) بنیاد موقوفات دکتر محمود افشار، تہران، ایران ۱۳۷۹ش

یہ کتاب تجدید نظر ہو کر ۱۹۷۹ء میں ایران سے چھپی ہے۔ اس میں حکیم سنائی کے سترہ مکتوبات شامل ہیں۔ یہ پہلے بھی چھپ چکی تھی لیکن نذیر احمد صاحب نے چند نئے نسخوں کی مدد سے دوبارہ شائع کی۔ اس میں بھی مقدمے کے علاوہ مقدمہ مصحح، دیباچہ، ملحقات، تعلیقات اور فہرست شامل ہیں۔ مقدمہ مصحح میں نذیر احمد صاحب نے بیشتر تذکرہ نویسوں کی غلطیوں کی درستی کی ہے۔ جیسا کہ بیشتر تذکرہ نویس اور مورخ سنائی کا پورا نام ابوالمجد مجدود سنائی ولقب سنائی لکھتے ہیں مگر پروفیسر موصوف نے سنائی کے دیوان کی مختلف دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ سنائی کا پورا نام ابوالحسن علی بن آدم سنائی ہے۔ سنائی کے والد کے نام میں بھی مورخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مورخوں نے سنائی کے والد کا نام آدم لکھا ہے۔ مگر پروفیسر موصوف نے سنائی کے والد کا نام حکیم سنائی لکھا ہے۔ اس طرح سنائی کی تاریخِ ولادت کو بھی پروفیسر نذیر احمد نے درست کیا ہے۔ اس کتاب کے مقدمے میں آپ لکھتے ہیں:

"باید تذکرداد که درطول مدت بیست و نه سال که از چاپ اول می گذارد در بارهٔ نامه های سنائیؒ هیچ اطلاعی تازه به دست نیامده؛ درین سالها ی اخیر، دومکتوب سنائیؒ مکشوف شده که جزء مجموعه ای است که درسال ۵۴۳ کتابت شده است، بنابر این می توان حدس زد که تاریخ ۵۴۵ راکه تاریخ درگزشت حکیم قرارداده اند درست

---

[۱] مکاتیب سنائی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، کابل ۱۹۷۷ء ص پیش گفتار

نیست زیرا که درآخر، برای سنائیؔ فقرۂ رحمته الله علیه بکار برده شده است که بروفات او دلالت می کند این هردو نامۂ مجموعۂ مزبور رامکاتیب سنائیؔ چاپی شامل است؛ امابر مبنای قدیم بودن مجموعه باید دارای اهمیت باشد اماجای حیرت است که متن نامه علطهای زیاد داردواین غلطها از اهمیت نسخه کا سته است۔

نسخه های نامه های سنائیؔ کی منابع ومصادربنده در چاپ مکاتیب سنائیؔ بود، اختلافات فراوان دارد واین اختلافات گاهی به حدّی می رسد که موجب حیرت خواننده می باشد، حتی بعضی کلمات تاحدی غلط ودست و پاشکسته نو شته شده که باوجود کوشش بسیار آن واژه هابه همان صورت مغلوط چاپ شده بود ۔ در ظرف این مدت بعض اطلاعات مهم به دست آمد که در تصیحح متن تائثیری داشته چنانچه درین چاپ سوم بعضی اغلاط متن تصحیح گریده ودرحواشی نیز مطالبی مفید اضافه شده، اماحق اینست که تانسخۂ صحیح از مکاتیب سنائیؔ دست نیاید،متن کتاب درست نخواهدشد۔"[۱]

(۴) مکاتیب سنائیؔ،صنوبرتہران، زمستان،۱۳۶۲ش۱۹۸۳ءشمارہ۲۲۴

مکاتیب سنائیؔ جورامپور سے۱۹۶۲ء میں چھپی تھی دوبارہ تہران سے۱۹۸۳ء میں چھپی ہے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ کتاب حکیم سنائیؔ کے سترہ خطوط کا مجموعہ ہے۔اس کتاب کا متن پانچ نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ کسی نئے نسخے کی مدد سے تیار نہیں ہوئی بلکہ کچھ تصحیح کی گئی ہے۔اس میں بھی مقدمۂ مصحح کے علاوہ دیباچہ اور سنائیؔ کے ۱۷ مکتوبات،ملحقات،تعلیقات،فہرست ماخذ،فہرست اعلام،فہرست کتب واماکن،علطنامہ اور مقدمہ انگلسی شامل ہیں۔

---

[۱] مکاتیب سنائی،مرتبہ،پروفیسر نذیر احمد،تہران ۱۳۷۹ مقدمہ ص ۴۔۳

(۵) دیوان سراجی (فارسی) دانشگاہ اسلامیہ علی گڑھ ۱۳۵۱ھ/۱۹۷۲ء

سراج الدین خراسانی چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے نامور شاعروں میں سے تھا۔ یہ دہلی کے شاہی دربار کا اولین شاعر تھا۔ پروفیسر نذیر احمد نے سراجی کے دیوان کا تنقیدی متن مرتب کر کے دانشگاہ اسلامی علی گڑھ سے شائع کیا ہے، اس دیوان کی ترتیب وتصحیح ساتویں صدی کے اوائل میں بخط مصنف لکھے گئے ایک نسخے کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ یہ نادر وکمیاب نسخہ مرحوم آقای سعید نفیسی کی ذاتی ملکیت تھا، جس کو نذیر احمد صاحب نے عاریتاً ان سے حاصل کیا تھا۔ پروفیسر موصوف کو سراجی خراسانی کی حیات واشعار کو مرتب کرنے میں تھوڑی سی دشواری ہوئی لیکن پھر بھی سراجی کے احوال واشعار کا تنقیدی ایڈیشن اندرونی اور بیرونی ذرائع سے مقابلہ کر کے مرتب کیا، سراجی کا نام بقول پروفیسر موصوف سراج الدین تھا۔ سراجی کے شعری مجموعہ میں سراج تخلص کی بھی مثال ملتی ہے۔ پروفیسر موصوف نے سراجی اور سراج دونوں تخلص کے اشعار شواہد کے طور پر پیش کیے ہیں۔ دیوانِ سراجی کے حبیب گنج نسخہ کے آخری صفحہ پر مندرج ایک قطعہ اور ایک رباعی میں قمری تخلص کی نسبت کو پروفیسر موصوف معتبر دلائل کی بنیاد پر غلط تصور کرتے ہیں۔ پروفیسر موصوف موجہ شواہد کی روشنی میں ثابت کرتے ہیں کہ سراج الدین متخلص بہ قمری ایک دوسرا شاعر تھا۔ نام کی مشابہت کے سبب ان دونوں شاعروں کے اشعار خلط ملط ہو گئے تھے۔ فاضل محقق نے مختلف تذکرے اور دوسرے مآخذ کے مطالعات سے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ قُمری اور قَمری متخلص متعدد شعرا مختلف ادوار میں منصۂ ظہور پہ آئے تھے، لیکن ایسے تخلص کے شاعروں کا زیر بحث شاعر سراجی خراسانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آخری غزنوی بادشاہ خسرو ملک کا ستائش گر سراجی خراسانی زیر بحث شاعر سراجی سے جدا ایک شاعر ہوا ہے۔ سراجی کا تعلق سلطان محمود غزنوی کے دربار سے نہیں تھا بلکہ وہ التتمش کے بڑے بیٹے ناصر الدین محمود سے وابستہ تھا۔ نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

"His name is stated to be Siraj ud din. He wrote under the Pen- name of Siraj (-Lamp) and Siraji (-Lustrous, shining). But in a short Qita and in a Rubai appearing in the last page of the Habibganj copy of the Diwan (Fo1.120) the Pen

Name of the Poet appears as a Qumri.

From this it may be concluded that Siraji adopted another Pen- Name, Qumri. But the fact remains that Qumri was separate poet whose name was also Siraj- uddin. Owing to the similarity of the name the verses of Siraji and Qumri were Intermixed quite early.[1]

پروفیسر موصوف نے تعلیقات کے باب میں نہایت اہم امور پر روشنی ڈالی ہے۔ متعدد مانوس وغریب الفاظ ولغات کے معانی ومطالب کو صراحت و وضاحت سے بیان کیا ہے۔ بہت سے لغات واصطلاحات کی مثالیں دوسرے شاعروں کے شعری تخلیقات میں تلاش کی ہیں۔تعلیقات کے باب میں شیخ صنعاں صاحب کی شخصیت اوران سے منسوب داستان کی اصلیت وحقیقت کی تحقیق کی ہے۔

فاضل محقق نے استدراکات واضافات کے باب میں بھی نہایت مفید ومعنی خیز باتیں لکھیں ہیں۔ یہاں موصوف نے مرحوم استاد نفیسی کے اقوال پر تبصرہ کیا ہے اور ان تضادات کی طرف اشارہ کیا ہے، جو ان کے اقوال میں ملتے ہیں ساتھ میں اقوال کی تصحیح بھی کی ہے۔اس کتاب میں نذیر صاحب نے مقدمہ مصحح کے علاوہ انگریزی میں مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو سراجی اوراس کے دیوان کو سمجھنے کے لیے سودمند ہے۔

(۶) دیوان عمید لویکی (فارسی) مجلس ترقی ادب، لاہور، پاکستان ۱۹۸۵ء

"فضل الله عمیدلویکی از گویندگان شهر فارسی بوده که در دستگاه سلطان ناصر الدین محمود (م۶۶۴ھ) و سلطان غیاث الدین بلبن (م۶۸۶ھ) در شبه قاره پاک و هند می زیسته۔[2]

---

[1] دیوان سراجی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد Perface Page No 2

[2] دیوان عمید لویکی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، مقدمہ مصحح ص ۱

عمید لویکی ناصر الدین کی دستگاہ میں تھا اور جس وقت منگولوں نے ملتان پر حملہ کیا تھا عمید وہاں موجود تھا۔ اس وقت وہاں کا حکمران تاج الدین ابوبکر تھا، عمید نے اس کی مدح لکھی ہے۔

عمید کے دیوان میں قصاید، منظومات، ترجیعات، غزلیات اور رباعی کے علاوہ تعلیقات بھی شامل ہیں۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس دیوان کی تصحیح کی اور ایک مفید مقدمے کے ساتھ شائع کیا۔ مقدمہ میں نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

''هیچ نسخه ای ازدیوان اشعار عمید تا مدتی مکشوف نشده، دو سال پیش تصادفاً نسخهٔ مجموعهٔ اشعار در بمبئی دریکی از کتابخانهٔ شخصی پیدا شدو مالک آن نسخه حاضر بود که انرابفروشد، چنانچه بوسیلهٔ بنده این مجموعه که شامل سه دیوان منتخب از ازرقی هروی و بدرچاچ وعمید لویکی بود برای کتابخانه دانشگاه اسلامی علیگره خریداری شده۔ درباره صحت انتساب اشعار این جزبه عمید لویکی شکی نیست بعلت اینکه اولا چهار قصیده که شامل این مجموعه است، در منتخب التواریخ بدایونی بنام عمید نقل شده است، ویکی از ینهادر مجموعهٔ لطایف وسفینهٔ ظرایف تالیف سیف جام هروی نیز منقولست؛ ثانیًا اشعار متفرقه که شامل دیوانست در فرهنگ جهانگیری و سروری ذیل عمید لویکی درج شده است؛ ثالثاً دو قصیده که در دیوان وجود دارد، از روی سفینهٔ کهنسال در جملهٔ ار مغان بنام عمید لویکی نقل شده است۔

این نسخه دارای ۵۱ منظومه از قصاید، مقطعات، یک ترکیب بند ویک روباعی باشد، بزرگترین قصیده شامل ۹۶ بیت (کل ابیات باید ۱۰۱ بیت باشد) وکوچک ترین منظو مه یک روباعی است۔ مجموعاً این نسخه شامل ۱۳۸۳ بیت

است۔ بعلاوہ چند قصاید همه منظومات عارفانه و حکیمانه و شامل اشعار حمد ونعت می باشد، وبیشتر کلام اواخر زندگی است۔

بعلاوہ این ۵۱ منظومه، چهار ده قصیده ، یک ترکیب بند، چند قطعات،۸۸ابیات متفرقه از روی جنگهاو تاریها و فرهنگهاو غیره گرد آوری شده و بد ینطور اشعاری که شامل دیوان حاضر باشد تقریباً ۲۱۹۰ بیت می باشد۔"[۱]

(۷) دیوان حافظ (فارسی) براساس نسخہ ۸۲۴ھ.ق، انتشارات آستان قدس، تہران ۱۹۷۱ء

پروفیسر نذیر احمد نے ۸۲۴ھ کے کتابت شدہ نسخے کو جو سید ہاشم علی سبز پوش ''گورکھپور'' کے کتب خانہ میں موجود تھا یعنی جو قدامت کے لحاظ سے نسخہ خلخالی سے بھی تین سال قدیم تھا، مرتب کر کے ڈاکٹر محمد رضا جلالی نائینی کی ہمکاری سے تہران سے شائع کرایا۔ نسخہ کے متن میں شرح وحواشی موجود نہیں ہیں۔ لیکن اس نسخہ میں وہ مقدمہ جامع موجود ہے جو اب تک مختلف نسخوں میں ''گل اندام'' کے نام سے مشہور تھا۔ اس مقدمہ پر مبسوط حواشی پیش کئے گئے ہیں۔ لیکن ''گل اندام'' کا نام مقدمہ سے حذف ہے کیونکہ کہ محققین کو اس کے الحاقی ہونے کا شبہ ہے۔ اس کے الحاقی ہونے کے سلسلہ میں یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ چونکہ گیارہ قدیم ترین نسخوں میں سے سات نسخوں میں یہ نام نہیں ملتا اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ نام الحاقی اور فرضی ہے۔

اس نسخہ میں غزلوں کی تعداد صرف ۴۳۵ ہے، ۱۸ قطعہ اور ۲۶ رباعی ہیں، اس کے باوجود اس کی بعض غزلیں اور قطعے نسخہ قزوینی میں موجود نہیں ہیں بلکہ ان حصوں میں موجود ہیں جن کو قزوینی نے الحاقی قرار دے کر دیوان سے خارج کر دیا ہے۔ اس نسخے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قزوینی کی الحاقی غزلوں میں بعض اصیل غزلیں بھی شامل ہیں۔

---

[۱] دیوان عمید لویکی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد ص ۵۴-۵۳

(۸) دیوان حافظ (فارسی) براساس نسخہ ۸۱۸ ھ.ق مرکز تحقیقات فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ۱۳۶۷ش، ۱۹۸۸ء

یہ نسخہ کتابخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن (ہند) کے نسخہ سے تیار کیا گیا ہے، جس کی کتابت ۸۱۸ھ میں ہوئی تھی گویا یہ بہ اعتبار قدامت اب تک کے دریافت شدہ نسخوں میں دوسرے یا تیسرے درجہ پر ہے۔ سب سے قدیم ایا صوفیا ترکی اور برٹش میوزیم کے نسخے ہیں جو ۸۱۳ھ اور ۸۱۴ھ کے درمیان لکھے گئے۔ کتابخانہ آصفیہ حیدرآباد کا ۸۱۸ھ کا لکھا ہوا نسخہ، پھر قونیہ کا نسخہ جس کی کتابت ۸۱۹ھ میں ہوئی اس کے بعد نسخہ خلخالی ۸۲۸ھ کا نسخہ ہے۔ نذیر احمد صاحب نے آصفیہ کا نسخہ جس کی کتابت ۸۱۸ھ میں ہوئی ہے حاصل کیا اور مع تصحیح وترتیب شائع کرایا۔ یہ نسخہ ۳۵۷ غزلیات ۱۲ قطعات اور ۲۰ رباعیات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کو پروفیسر موصوف نے مقدمہ اور منظومات بترتیب تہجی کے ساتھ شائع کیا ہے۔

(۹) غزلیاتِ حافظ (فارسی) براساس نسخہ ۸۱۳ھ۔ق، مرکز تحقیقات فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ۱۳۶۷ش، ۱۹۸۸ء

یہ مختصر نسخہ ۴۷ غزلیات پر مشتمل ہے اس کی کتابت ۸۱۳ھ میں ہوئی ہے۔ یہ نسخہ بھی کافی قدیم ہے پروفیسر نذیر احمد نے اس نسخے کو سلار جنگ حیدرآباد سے حاصل کر کے مع تصحیح وترتیب شائع کرایا، یہ نسخہ بھی کافی اہمیت کا حامل ہے اس نسخے کو پروفیسر نذیر احمد نے ایک طویل مقدمہ، نسخہ عکس اصل نسخہ اور دیباچہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ دیباچہ میں قزوینی کے نسخہ کے مطابق اطلاعات بھی تحریر فرمائی ہے۔

(۱۰) غزلہائے حافظ (فارسی) براساس مجموعۂ لطائف وسفینۂ ظرائف، از سیف جام ہروی ہمعصر حافظ، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی ۱۹۹۱ء

یہ مجموعۂ فروز شاہ تغلق کے زمانے سے لے کر ۸۰۲ھ کے کچھ بعد تک تیار کیا گیا ہے۔ اس مجموعۂ میں حافظ کی ۱۲۷ غزلیں شامل ہیں، ان غزلیات میں ایک غزل ایسی ہے جو عام

نسخوں میں شامل نہیں ہے۔غزلیات حروف تہجی کے اعتبار سے مدون نہیں ہوئی ہیں۔اشعار کی ترتیب اور قرات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ غزلیں کسی قدیم اور معتبر نسخے سے نقل ہوئی ہیں، جو پہلی روایت کی نمایندہ معلوم ہوتی ہیں۔اس مجموعے کے دو نسخے ہیں، ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا دانش کدہ کابل میں۔ یہ مجموعۂ غزلہائے حافظ کے نام سے خانہ فرھنگ اسلامی جمہوری ایران، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔

(۱۱) دیوان حافظ براساس مورخہ ۸۱۲، ۸۱۷، ۸۲۴ھ.ق، انتشارات امیر کبیر تہران، ایران ۱۳۷۰ش

یہ نسخہ ایا صوفیا (ترکی) اور گورکھپور کے دونسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ایا صوفیا ترکی کا نسخہ جس کی کتابت ۸۱۲ھ اور ۸۱۷ ہجری کے درمیان ہوئی ہے اور یہ مختصر نسخہ صرف ۳۸ ورق پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ گورکھپور کے نسخے سے قدیم ہے اور اسکندر مرزا پسر عمر شیخ مرزا کے دور میں لکھا گیا تھا۔اس کی بعض منظومات دیوان مرتبہ قزوینی سے خارج ہیں۔اس سے مزید اس قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ قزوینی کے الحاقی قرار دیئے گئے کلام میں بعض اصیل کلام بھی شامل ہے۔ پروفیسر نذیر احمد کے اس تصحیح کردہ دیوان میں اب غزلوں کی تعداد ۴۳۵ سے بڑھ کر ۴۸۱ ہوگئی ہے۔ یہ نسخہ پروفیسر نذیر احمد نے دونوں نسخوں کی مدد سے تیار کیا ہے مگر اس کا اصل نمائندگی نسخہ ایا صوفیا ''ترکی'' معلوم ہوتا ہے۔ یہ نسخہ پروفیسر نذیر احمد نے مع تصحیح وترتیب شائع کیا ہے اور یہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔

(۱۲) دستور الافاضل (فارسی) تہران ۱۹۵۷ء، ۱۳۵۲ش

اس فرہنگ کی تالیف مولانا رفیع المعروف بہ حاجب خیرات دہلوی ۷۴۳ھ عہد تغلق کی یادگار ہے۔اس کا شمار ہندوستان کے قدیمترین فارسی فرہنگوں میں ہوتا ہے۔اس کا ایک ناقص نسخہ آسیائی بنگال (کلکتہ) سے دریافت ہوسکا تھا، جس کی مدد سے پروفیسر نذیر احمد نے اس نسخے کی ترتیب وتصحیح کر کے شائع کرایا۔نذیر صاحب نے اس فرہنگ پر انتہائی مبسوط، مفید اور پر از معلومات مقدمہ تحریر فرمایا ہے اور اختلاف الفاظ کے معانی ومطالب، نیز صحت متن کے سلسلے میں عالمانہ، محققانہ اور بیش قیمت حواشی سے فرہنگ کو مزین کیا ہے۔

اس فرہنگ کے ناقص نسخے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"چنانچه اطلاع داریم از ین فرهنگ نسخه ای منحصر بفرددر کتابخانه انجمن آسیائی بنگال در کلکته (هندوستان) نگا هداری میشود ، این نسخه دارای ۲۲ برگ وهر صفحه شامل ۲۲ سطر می باشد، اگرچه تاریخ ندارد امااز خط و کاغذ پیداست که پیش از قرن دهم استنساخ شده است۔ نسخه صاف و خواناست امابعضی جایها افتادگی هادارد۔ مثلاً برگ دوم که شامل جزوی از مقدمه بود، ازین رفته است پس ازبرگ نهم سقط دوم بنظرمی اید که شامل واژوهای اخیر حرف باوهمه واژهای حرف (ثاو) واژهای اول حرف جیم بوده است ،سقط سوم پس از برگ شانزدهم واقع شده واین جزو شامل واژه های اخیر حرف غین ، واژه های حرف فاو واژهای اول حرف قاف بوده است۔

بعلاوۂ این افتادگی هانسخه حاضر اغلاط زیاد دارد وچون نسخه دیگری پیدا نیست تصحیح اغلاط خیلی دشواراست۔ در هرحال یک کمی افتاد گیها رامی توان ازروی موید الفضلا جبران نمود۔ این فرهنگ اخیربعضی از کلمات را بگفته دستورالا فاضل نقل نموده است واین همه کلمات رادر تصحیح نسخه می توان بکار بردو بدینطور بعضی ازکلمات افتاده پیدا می شود ۔افتاد گیهای مقدمه ازروی مقدمه فرهنگ قواس می توان جبران نمود زیراکه خود مؤلف دستورالافاضل درمقدمۂ موجود اشاره کرده که اومطالبی را از مقدمۂ قواس در اورده است"[1]

---

[1] دستورالافاضل، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد ص ۳۶۔۳۷

(۱۳) فرہنگ قواس (فارسی) بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب، تہران، ایران ۱۳۵۳ش، ۱۹۷۴ء

یہ فرہنگ فخر الدین مبارک شاہ قواس غزنوی کی تالیف ہے جو علاء الدین خلجی (۶۹۵۔۷۱۵ھ) کے عہد کا ادیب اور شاعر تھا۔ اس فرہنگ کی تالیف ۶۹۵ھ میں ہوئی ہے۔ ہندوستان کی قدیمترین فرہنگ، لغت فرس اسدی طوسی کے بعد فرہنگ قواس کا نمبر قدامت میں دوسرا ہے۔ یہ اشاعت فرہنگ قواس کے صرف ایک معلوم ومکشوف قلمی نسخے پر مبنی تھی جو ایشیاٹک سوسایٹی کلکتہ میں محفوظ ہے۔ یہ خطی نسخہ بعض لحاظ سے نامکمل تھا اس لئے یہ اشاعت بھی کتاب کی نامکمل صورت پیش کرتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد نذیر صاحب کو ''فرہنگِ قواس'' کا ایک مکمل مخطوطہ دستیاب ہوا اور آپ نے پچھلی نامکمل اشاعت کو اس نسخہ کی مدد سے مکمل کیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

فرہنگ قواس میں الفاظ کو موضوع کے اعتبار سے درج کیا گیا ہے۔ اس طرح بنیادی طور پر یہ فرہنگ پانچ حصوں میں منقسم ہے، ہر حصہ کو بخش کہا گیا ہے پھر ہر بخش کی مزید تقسیم کی گئی ہے اس تقسیم کو گونہ اور گونہ کی مزید تقسیم کو بہرہ کا عنوان دیا گیا ہے۔ مثلاً گونہ اوّل درنام خدائے تعالیٰ، گونہ دوم درنام چیزہای پراکندہ، بہر نخست درنام پرندگان بزرگ کہ بہ ہوا پرند وغیرہ۔

(۱۴) فرہنگ قواس (فارسی) رضا لائبریری، رامپور، تہران ۱۹۹۹ء

یہ فرہنگ کم یاب تھی اور اہل علم کی دسترس سے باہر اس لئے تشنہ کہ طباعت تھی۔ اس کے چند قلمی نسخے ہی مختلف کتب خانوں میں محفوظ تھے۔ نذیر احمد صاحب نے اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ان تمام دستیاب نسخوں کی مدد سے، انتہائی محنت اور جانفشانی سے، ایک مستند اور معتبر نسخہ تیار کر کے اسے زیور طبع سے آراستہ کرایا اور اس میں ضروری حواشی وتعلیقات کو شامل کر کے اس کی افادیت میں مزید اضافہ کیا۔ دراصل موجودہ دور میں قدیم متون کی ترتیب وتدوین میں حواشی اور تعلیقات کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اصل متن میں بعض باتیں کلیتاً واضح نہیں ہوتی ہیں۔ پروفیسر موصوف نے جتنے بھی قدیم متون بشمول فرہنگ قواس، کی ترتیب وتدوین کی ہے، ان میں عالمانہ انداز اور جس کثرت سے تعلیقات وحواشی کو شامل کیا ہے ان سے

اصل متن کی معنویت اور افادیت میں متعد بہ اضافہ ہوا ہے۔

فرہنگ قواس کے شروع میں آپ نے ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس میں فرہنگ اور مؤلف فرہنگ دونوں کے بارے میں مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے بعض محققین کی آراء سے اختلاف بھی کیا ہے اور اپنے نقطۂ نظر کو بڑے مدلّل اور واضح انداز میں پیش کیا ہے اور بعض مقامات پر خود مؤلفِ فرہنگ کے بیانات کو بھی بعید از حقیقت ثابت کیا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اپنے مقدمہ میں فرہنگ قواس کے منابع ومصادر پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ کا فرمانا ہے کہ اگر چہ خود مؤلف نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں بتایا ہے تاہم اس کے بالاستیعاب مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا بنیادی مآخذ اسدی طوسی کی لغت فرس ہے جو پانچویں صدی ہجری میں تالیف کی گئی تھی اور جسے فارسی کی قدیم ترین کتبِ لغت ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اسی کے ساتھ نذیر احمد صاحب نے فرہنگ کے بعض تسامحات کی نشاندہی بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ سند کے طور پر جو اشعار اس میں درج کئے گئے ہیں ان میں زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا گیا ہے اور ان کو بلا تحقیق لغت فرس سے نقل کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لغت فرس میں بعض الفاظ کے جو معنی غلط درج ہو گئے ہیں فرہنگ قواس میں بھی وہ اسی طرح نقل کیے گئے ہیں۔ ان سب کی اصلاح نذیر احمد صاحب نے متن کے حاشیہ میں کر دی ہے۔

اس کے بعد اصل متن کی تدوین میں نذیر صاحب نے انتہائی دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے اس کے حواشی میں آپ نے نہ صرف فرہنگ کے دستیاب نسخوں کے متنی اختلاف کی نشاندہی کی ہے بلکہ ہر ہر لفظ کے بارے میں بھی یہ بتایا ہے کہ دوسری کتب لغات میں ان کے کیا معنی درج ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے لغت فرس، فرہنگ زفان گویا، دستور الافاصل، فرہنگ رشیدی، لغت سروری، برہان قاطع، صحاح الفرس، ادات الفضلا، موید الفضلا، فرہنگ جہانگیری جیسی اہم اور مستند کتب لغات میں درج معانی ومفاہم سے مقابلہ کیا ہے اور بعض مقامات پر فرہنگ قواس کے تسامحات کی نشاندہی بھی کی ہے۔

فرہنگ قواس کی پہلی اشاعت صرف ایک مکشوف قلمی نسخہ پر مبنی تھی جو کتاب کی نامکمل صورت پیش کرتی ہے۔۱۹۹۲ میں پروفیسر نذیر احمد کو پاکستان سے ایک مکمل مخطوطہ دستیاب ہوا جس کی مدد سے پہلی نامکمل اشاعت کو مکمل کر کے شائع کرایا ہے۔اس کتاب کی تصحیح وترتیب میں پچھتر مآخذ سے مدد لی گئی ہے۔ان میں چھبیس فرہنگیں ،تیس دیوان اور دیگر منظومات میں چودہ تاریخی کتابیں اور چند دیگر ادبی مآخذ شامل ہیں۔منابع ومراجع کی یہ تعداد ہی پروفیسر نذیر احمد کی اس محنت اور مشقت کا پتہ دیتی ہے جو آپ نے اس فرہنگ کی ترتیب میں برداشت کی ہے۔

(۱۵) فرہنگ زفان گویا (فارسی) خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار، ۱۹۸۹ء

''زفان گویا'' بھی قدیمترین فرہنگوں میں سے ایک ہے اس کا پورا نام ''فرہنگ زفان گویا وجہان پویا'' ہے اس فرہنگ کے مؤلف کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں ہے اور نہ مصنف نے اپنی کتاب کی تاریخ تالیف بہم پہنچائی لیکن کتاب کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مؤلف کا نام بدرالدین بن ابراہیم ہے۔

اس فرہنگ کو ہفت بخشی بھی کہا جاتا ہے۔اس لئے کہ اسکے مندرجات کو بنیادی طور پر سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس کے سال تالیف کے بارے میں بھی اختلاف ہے،لیکن اتنی بات مسلم ہے کہ ہندوستان میں تالیف کی جانے والی یہ اولین لغات میں سے ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد تالیف کی جانے والی کتبِ لغات مثلاً فرہنگ ابراہیمی،تحفۃ السعادت، مدارالافاضل ،موید الفضلا ،مجمع الفرس،فرہنگ جہانگیری وغیرہ کے مؤلفین نے بہ کثرت اس سے استفادہ کیا ہے اور اس کے حوالے سے بیشتر معنی درج کئے ہیں۔ زفان گویا کی تاریخ تالیف کے بارے میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ بحر الفضائل کے مآخذ میں اس کتاب کا بھی نام ہے اور چونکہ بحرالفضائل کی تاریخ تالیف ۸۳۷ھ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بحرالفضائل سے پہلے کی تصنیف ہے۔

یہ لغت بھی تشنہ طباعت اور ہمارے محققین کی توجہ کی محتاج تھی۔لہٰذا پروفیسر نذیر احمد نے نظر

التفات کی اور کتابخانہ خدا بخش اور تاشقند کے نسخوں کی مدد سے اس فرہنگ کا ایک معتبر اور مستند نسخہ تیار کر کے خدا بخش لائبریری پٹنہ سے شایع کرایا۔ اس کی ترتیب وتدوین میں پروفیسر موصوف نے تصحیح متن، تعلیقات اور حواشی کا وہی اعلیٰ معیار برقرار رکھا ہے جو ''فرہنگ قواس'' کا طرز امتیاز ہے۔ ابتداء میں ایک مبسوط مقدمہ سپرد قلم کیا ہے، جس میں فرہنگ کے مولف بدالدین بن ابراہیم سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں اور فرہنگ کی خصوصیات کو اجاگر کر کے اس کے تسامحات کی نشاندہی کی ہے۔

(۱۶) فرہنگ زفان گویا (فارسی) خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۷ء

یہ فرہنگ بدرالدین بن ابراہیم کی تالیف ہے۔ نذیر احمد صاحب نے پہلے خدا بخش اور تاشقند کے دو نسخوں کی مدد سے جلد اول تیار کی اور بعد میں آپ کو ایک تیسرے نسخے کا پتہ چلا جو کراچی سے حاصل کیا اور اس تیسرے نسخے کی مدد سے فرہنگ زفان گویا کی دوسری جلد تصحیح وترتیب کے ساتھ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ سے شایع کی ہے۔

اس جلد کو بھی ایک سودمند مقدمہ اور واژہ ہائی ''مفرد'' اور حواشی کے ساتھ شائع کیا۔ اس کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔

''(جلد اول مبنی بود بردو نسخه ، نسخه کتابخانه خدا بخش پٹنه که نسخه کاملی است و در مقدمهٔ کتاب معرفی شده (نشان اختصاری) پ است ، نسخه دویمین نسخهٔ تاشقند است که در مقدمهٔ جلد اول معرفی شده، از روی همین نسخه آقای دکترس بایفسکی فرهنگ زفان گویا رابامقدمه و ملحیقات و عکس نسخه در مسکور در ۱۹۷۴ میلادی انتشار داده است ـ اخیراًیک نسخه دیگری در موزهٔ پاکستان کراچی دریک مجموعهٔ مکشوف شده که در اینجا معرفی می شود۔[۱]''

---

[۱] زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد دوم، ۱۹۹۷ء ص ۱۔۲

(۱۷) فرہنگ لسان الشعراء (فارسی) خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی ۱۹۹۵ء

لسان الشعراء بھی فارسی کی قدیمترین فرہنگوں میں سے ایک ہے۔ یہ فرہنگ سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲۔۷۹۰ھ) کے دور میں لکھی گئی ہے۔اس کا مؤلف شیخ زادہ عاشق فروز شاہ تغلق کے دربار سے تھا، جس نے فرہنگ کے آغاز میں فیروز شاہ کی مدح میں ۱۸ اشعار کا مقدمہ تحریر کیا ہے اور اس فرہنگ کو بادشاہ کے نام معنون کیا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس فرہنگ کو کراچی اور اٹلی کے دو نسخوں کی مدد سے تصحیح وتدوین کے ساتھ شائع کیا اس کتاب میں نذیر صاحب نے نہایت مفید مقدمہ فارسی اور انگریزی میں تحریر فرمایا ہے۔

پروفیسر نذیر احمد نے علم لغت اور فن فرہنگ نگاری سے متعلق جتنے بھی کام کئے ہیں وہ سب بلاشبہ انتہائی اہم اور قابلِ یادگار ہیں۔

(۱۸) کتاب الصیدنہ

''یہ کتاب ابوریحان بیرونی (۳۶۲۔۴۴۳ھ) کے اوخر زمانے کی تالیف ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی بعد میں انگریزی اور پھر سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷۔۶۳۳ھ) کے عہد میں ابوبکر کاشانی نامی ایک مصنف کے توسط سے فارسی میں منتقل ہوئی اور کچھ ایرانی فضلا کی مشترکہ کوشش سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔ پروفیسر نذیر احمد نے ترجمہ نسخہ، برٹش میوزیم کا عکس ایک مفصل طویل مقدمہ جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل تھا تہران سے چھپنے کے لئے بھیجا لیکن پریس والوں نے نذیر صاحب کا سارا مسودہ گم کردیا اور کتاب چھاپ دی۔ پروفیسر نذیر احمد کو متن کا ایک ناقص چھپا ہوا نسخہ کہیں سے حاصل ہوا جس میں ان کا اپنا لکھا ہوا مقدمہ شامل نہیں تھا۔''[۱]

بہت تلاش کرنے کے باوجود مجھے وہ نسخہ کہیں سے نہیں ملا مگر مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی میں ایک رسالہ Beruni's kitab-As Saydana and its Persian Translation کے نام سے انگریزی کیٹالاگ نمبر 891-508N32C سے محفوظ تھا، حاصل ہوا جس میں

---

[۱] کارنامۂ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون، ص ۹۳

دراصل نذیر صاحب کے تحریر کردہ انگریزی میں تین مضامین شامل ہیں۔

پہلا مضمون Beruni's Kitas-A-Saydana and Its Persian Translation کے عنوان سے ہے جو Indo Iranica Callcutta vol 14 sep1961 A.H کے شمارے میں شائع ہوا اور جس میں نذیر صاحب نے کتاب الصیدنہ کے مخطوطات اور اس کے انگریزی اور فارسی ترجموں میں کچھ غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ دوسرا مضمون A very old source of Hafiz Ghazals کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے جو Indo-Iranican Vol 18 march 1985 کے شمارے میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں دیوان حافظ کے مختلف نسخوں کی بابت سے غزلیات کی بے ترتیبی اور پھر اصل مأخذ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مختلف نسخوں سے غزلیات کو نمونے کے طور پر شامل کیا ہے اس طرح تیسرا مضمون Some original Prose and Poetical Picess of Hakim's Sanai جو Indo-Iranica Vol 16 june 1963 کے شمارے میں شامل ہے جس میں حکیم سنائی اور اس کے دیوان سے متعلق مکمل بحث کی گئی ہے اس طرح رسالہ میں شامل مضامین کافی اہمیت کے حامل ہیں اور معلومات کے لیے سودمند بھی۔ بہر حال اس رسالے میں شامل مضامین کس نے مرتب کیے معلومات دستیاب نہیں ہے اور نہ ہی مرتب کرنے کی تاریخ اور جس نام سے رسالہ محفوظ ہے دراصل وہ ایک مضمون تھا نہ کہ کتاب الصیدنہ۔

(۱۹) بساتین الانس

یہ کتاب محمد تغلق کے زمانے میں تصنیف ہوئی اس کے مصنف کا نام اخستان ہے۔ پروفیسر نذیر احمد کو اس کتاب کے دو نسخے دستیاب ہوئے تھے، ایک لکھنو یونیورسٹی سے اور دوسرا برٹش میوزیم سے جن کی مدد سے آپ نے ایک انتقادی متن تیار کیا تھا لیکن یہ کتاب شائع نہیں ہوسکی۔

(۲۰) دیوان مہندس

یہ دیوان شاہ جہاں کے عہد میں ۱۰۳۷ء میں لکھا گیا۔ اس کا مصنف لطف اللہ مہندس ہے، جو استاد احمد کے بیٹے تھا۔ استاد احمد معمار جامع مسجد اور تاج محل ہے۔ لطف اللہ مہندس نے قرآن بھی

لکھا ہے اوراس کے حاشیے پر اپنے دادا کا نام پسر احمد بن برخوردار لکھا ہے۔اس کے علاوہ ایک مثنوی سیرت رسول بھی ہے اس میں بھی برخوردار کا نام لکھا ہے۔اس دیوان میں خاندان مہندس اور ان کی شاعری کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ کتاب مکمل ہوئی اور شائع کے لئے ایران بھیجی جا چکی ہے مگر ابھی تک شائع ہو کر منظرِ عام پر نہیں آئی۔

کتبِ اُردو

(۲۱) نقد قاطع برہان، مع ضمائم، (اُردو) غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۸۵ء

'برہان قاطع'' فارسی کی نہایت مشہور اور متداول فرہنگ ہے اس کا مؤلف محمد حسین بن خلف تبریزی متخلص برہان ہے۔ یہ فرہنگ ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۲۵۲ء میں سلطان عبداللہ شاہ کے عہد میں گول کنڈہ میں مرتب ہوئی۔ اس کی تنقید اور اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ نے ''قاطعِ برہان'' تصنیف فرمائی، لیکن غالبؔ کے بعض بیانات محل نظر تھے۔ پروفیسر نذیر احمد نے ان ہی بیانات کے سلسلے میں ایک تحقیقی معروضہ پیش کرتے ہوئے ''نقد قاطع برہان'' مع ضمایم تصنیف فرمائی اور غالبؔ کی مشہور تصنیف ''قاطع برہان'' کے بعض مندرجات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش کی بنیاد قدیم اسناد کے تقابلی مطالعے پر ہے۔ ''نقد قاطع برہان'' پیش گفتار، نقد قاطع برہان، ضمایم اور مقالات، دساتیر پر ایک نظر، برہان قاطع، غالب اور مؤلفِ برہان میں اتحادِ نظر، غالب اور ذال فارسی، تصحیفات ولغاتِ فارسی جیسے چند مقالات پر مشتمل ہے۔

پروفیسر نذیر احمد عالمانہ نظر اور سائنٹیفک طرز فکر رکھتے تھے ان کا مزاج عادلانہ تھا۔ آپ نہ کسی کی بے جا تعریف کرتے اور نہ خواہ مخواہ ہدف تنقید بناتے تھے۔ آپ کی تنقید کبھی تنقیص کے حدود میں داخل نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ غالبؔ کی عظمت کے قائل ہونے کے باوجود ان کو لغزشوں اور کوتاہیوں سے مبرا نہیں مانتے آپ غالبؔ کو عظیم شاعر، دانشور اور بے مثال ادیب

وانشا پرداز مانتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ان کا یہ بھی فرمانا ہے کہ ان تمام صفات کے باوجود وہ فرہنگ نویسی کے مرد میدان نہیں تھے۔ اس لیے میدان میں قدم رکھ کر انہوں نے اپنی بے پناہ صلاحیت اور افتادِ طبع کے منافی کام کیا۔

اسی کے ساتھ آپ برہان قاطع کو بھی ہر قسم کی غلطی سے پاک اور اس کے مولف محمد حسین تبریزی کو تنقید سے بالاتر تصور نہیں کرتے۔

غالبؔ نے برہان قاطع پر مجموعی طور پر مختلف انداز سے ۱۸۴ اعتراضات لگائے تھے۔ نذیر احمد صاحب نے ''نقد قاطع برہان'' میں ان میں سے بیشتر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور مختلف کتبِ لغات اور فرہنگوں کی مدد سے ان کی صحت اور عدم صحت کا تعین کیا ہے۔

(۲۲) تذکرہ علمائے بلخ، (اُردو) ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، جولائی، ستمبر ۱۹۸۹ء

تذکرہ علما بلخ ترجمہ ہے فضائل بلخ کا جو ۶۱۰ھ میں عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اس کے مؤلف شیخ الاسلام صفی الدین ابوبکر عبداللہ بن عمر بن داؤد وعظ بلخی ہیں، لیکن اس اصل عربی متن کا کوئی نسخہ اب موجود نہیں، البتہ اس کا فارسی ترجمہ محفوظ رہ گیا ہے۔ اس کے مترجم عبداللہ محمد بن حسین بلخی نے بلخ کے حکمراں ابوبکر عبداللہ کے ایما پر ۶۷۶ ہجری میں بلخ ہی میں اس کو فارسی کا جامہ پہنایا۔ پروفیسر نذیر احمد نے ۱۹۸۹ء میں اس کتاب کو فارسی سے اردو میں منتقل کیا اور اس پر ایک مفصل مقدمہ تحریر فرمایا۔

(۲۳) فارسی قصیدہ نگاری، (اُردو) ادارہ علوم اسلامیہ، اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ ۱۹۹۱ء

یوں تو قصیدہ فارسی شاعری کی ایک بہت اہم صنف ہے۔ قدما اس صنفِ سخن میں اپنے زورِ طبع ہی کا نہیں علم وفضل کا بھی مظاہرہ کرتے تھے۔ جب علم نجوم، ہیت اور موسیقی کی اصطلاحیں ان کے لئے چیستان بننے لگیں تو اس صنف سخن کو مطعون کیا جانے لگا اور قصیدہ کے یہ معنی قرار دیئے جانے لگے کہ یہ ایسی صنف سخن ہے جس میں شاعر یا تو دروغ گوئی کا مرتکب ہوتا ہے یا پھر ''بھٹی'' کا پروفیسر نذیر احمد نے اس طلسم کو توڑتے ہوئے وافر مثالوں کے ذریعے یہ بات ثابت کی ہے کہ قصیدہ

ہی وہ واحد صنفِ سخن ہے جو تاریخی مآخذ کے بھی کام آتی ہے اور جس کے مطالعے کے ذریعے شاعر کے زمانے کے تہذیبی سرمائے سے بھی واقف ہوا جا سکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہی وہ صنفِ سخن بھی ہے جس میں اسلامی علوم و معارف کے بہت سے ایسے نکات بھی محفوظ ہیں جس کے ذریعے سے ان کے ارتقا اور مسلمانوں پر ان کے اثرات سے بھی نہ صرف واقف ہوا جا سکتا ہے بلکہ ان کی ایک جامع تاریخ بھی مرتب کی جا سکتی ہے، اس طرح نذیر احمد صاحب نے اس کتاب میں بیش تر قصیدہ نگاروں کے قصیدوں سے مثالیں دی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ قصیدہ نگاری ہی وہ فن ہے جس کے ذریعے ہم کسی دور کے تہذیب و تمدن سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں سلطان محمود کے درباری شعراء میں عنصری، فرخی، اور رودکی جیسے مشہور قصیدہ نگاروں کو محمود غزنوی دور کے اہم مآخذ قرار دیتے ہوئے ان قصیدہ نگاروں کے قصاید سے وضاحت بھی کی ہے۔

نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

''سلطان محمود کے درباری شعراء میں عنصری اور فرخی مشہور قصیدہ نگار تھے۔ دونوں کے قصائید کے متعلق یہ کہنا از بس ضروری ہے کہ وہ محمود غزنوی دور کے اہم مآخذ کا کام کرتے ہیں۔''[۱]

نذیر احمد صاحب منوچہری دامغانی کو بے بدل شاعر اور بجز لغات اس کو فارسی کے بیشتر شاعروں سے ممتاز قرار دیتے ہیں۔ اس کے چند قصیدوں کے اشعار جو مناظرِ قدرت کے عکاسی ہیں بطور نمونہ نقل کیے ہیں۔ آگے چل کر حکیم سنائی غزنوی جیسے حکیم شاعر کا تعارف کراتے ہیں جس کا کلام علم و حکمت، عرفان و تصوف، مذہب و اخلاق کا زبردست خزانہ ہے۔ اس عظیم شاعر کی مثنوی حدیقۃ الحقیقہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے ایک مقالے کا حوالہ دیتے ہیں۔ جو مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ کے شمارے میں شائع ہوا تھا، آخر میں سنائی کے قصیدوں سے کچھ اشعار بطور مثال نقل کیے ہیں۔ علاوہ ازایں اس کتاب میں مسعود سعد، امیر معزی، عرفی، سعدی، جیسے شعرا کے قصیدوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح نذیر احمد صاحب نے فارسی قصیدہ نگاری کو اپنے مخصوص مطالعہ کا ہدف بنا کر اُس کے بہت سے پوشیدہ گوشوں کو اہل علم کے سامنے پیش کیا ہے۔

---

[۱] فارسی قصیدہ نگاری، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد ص، ۱۲

(۲۴) تصحیح وتحقیق متن، (اُردو) شعبہ اردو بمبئی یونیورسٹی، ۱۹۸۸ء

شعبہ اردو بمبئی یونیورسٹی ہر سال توسیعی خطبات کا اہتمام کرتا تھا۔ اسی پروگرام کے تحت پروفیسر نذیر احمد کو ۲۲۔۲۳ رمارچ ۱۹۸۷ء کو دعوت دی گئی، نذیر احمد صاحب نے اس دعوت کو شرف قبولیت بخشا اور تصحیح اور ترتیب متن کے زیر عنوان اپنے گرانقدر خطبات سے نوازا، یہ خطبات ایک علمی دستاویز کی حیثیت رکھتے تھے اس لئے متنی تنقید سے دلچسپی رکھنے والوں نے استفادہ کے لئے کتابی صورت میں شائع کرایا۔ یہ کتاب تصحیح اور تحقیقی متن سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے واقعہ ہی بہت اہمیت رکھتی ہے۔

نذیر احمد صاحب بنیادی طور پر فارسی کے عالم تھے اور فارسی زبان وادب کے لحاظ سے ان کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی تاہم اردو تحقیق کو بھی انہوں نے علمی وقار واعتبار بخشا۔ تحقیق میں ان کا پسندیدہ موضوع ترتیب وتدوین متن تھا، ظہوریؔ اور سہ نثر ظہوری پر پروفیسر موصوف کا کام ترتیب متن کے اولین نمونے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے قدیم اردو، ہندی کی ایک بنیادی اور اہم کتاب 'ابراہیم عادل شاہ کی تصنیف ''کتاب نورس'' انگریزی مقدمے کے ساتھ مرتب کی جو اردو ترتیب متن کا ایک شاہکار ہے۔ نورس کی ترتیب کے مطالعہ سے پروفیسر موصوف کی لسانی باریک بینی علم موسیقی کے مختلف پہلوؤں سے ان کی بے پناہ واقفیت اور تہذیبی تاریخ پر ان کی گہری نظر سے ان کے وسیع علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۲۵) تصحیح وتحقیق متن، (اُردو) ادارہ یادگارِ غالب کراچی، پاکستان، ۲۰۰۰ء

یہ کتاب نذیر احمد صاحب کا مختصر سا رسالہ ''تصحیح وتحقیق متن'' ہے جو بمبئی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی طرف سے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا تھا۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس کی طباعت کی غلطیاں درست کر کے دوبارہ شائع کروائی ہے۔

زیر نظر رسالہ نذیر احمد صاحب کے تین لیکچروں کا مجموعہ ہے۔ یہ لیکچر ۱۹۸۸ء میں بمبئی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے زیر اہتمام ایراد کئے گئے تھے۔ یہی لیکچر پروفیسر عبدالستار دہلوی صدر شعبۂ

اردو بمبئی یونیورسٹی کی توجہ سے چھپ گئے ،لیکن پروفیسر نذیر احمد کو نہ طباعت کی دیکھ بھال کرنے کا موقعہ ملا اور نہ رسالے پر تجدید نظر ہوسکی تھی ۔لہٰذا اس رسالے میں مطبوعہ نسخے کی چھاپ کی غلطیاں درست کی گئیں ہیں اور جہاں تہاں رسالہ پر تجدید نظر بھی عمل میں آ گئی ۔بمبئی کے چھپے رسالے کی طباعت کو دس سال ہو گئے تھے، اس مدت میں پروفیسر نذیر احمد کی تحقیقی مواد میں کافی اضافہ ہو گیا تھا اور نظریہِ تحقیق میں بھی تبدیلی ہوگئی تھی، اس لحاظ سے یہ رسالہ کافی حک واصلاح کا محتاج تھا۔لہٰذا چھاپے کی غلطیوں کو دور کرتے ہوئے کہیں کہیں متن میں بھی اصلاح عمل میں آ گئی ہے۔زیرِنظر کتاب کے شروع میں نذیر احمد صاحب نے ''عرضِ مؤلف'' میں واضح کیا ہے کہ کسی متن کو مرتب کرنے کا طریقہ کیا ہے اور ایک معیاری متن کے مرتب کرنے کے لئے کن امور کا جاننا ضروری ہے۔تصحیح وتحقیق متن، اسنادِ تحقیق ،تعلیقات وحواشی ،تخریج ،مقدمہ نویسی اور فہرست سازی کے بنیادی لوازم اور اصول ایسی خوش اسلوبی سے بیان کئے گئے ہیں کہ اہل تحقیق ہی نہیں، عام قاری بھی ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ یہ مختصر کتاب فاضل مصنف کے زندگی بھر کے علمی تجربات کی حامل ہے، اردو میں یہ اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے جو مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔

(۲۶) کتاب نورس (اردو)، بھارتیہ کلا کیندر دانش محل، امین الدولہ پارک ،لکھنؤ اتر پردیش، اپریل ۱۹۵۵ء

''کتاب نورس'' ابرہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸۔۱۰۳۷ھ) کی تصنیف ہے۔پروفیسر نذیر احمد نے اس کتاب کی تصحیح وتدوین میں جس غیر معمولی محنت ،صبر، باریک بینی اور تحقیقی بصیرت کا مظاہر کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔اس تخلیقی کام پر آپ کو ۱۹۵۵ء میں لکھنؤ یونیورسٹی نے ڈی۔لٹ جیسی اعلیٰ ڈگری سے نوازا ''کتاب نورس'' کی تدوین ریاض خون جگر کا معجزہ ہے، اس تخلیقی کارنامہ سے آپ کو ابدی شہرت حاصل ہوئی۔ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸۔۱۰۳۷ھ) عادل شاہی خاندان کا ایک جلیل القدر فرماں روا تھا۔اگر چہ اپنے چچا علی عادل شاہ کے بعد صرف ۹ سال کی عمر میں اس کو تخت مل گیا، اس کی فطری قابلیت کے جوہر ابتدا ہی سے ظاہر ہونے لگے، اس کے

عہد میں بیجا پور علم وادب کا بڑا مرکز ہوگیا تھا۔ چنانچہ علمی ترقی کے لحاظ سے اس بادشاہ کا شمار ہندوستان کے ممتاز بادشاہوں کی فہرست میں ہوتا ہے۔ ابراہیم عادل کی سرپرستی میں اس کے درباری علما وفضلا نے مختلف علوم وفنون پر کافی اہم کتابیں تصنیف کیں۔

شعراء اور مورخین خود ابراہیم عادل شاہ کے علم وفضل کے بڑے مداح ہیں کمسنی ہی سے اس کو تاریخ سے بے حد دلچسپی تھی۔ فارسی زبان پر قدرت کم عمری میں حاصل ہوگئی اور اپنے وزیر شاہ نواز خان شیرازی کی توجہ سے وہ اس زبان میں ایسی بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتا کہ سننے والے کو ہرگز یقین نہ ہوتا کہ ہندوستانی آدمی گفتگو کر رہا ہے۔ موسیقی سے بہت رغبت رکھتا تھا۔ دکنی زبان سے اس کو جس قدر دلچسپی تھی اس کا زندہ ثبوت خود اس کی ذاتی تصنیف ''کتاب نورس'' ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ صرف دکنی ہی نہیں بلکہ سنسکرت، برج بھاشا اور سب سے بڑھ کر ہندو دیو مالا پر اس کو پوری طرح عبور حاصل تھا۔ کتاب نورس علم موسیقی سے متعلق ایک مختصر کتاب دکنی نظم میں ہے۔ اس میں کچھ راگ راگنیوں کی تصریح صرف اس قدر ہے کہ ایک راگ یا راگنی کو عنوان قرار دیکر اس کے ماتحت بادشاہ کے نظم کئے ہوئے گیت درج کردیے گئے ہیں۔ ہر گیت موضوع کے اعتبار سے مختلف ہے۔ یہ کتاب نو نسخوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔

اس کتاب کے شروع میں نذیر احمد صاحب نے ایک تعارف لکھا ہے جس میں اس کتاب کے تمام نسخوں کے حاصل کرنے میں کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، تفصیل سے لکھا ہے اور اس کی اشاعت کا بھی ذکر کیا ہے اس کے بعد ایک طویل مقدمہ تحریر فرمایا ہے جو کافی پر از معلومات ہے۔ مقدمہ میں سلطنت بیجاپور کی ثقافتی اور سیاسی تاریخ بیان کرتے ہوئے ان واقعات پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے جو کہ سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مساعی کے نتیجہ میں اہم ثقافتی تبدیلیوں کا موجب بنے تھے۔ سلطنت بیجاپور میں علم وادب اور فنون لطیفہ کے فروغ کے علاوہ نئے نئے شہر اور قصبات تعمیر ہوئے جن سے عام خوشحالی بڑی علاوہ ازیں ''نورس'' کے مقدمے میں مختلف فنون کے ماہرین کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ یہ ماہرین ہندوستان کے مختلف حصوں کے علاوہ دوسرے ممالک سے

بھی سلطان کی شہرت سے متاثر ہو کر بیجاپور آئے تھے۔

(۲۷) کتاب نورس، (اُردو) کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور، فروری ۱۹۹۸ء

''کتاب نورس'' بیجاپور کے بادشاہ جگت گرو ابراہیم عادل شاہ ثانی کی شعری تصنیف اور قدیم دکنی اردو کی اہم دستاویز ہے۔ پدم شری پروفیسر نذیر احمد نے اس کتاب کا پہلا ایڈیشن مختلف لائبریریوں میں محفوظ مخطوطات کا نہایت عرق ریزی سے مطالعہ کر کے ۱۹۵۵ء میں شائع کروایا تھا، اسی کتاب کا، انگریزی ایڈیشن مع مقدمہ وترجمہ بھی پروفیسر موصوف نے ۱۹۵۶ء میں شائع کروایا ہے۔

مذکور کتاب کرناٹک اردو اکادمی بنگلور کی جانب سے کتاب نورس کا دوسرا ایڈیشن اردو میں شائع کیا گیا ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن میں ایک اہم اور خصوصی فرق یہ ہے کہ کتاب کے متن اور اسکے ترجمہ کو جو پہلے ایڈیشن میں الگ الگ شائع کیا گیا تھا۔ اس کو پروفیسر عبدالغفار شکیل (چیرمین کرناٹک اردو اکیڈمی) نے قارئین کی آسانی کے لئے ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے۔ متن اور ترجمہ ساتھ ساتھ ہونے کی وجہ سے اس کتاب کے اشعار کے معنی ومطالب کو سمجھنے میں آسانی ہوگئی ہے۔

''کتاب نورس'' قدیم دکنی اردو کا مستند نمونہ ہونے کی وجہ سے ادبی اہمیت کے ساتھ لسانی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب لسانی اعتبار سے اردو زبان کی ارتقائی تاریخ کی ایک اہم کڑی ہے۔ قدیم اردو آج کی دکنی اردو جیسی نہیں تھی، اس میں سنسکرت اور پراکرت الفاظ کی گہری چھاپ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم کتاب نورس کو پڑھتے ہوئے اس کے معنی ومطالب کو سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، جب تک کہ اس کا ترجمہ ہمارے سامنے نہ ہو، اسی بات کو محسوس کرتے ہوئے پروفیسر نذیر احمد صاحب نے قارئین کے لئے متن کے ساتھ ترجمہ اور فرہنگ الفاظ بھی دیئے ہیں۔

زیر نظر کتاب میں نذیر احمد صاحب کا مقدمہ، کتاب نورس معہ ترجمہ، تلمیحات اور فرہنگ بھی شامل کی گئی ہے۔

(۲۸) مومن خاں مومن حیات وشاعری (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کے زیر اہتمام ۱۹۸۵ء میں اردو کے ممتاز شاعر مومنؔ پر ایک بین الاقوامی سمینار ہوا تھا، جس میں مومنؔ کی زندگی، شخصیت اور شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ اس سمینار میں ۱۴ مقالے پیش کئے گئے جن کو مزاکرہ سے مجلّۂ غالب نامہ میں شامل کیا گیا۔ نذیر احمد صاحب نے ان تمام مقالوں اور آخر میں دیوان مومن سے نیاز فتحپوری کی انتخاب کی ہوئی غزلیں شامل کیں اور مرتب کر کے کتابی شکل دی ہے۔ مومن خاں مومنؔ کی حیات وشخصیت پر یہ کتاب وقیع مواد کی حامل ہے۔

(۲۹) سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ، حیات اور کارنامے (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، مارچ ۱۹۹۳ء

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ایون غالب، نئی دہلی میں ۲۵/اپریل ۱۹۹۲ء بروز ہفتہ، اردو کے عظیم ادیب اور محقق پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی ادیبؔ مرحوم سے متعلق ایک روزہ سمینار منعقد ہوا جس میں ملک کے مشہور مقالہ نگار حضرات نے شرکت کی، جن میں پروفیسر مختار الدین احمد، پروفیسر نیر مسعود، پروفیسر سیّد امیر حسن عابدی، پروفیسر محمد حسن، ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، پاکستان سے آئے ہوئے مہمان ڈاکٹر عبادت بریلوی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، جناب کاظم علی خاں، پروفیسر شمیم حنفی، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، ڈاکٹر آصفیہ زمانی، پروفیسر عبدالودود اظہر، ڈاکٹر شریف حسین قاسمی وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اس تقریب کے افتتاح کے موقع پر غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر نذیر احمد نے ایک عالمانہ تقریر فرمائی جو اس کتاب میں شامل ہے۔ یہ کتاب دراصل اس تقریب میں شامل حضرات کے مقالات کا مجموعہ ہے جن کو نذیر احمد صاحب نے مرتب کر کے شائع کرایا۔ پیش لفظ میں نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

''پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی پر جو کتاب شائع ہو رہی ہے اس پر کچھ تعارفی کلمات لکھتے ہوئے مجھے بڑی طمانیت کا احساس ہو رہا ہے۔ وہ میرے نہایت شفیق استاد تھے اور میں بھلا برا جو کچھ ہوں وہ ان

کی تربیت کی وجہ سے ہوں۔ یہ سطریں ان کی شفقت ومحبت کا اعتراف ہیں۔ پروفیسر رضوی کی قد آور شخصیت اور علمی فضائیل کا تقاضا تھا کہ ان پر ایک ضخیم کتاب تیار کرائی جاتی۔ یہ تو نہ ہوسکا جس کا افسوس ہے، بہر حال اس مختصر سی کتاب کو ان کے علم وفضل کے سمجھنے اور پرکھنے کی طرف ایک قدم سمجھنا چاہئے۔''[۱]

(۳۰) مولانا امتیاز علی خاں عرشی، ادبی وتحقیقی کارنامے (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۹۱ء

اس کتاب کو نذیر احمد صاحب نے مرتب کر کے غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی سے شائع کرایا، اس میں خود عرشی صاحب کا ایک مضمون ''تاریخ محمدی اور اس کے مؤلف کے احوال وآثار'' کے علاوہ خود ان پر نیز دوسرے موضوعات پر لکھے گئے مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ اس کتاب میں نذیر احمد صاحب نے اپنا ایک مضمون بعنوان ''ظہور الاسرار اور مطہر کڑہ ایک گزارش'' شامل کیا ہے۔ آپ کے قول کے مطابق مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم بعض اعتبار سے ہندوستان کے اکثر محققین سے ممتاز ہیں۔ ہندوستان میں ان کی تمام تر شہرت اردو محقق اور ماہر غالبیات کی حیثیت سے ہے۔ لیکن یہ محض تصویر کا ایک رُخ ہے، وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے زبردست عالم اور عظیم محقق ودانشمند تھے اور اس تحقیق کے اعتبار سے دو ایک محققین شاید ان کے ہم پلہ ہوں۔ عربی وفارسی میں انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں اور جن کی وجہ سے دنیائے اسلام میں ان کو کافی شہرت ملی۔ ان سے ہندوستان کے اکثر وبیش تر لوگ واقف نہیں۔ اور اس عدم واقفیت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اِن دونوں زبانوں کے تعلق سے جو کارنامے انجام پاتے ہیں ان تک اکثر لوگوں کی رسائی نہیں۔ عبرت کا مقام ہے کہ ہم اپنے ان بزرگوں کے کارناموں کے سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھیں جن کی تحریریں دنیائے عرب وفارس میں وقعت واعتبار کی نظر سے دیکھی جاتی ہوں۔

(۳۱) حافظ محمود شیرانی تحقیقی مطالعے (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام شیرانی سمینار میں پیش کئے گئے مقالات کو نذیر صاحب نے مرتب

---

[۱] سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ (حیات اور کارنامے)، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص پیش لفظ

کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ ان مقالات میں کافی تنوع ہے اور مجموعی طور پر شیرانی صاحب کے علم وفضل اور ان کی غیر معمولی محققانہ صلاحیت، اندازِ تحقیق اور فارسی زبان وادب پر بے پناہ قدرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں نذیر احمد صاحب نے اپنے دو مضامین شامل کیے ہیں، ایک ''پروفیسر حافظ محمود شیرانی، ایک مشفق استاد عالمِ بے بدل اور عالی نفس انسان'' کے عنوان سے اور دوسرا ''شیرانی کی تحقیقات پر ایک نظر'' ان دو مضامین کے علاوہ آپ نے پیش لفظ تحریر فرمایا ہے جس میں لکھتے ہیں:

''راقم الحروف کے دو مقالے اس کتاب میں شامل ہیں، ایک لاہور کے شیرانی سمینار کے دو تین جلسوں میں پڑھا گیا تھا جو رسالہ اردو جلد ۵۴، شمارہ ۴ میں شائع ہوا، دوسرا شیرانی کے حالیہ سمینار میں پیش ہوا تھا، ان دونوں مقالوں میں بعض اُن مآخذ کی نشاندہی کی گئی ہے، جو شیرانی کے علم میں نہ تھے، ان سے مرحوم کے بعض بیانات کی توثیق اور بعض کی تردید ہوگئی ہے، لیکن ان کی بنا پر شیرانی کی تحقیقات پر کوئی حرف نہیں آتا۔''[۱]

(۳۲) قاضی عبدالودود، تحقیقی وتنقیدی جائزے (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

''قاضی عبدالودود اردو دنیا کے عظیم محقق، بزرگ نقاد، زبردست تاریخ دان اور ماہرِ زبان تھے۔ قاضی صاحب ۸ رمئی ۱۸۹۶ء کو پٹنہ کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کی تعلیم پٹنہ اور علی گڑھ میں ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج تشریف لے گئے وہاں سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی، لیکن قاضی صاحب کا میلانِ طبع ادبیات کی طرف زیادہ تھا۔ انگلستان کے قیام کے دوران قاضی صاحب نے لاطینی، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں دستگاہ بہم پہنچائی۔ ہندوستان واپس آئے تو اردو اور فارسی میں تحقیق کی طرف متوجہ ہوئے اور چند ہی دنوں میں انہوں نے نہ صرف اردو کی تحقیق کے مزاج سے آشنا کیا بلکہ تحقیق کو ان کی بدولت نئی سمت ملی، رفتہ رفتہ ان کی

---

[۱] حافظ محمود شیرانی، تحقیقی مطالعے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص پیش لفظ

شاندار تحقیقی روایت نے ملک گیر شہرت ومقبولیت حاصل کی۔ قاضی صاحب کا میدان تصحیح وانتقادِ متن، نقدِ فرہنگ اور تاریخِ ادب ہے، اور اس سلسلے میں اردو اور فارسی متنوں کا انہوں نے جس دِقت نظری سے مطالعہ کیا ہے، اس زمانے میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام فروری ۱۹۸۶ء میں ملک کے شہرہ آفاق قاضی عبدالودود کی فکر وفن پر یک روزہ سمینار منعقد ہوا جس میں ملک کے مشہور نقاد، محقق شریک ہوئے۔ سمینار میں شریک ہونے والے سارے لوگ قاضی صاحب سے ذاتی تعلقات رکھتے تھے، کچھ ان کے دوست اور کچھ نیاز مند، سب نے مقالات پیش کئے، سمینار میں پیش کئے گئے مقالے بعد میں انسٹی ٹیوٹ کے مجلّہ غالب نامہ جلد ۸ شمارہ (قاضی عبدالودود نمبر) میں شائع ہوئے۔

پروفیسر نذیر احمد نے اس سمینار میں پیش کئے گئے مقالات کو مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کیا تاکہ اس کا استفادہ کرنے والوں کا حلقہ وسیع ہو۔ یہ کتاب صرف قاضی صاحب کی شخصیت اور فن کی آئینہ دار نہیں، بلکہ تحقیق کی راہ میں ایک مشعل ہے۔ اس کتاب میں نذیر احمد صاحب نے اپنا مقالہ بعنوان ''متون کی تصحیح وتنقید میں تحریج وتعلیقات کی اہمیت'' شامل کیا ہے جو تحقیق متن کے سلسلے میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔

(۳۳) یادگار نامہ قاضی عبدالودود (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

''یادگار نامہ قاضی عبدالودود'' اس کتاب کو پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین اور پروفیسر شریف حسین قاسمی نے مرتب کر کے غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی سے شائع کرایا ہے۔ قاضی عبدالودود غالب انسٹی ٹیوٹ کے بانیوں میں سے تھے۔ ابتدا سے ہی انسٹی ٹیوٹ کے ٹرسٹی بھی رہ چکے تھے اس لئے انہیں انسٹی ٹیوٹ کے سارے علمی کاموں سے بے پناہ دل چسپی تھی۔ انسٹی ٹیوٹ کا ہر کام ان کی زیر نگرانی میں انجام پذیر ہوتا۔ انسٹی ٹیوٹ سے ان کے غیر معمولی لگاؤ کی وجہ سے ادارے کے اراکین کی خواہش تھی کہ ان کے لئے کوئی یادگار نامہ شائع کیا جائے جس سے موصوف کی یاد علمی دنیا میں ایک مدت تک تازہ رہے اس لئے یہ یادگاری مجلّہ تیار کیا گیا جس کی ترتیب

میں انسٹی ٹیوٹ کے نائب صدر پروفیسر نذیر احمد کی غیر معمولی کوشش کا دخل ہے۔ اس یادگاری مجلّہ میں نذیر احمد صاحب کا ایک مقالہ بعنوان ''ایک قدیم ضرب المثل'' اور پیش لفظ شامل ہے۔ پیش لفظ میں نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

''ایسے عظیم دانش ور کی علمی و تحقیقی خدمات کے اعتراف میں ایک یادگار نامہ پیش کرنے کا خیال ہوا تو غالب انسٹی ٹیوٹ کی مجلسِ عامل نے اس خیال کو پسند کیا اور اس کے صرفے کے لئے ایک بڑی رقم مخصوص کر دی، پھر مقالہ نویسوں سے ارتباط شروع ہوا، لیکن مقالات کے حصول میں تاخیر ہوتی گئی، دوسرے ملکوں کے مقالے اور دیر میں ملے، اس وجہ سے یہ کام عرصے تک التوا میں پڑا رہا۔

بہر حال اب یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہم کو بڑی خوشی ہے کہ ایسے عظیم دانش ور و محقق کی یادگار کے بطور یہ کتاب شائع ہوگئی ہے۔ گویا ایک بڑا فرض تھا جس کی ادائیگی سے سبک دوشی ہوئی۔''[۱]

(۳۴) یادگار نامۂ فخر الدین علی احمد (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

یہ کتاب غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کی طرف سے مرحوم فخر الدین علی احمد کی خدمات کے اعتراف میں ایک یادگار نامہ کے طور پر شائع کی گئی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کی عرض پر مصنفین حضرات نے فخر الدین علی احمد پر مضامین لکھے جن کو پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین اور پروفیسر شریف حسین قاسمی نے مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ پیش لفظ میں پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں:

''مرحوم فخر الدین علی احمد ہندوستان کے نہایت محبوب سیاسی رہنما اور صدر جمہوریۂ ہند رہ چکے ہیں، ان کی ذاتِ اعلیٰ صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ سیاسی بصیرت کے ساتھ ساتھ وہ سنجیدہ وادبی مزاج رکھتے تھے، وہ مرزا غالب کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور انہیں مرزا غالب سے بڑی عقیدت تھی، چنانچہ ان کی اور ان کے چند رفقا کی کاوشوں اور کوششوں سے غالب انسٹی ٹیوٹ جیسا خود کفیل علمی ادارہ وجود میں آیا، جس کی پہلی صدر محترمہ مسز اندرا گاندھی اور پہلے سکریٹری محترم

---

[۱] یادگار نامہ، قاضی عبدالودود، مرتبین، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین، پروفیسر شریف حسین قاسمی ص ۱۰

فخر الدین علی احمد صاحب تھے۔''[۱]

اس کتاب میں نذیر احمد صاحب نے اپنے دو مضامین شامل کئے ہیں، پہلا مضمون ''جہانکشای جوینی اور دوسرے رسائیل کا ایک نادر مجموعہ'' کے عنوان سے اور دوسرا ''شیخ ابواسحاق کارزونی، چوتھی پانچویں صدی ہجری کے ایک مقبول عارف'' کے عنوان سے ہے۔ دونوں مضامین کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں پہلے مضمون میں ایک نادر مجموعے کا ذکر کیا گیا ہے جس میں جہانکشای جوینی کی تین جلدوں کے علاوہ تین رسالوں یعنی ''رسالہ مختصری از نصیرالدین طوسی درشرح بغداد معروف بہ ذیل جہانکشا، رسالۂ تسلیقہ الاخوان از تالیفات عطا ملک جوینی مصنف جہانکشا'' اور ''اختصار راحۃ الصدور راوندی'' سے تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ دوسرا مضمون زندہ جاوید عارف شیخ ابواسحاق کارزونی (۳۵۲۔۳۲۶ھ) پر ہے، جن کا مزار جنوب ایران میں کارزون قصبے میں آج بھی زائرین اور متقدمین کا مرجع بنا ہوا ہے۔ انہیں کے بارے میں اس مقالے میں ایک گزارش پیش کی گئی ہے۔

(۳۵) الطاف حسین حالی، تحقیقی وتنقیدی جائزے (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

ویسے تو غالب انسٹی ٹیوٹ غالبؔ پر بین الاقوامی سمینار بیسوں سال سے منعقد کر رہا ہے لیکن چند سالوں سے اردو کے دوسرے شعرا پر یہ سمینار منعقد ہو رہا ہے۔ حسب معمول ۲۰۰۱ء میں حالیؔ پر سمینار منعقد کیا گیا۔ اس سمینار میں بہت سارے مصنّفین نے مقالے پیش کئے جن کو نذیر احمد صاحب نے مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کرایا۔ یہ کتاب حالیؔ کی زندگی اور علمی وادبی خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے اہم مآخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حالیؔ، غالبؔ کے شاگرد تھے اور شاید سب سے ذی علم شاگرد رہے ہیں۔ حالی بڑے پائے کے نقاد، شاعر، ادیب، انشا پرداز اور مورخ تھے اور ان سارے امور میں ان کے زمانے میں ان کا کوئی ہم پلہ نہ رہا ہوگا۔ وہ اردو میں نقد نویسی کے بانی تھے اور بعض

---

[۱] یادگارنامہ فخر الدین علی احمد، مرتبین، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین، پروفیسر شریف حسین قاسمی ص ۹

اعتبار سے اب تک ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ تنقید پر ان کی مشہور تصنیف مقدمہ، شعر وشاعری ہے۔ یہ کتاب ایک نہایت ہی مہذب، متمدن اور شایستہ ذہن کا عکس ہے، حالی جیسا سلجھا ہوا ذہن نہیں ملے گا، اس کا کلاسیکی رچاؤ اپنی نظیر نہیں رکھتا، ان کی شخصیت کا بہترین اظہار ان کی تنقید کی زبان اور اسلوب میں ہوا ہے، جس کی تعریف میں سارے نقاد رطب اللسان ہیں، وہ صرف نقاد ہی نہیں بنیادی طور پر وہ بڑے دانشور تھے۔

نذیر احمد صاحب نے اس کتاب میں پیش لفظ تحریر فرمایا ہے جس میں لکھتے ہیں۔

''حالؔی ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے، وہ زندگی کے ہر شعبے پر چھائے ہوئے تھے، زندگی کے تمام شعبوں میں سرگرم رہے لیکن ان کے یہاں کہیں ہنگامہ آرائی کا نام ونشان نہیں، وہ حوصلہ شکن اور تاریک دور میں اپنی تہذیب کے بکھرے ہوئے اجزا کو سمیٹتے رہے، ان امور کی بنا پر ان کی شخصیت میں ایسا حسن اور رچاؤ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ آج بھی نہایت دل نواز ہے۔''[1]

(۳۶) سیّد احتشام حسین: کچھ یادیں کچھ جائزے (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی ۱۹۹۷ء

سید احتشام حسین بڑے صاحب بصیرت دانشور تھے۔ ادب کے مختلف شعبوں میں انہوں نے اپنی دانشوری کی شاندار روایت قائم کی، ان کا اصل میدان تنقید نگاری تھا، ان کی تحریروں سے اُردو تنقید نگاری کو نیا رخ ملا، ان کے انداز تحریر میں بڑی دلکشی اور شگفتگی تھی۔ غالب انسٹی ٹیوٹ اپنے بزرگوں کی یاد میں ایک روزہ سمینار منعقد کر کے ان کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتا رہا۔ حسب معمول انسٹی ٹیوٹ نے پروفیسر احتشام حسین پر ایک روزہ سمینار تشکیل دیا، تاکہ ہمارے اس عظیم دانشور کی یاد دلوں میں تازہ ہو جائے۔ سمینار میں مصنّفین حضرات نے مقالات پیش کیے۔ سمینار میں پیش کئے گئے مقالات کو نذیر احمد صاحب نے مرتب کر کے کتابی شکل دی ہے۔ اس کتاب کے اداریہ میں نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] الطاف حسین حالی، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص پیش لفظ

''پروفیسر سید احتشام کو میں نے قریب سے جانا پہچانا ہے، ان کے تقرّر کے وقت میں ایم، اے فارسی کا طالب علم تھا۔ اس طرح دو سال میرا تعلق اسی شعبے سے تھا، جس میں احتشام صاحب لکچرر تھے، اگر چہ میں کلاس میں ان کے لکچروں سے مستفید نہیں ہوا، لیکن ان کی ہمہ گیر شخصیت سے مستفید ہونے کے بڑے مواقع برابر ملتے رہے۔

۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۹ء تک فارسی، اردو شعبے سے میرا تعلق ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے تھا۔ اس وقت شعبے میں دو یا تین ریسرچ اسکالرس سے زیادہ نہ تھے، اور آپ حضرات کو یہ سن کر شاید تعجب ہو کہ میں پہلا شخص تھا جس کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہو۔ میری اطلاع کے مطابق ہندوستان میں فارسی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری پانے والوں میں میرا نمبر دوسرا ہے، مجھ سے پہلے پروفیسر اقبال حسین مرحوم کو پٹنہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی۔ پہلے تو لوگ انگلستان جاتے اور وہاں کی یونیورسٹیوں سے ڈاکٹریٹ لیا کرتے۔ میرا موضوع ''ظہوری'' تھا اور لوگ مجھے اس موضوع سے پہچانتے تھے۔ ۱۹۵۷ء میں علی گڑھ آیا، یہاں کے ایک جلسہ میں حاضر تھا جہاں پروفیسر عبدالعلیم صاحب نے مجھے ''ظہوری'' کے نام سے متعارف کیا۔

تحقیق کے دوران احتشام صاحب میری بڑی ہمت افزائی فرمایا کرتے۔ وہ دور بڑی کش مکش کا دور تھا۔ ملازمتیں عنقا ہو رہی تھیں، کام کرنے کا حوصلہ ٹوٹتا رہتا تھا۔ ایسے حوصلہ شکن ماحول میں احتشام صاحب کی شفقت اور حوصلہ افزائی بڑے کام آئی۔ موصوف کی ذات طالب علموں کے لیے بڑا سہارا تھی۔

۱۹۵۰ء میں میرا تقرّر لکھنؤ یونیورسٹی میں لکچرر کی حیثیت سے ہو گیا، اور جیسا عرض کر چکا ہوں، میرا تقرر پروفیسر سید مسعود حسن رضوی کی خصوصی توجہ و کرم فرمائی کا رہین منّت ہے، میں ۱۹۵۷ء تک شعبے سے وابستہ رہا۔ شعبے کا خوشگوار علمی ماحول نہایت پرکشش تھا۔ ہمیں گھر سے زیادہ شعبہ پسند تھا۔ شعبے کا یہ ماحول سرور صاحب، احتشام صاحب، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی اور ڈاکٹر محمد حسن کے وجود کا مرہون تھا، ورنہ ان سے پہلے شعبے میں صدرِ شعبہ کے نئے اور خوشگوار ماحول نے

استادوں کی شخصیتوں کو ایسی جلا بخشی کہ تھوڑی ہی مدّت بعد سارے لوگ وہیں یا دوسری یونیورسٹیوں میں پروفیسری اور صدارتِ شعبہ کے معزز عہدوں پر فائز ہوئے۔

شعبے میں اکثر علمی وادبی گفتگو ہوا کرتی، جس استاد کی کلاس ہوتی وہ کلاس جاتا، درس سے فارغ ہوکر پھر اسی گفتگو میں شامل ہوجاتا، دوسرے شعبوں کے اساتذہ بھی اکثر اس شعبے میں آتے اور علمی گفتگو میں شریک ہوتے۔

مسعود صاحب ایک بجے کے قریب گھر واپس جاتے، بقیہ اساتذہ تھوڑی دیر کے لیے بارہ دری کی Canteen سے ملحق کمرے میں جا بیٹھتے، اور چائے کے ہلکے پُھلکے دور کے ساتھ لوڈو کا کھیل شروع ہوجاتا، احتشام صاحب کو یہ کھیل بہت پسند تھا۔ جس سے وقتی طور پر تفریح ہوجاتی۔ وہ بڑی خاموشی سے چال چلتے اور مخالف کو مات دینے میں اکثر کامیاب ہوتے۔ لوڈو میں ان کے چال چلنے کے انداز کا نقش اب تک میرے ذہن میں تازہ ہے۔ ایک بار پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب کسی کام سے شعبے میں تشریف لائے۔ حسبِ معمول ہم سب لوگ ان کے ہمراہ لال بارہ دری کی طرف خراماں خراماں چلے۔ وہاں دوسرے شعبوں کے لوگ پہلے سے موجود اور لوڈو کھیلنے میں مشغول تھے۔ ہم پانچ چھ لوگ بارہ دری میں ایک بار داخل ہوئے تو دوسرے لوگ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمارے درمیان ایک اجنبی شخص کو کچھ تجسّس کی نظر سے دیکھا، احتشام صاحب نے جب رشید احمد صاحب کا تعارف کرایا تو سب لوگوں کو تعجب ہوا کہ سب لوگ ان کے نام سے واقف تھے۔ اور ان کے ذہنوں میں ایک ہنس مکھ، پُرشکوہ شخصیت کا تصوّر تھا، پروفیسر رشید احمد صدیقی کو دیکھ کر ان کو تعجب سا ہوا اور افسوس اس بات کا ہوا کہ ان کا ذہنی خاکہ ٹوٹ گیا تھا۔''[۱]

(۳۷) انتخاب مقالات غالب نامہ ''تنقیدات'' (اُردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء

''غالب نامہ، غالب انسٹی ٹیوٹ کا علمی وتحقیقی ششماہی مجلّہ ہے، جو جنوری اور جولائی کے دو مہینوں میں پابندی سے شائع ہوتا ہے، غالب نامہ ۱۹۷۶ء میں نکلنا شروع ہوا اور پہلے سال میں دو

---

[۱] سید احتشام حسین، کچھ یادیں کچھ جائزے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد ص ۹-۱۱

شمارے نکلے، ایک سال بعد بعض وجوہ سے یہ مجلّہ بند ہوگیا، کچھ دنوں بعد اس کے دوبارہ نکالنے کا فیصلہ ہوا، چنانچہ جنوری ۱۹۸۱ء میں مجلّہ دوبارہ شائع ہونا شروع ہوا اور اس وقت سے آج تک اس مجلّے کے دونوں شمارے وقت پر ہر سال جنوری اور جولائی میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔'' [۱]

زیرِنظر مجموعہ غالب نامے میں شائع شدہ تنقیدی مقالات کا انتخاب کر کے کتابی شکل میں تیار کیا گیا ہے۔ اس مجموعۂ کو پروفیسر نذیر احمد نے مرتب کر کے شائع کرایا تاکہ مستقل طور پر استفادے کا موقع حاصل رہے۔ اس انتخاب میں دو تین چیزوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۱) عموماً غالبؔ سے متعلق مضامین اس میں شامل کئے گئے ہیں۔ چند مقالے غالبؔ کے معاصرین سے متعلق بھی شامل کر لیے گئے ہیں اور ایک دو مقالا اردو زبان وادب کے تعلق سے بھی شامل کیا گیا ہے۔

(۲) نذیر صاحب نے اپنے غالب پر لکھے گئے وہ مقالے جو پہلے مجموعۂ مقالات میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس مجموعۂ میں شامل نہیں کئے۔

(۳) اس مجموعۂ میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دانشوروں کی نمایندگی ہو جائے۔

اس طرح یہ مجموعۂ مقالات زیرِطبع ہو کر منظرِ عام پر آیا جو غالبؔ کے متعلق معلومات کے لئے کافی سودمند ہے، اس مجموعہ میں نذیر احمد صاحب کا ایک مضمون ''غالبؔ فرہنگ نگار کی حیثیت سے'' کے عنوان سے شامل ہے۔ اس مضمون میں غالب کی کتاب ''قاطع برہان'' جو محمد حسین تبریزی کی فرہنگ ''برہان قاطع'' کی رد میں لکھی گئی ہے، سے مکمل بحث کی گئی ہے۔ اس مضمون کے آخر میں نذیر احمد صاحب یوں طرزِ تحریر ہیں۔

''خلاصہ کلام یہ کہ غالبؔ کی جولانی طبع کام نہ آئی۔ ان کے سارے اعتراض غلط ثابت ہوئے۔ چونکہ فارسی ادب کا انہوں نے دقیق مطالعہ نہیں کیا تھا اس لئے وہ برہان کی گرفت میں

---

[۱] انتخابِ مقالات غالب نامہ ''تنقیدات''، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد ص پیش لفظ

اکثر خود غلطیوں کے شکار ہو گئے۔''[۱]

اس طرح اس مجموعہ میں ۳۳ مقالے شامل ہیں جو کافی اہمیت کا مواد ہیں۔ نذیر احمد صاحب نے اس مجموعۂ میں عرض مولف تحریر فرمایا ہے جس میں مجموعہ کی اشعات کا ذکر کیا ہے۔

(۳۸) انتخاب مقالات غالب نامہ ''تحقیقات'' (اُردو) غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء)

غالب نامہ غالب انسٹی ٹیوٹ کا علمی و تحقیقی ششماہی مجلّہ ہے، جو جنوری اور جولائی کے دو مہینوں میں پابندی سے نکلتا ہے، چنانچہ انسٹی ٹیوٹ کی پہلی پبلی کیشن کمیٹی کی سفارش پر مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ غالب نامۂ میں شائع شدہ مقالات کا انتخاب کتابی شکل میں تیار کیا جائے جن سے مستقل طور پر استفادہ کرنے کا موقع حاصل رہے، لہٰذا مجلسِ عاملہ کے انتخاب سے دو مجموعے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا، ایک مجموعہ تنقیدی مضامین پر مشتمل ہے اور ''تنقیدات'' کے نام سے شائع ہوا اور یہ مجموعۂ مقالات جس میں تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ اور ''تحقیقات'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے اس میں بھی ان تمام چیزوں کا لحاظ رکھا گیا ہے جو ''تنقیدات'' میں رکھا گیا تھا، اس مجموعۂ مقالات میں کل ۲۵ مقالے شامل کئے گئے ہیں۔ جن کو مرتب کر کے نذیر صاحب نے غالب انسٹی ٹیوٹ کی بابت سے شائع کیا ہے اس میں شامل مقالات غالب کے متعلق معلومات کے لیے کافی سودمند ہیں نذیر صاحب نے اس میں اپنا کوئی مضمون شامل تو نہیں کیا بہر حال ''عرضِ مرتب'' تحریر فرمائی ہے۔

(۳۹) انیسویں صدی کی علمی، ادبی اور تہذیبی روایت، (اُردو) مرتب غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء

۲۷ر دسمبر ۲۰۰۳ء کو غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے بین الاقوامی سمینار منعقد کیا گیا جس کا موضوع 'انیسویں صدی کی علمی، ادبی اور تہذیبی روایت، تھا۔ یہ تین روزہ سمینار انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ہر سال منعقد کیا جاتا ہے جس میں پوری دنیا کے مشاہیر شرکت کرتے ہیں اس سمینار میں بھی ملک اور بیرون ملک سے آئے مصنفین نے اپنے مقالے پیش کئے۔ پروفیسر نذیر احمد نے سمینار

---

[۱] انتخاب مقالات غالب نامہ ''تنقیدات''، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص ۲۵۲

میں پڑھے گئے مقالات کو مرتب کر کے کتابی شکل میں پیش کیا ہے۔

اس شمارے میں عہد غالب یا بہ الفاظ دیگر انیسویں صدی کے ہندوستان میں ادبی ماحول، اصلاح، علمی، ادبی، مذہبی اور تہذیبی محرکات سے متعلق مقالات اہمیت کے حامل ہیں۔ اردو زبان کے مسائل، صحافت اور اردو ہندی تنازع بھی چند مضامین میں بحث کا موضوع ہیں۔ اس کے علاوہ خود غالب کے منظوم ومنثور آثار کے چند اہم گوشوں پر بھی چند فضلا نے روشنی ڈالی ہے۔ اس طرح یہ شمارہ اپنے مضامین کے مطالب کی گونا گونی اور تنوع کے لحاظ سے ایک اہم علمی وتحقیقی پیش کش ہے۔

(۴۰) یادگار نامہ یوسف حسین خاں (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۴ء

غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کے اراکین نے یوسف حسین خاں صاحب کی یاد میں ایک یادگار نامہ قایم کرنے کی تجویز بنائی۔ اس تجویز کی بنا پر ملک و بیرون ملک کے مشہور ومعروف مصنّفین نے مضامین لکھ کر انسٹی ٹیوٹ کو ارسال کئے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اور ان کے دو احباب یعنی پروفیسر شریف حسین قاسمی اور شاہد ملّی نے ان مضامین کو مرتب کر کے یادگار نامہ تیار کیا ہے۔ اس یادگار نامہ میں نذیر احمد صاحب نے پیش لفظ کے علاوہ اپنے دو مضامین شامل کئے ہیں، ایک ''فخری اسفہانی'' پر اور دوسرا ''اعتقاد خان'' پر ہے۔ دونوں مضامین کافی اہمیت کے حامل ہیں، پیش لفظ میں نذیر احمد صاحب نے اپنے اور یوسف حسین خاں صاحب کے تعلقات کو جو خالصتاً علمی امور سے متعلق ہوتے تھے بیان کیے ہیں۔ اس طرح یادگار نامہ کے سارے مضامین علمی اور ادبی ہیں اور کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

(۴۱) غالب کی مکتوب نگاری (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ۔ نئی دہلی، ۲۰۰۳ء

اس کتاب میں نذیر احمد صاحب نے ان تمام مضامین کو شامل کر کے کتابی شکل دی ہے، جو مضامین بین الاقوامی غالب سمینار ۲۰۰۲ء میں پیش کئے گئے تھے۔ یہ سمینار غالب کے فارسی اور اردو خطوط سے متعلق تھا، اس لیے شرکاے سمینار نے غالب کے فارسی اور اردو خطوط کے تقریباً تمام ہی اہم پہلوں پر اظہار خیال کیا ہے۔ لہٰذا یہ کتاب ایک سیر حاصل گزارش کی حامل ہے۔ یہ تمام مضامین

بنیادی طور پر علمی، ادبی اور تحقیقی ہیں ان میں گونا گون امور سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے پیش لفظ میں نذیر احمد صاحب نے غالب کے خطوط کی روشنی میں غالب کے شعری زاویوں اور زندگی کے تصورات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اس کے علاوہ غالب کے تصور فن اور الفاظ کے انتخاب پر ان کے خطوط کے حوالے سے گفتگو کی ہے کیونکہ غالب نے اپنے خطوط میں کئی جگہ اپنے اشعار کی معانی ومطالب سے بحث کی ہے۔ اور ان سے مختلف شارحین نے استفادہ بھی کیا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اپنی تحریر میں غالب کے خطوط کو تین زاویوں سے پیش کیا ہے اوّل مکتوب نگار کے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر ان کے مضمرات کو سمجھنے کی کوشش دوم مکتوب الیہ کے نقطۂ نظر سے ان کے اپنے مرتبے اور حیثیت اور خطوط کے مطالب کو پیش نظر رکھ کر ان خطوط کو سمجھنے کی کوشش سوم مکتوب کے نفس مضمون کے مطالعہ اور تجزیئے سے اور مکتوب نگار او

(۴۲) سوداؔ، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، (اُردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء

نومبر ۲۰۰۰ء کو غالب انسٹی ٹیوٹ نے سوداؔ، جو اردو کے مشہور ومعروف شاعر ہیں، پر بین الاقوامی سمینار منعقد کرایا، جس میں ملک اور بیرون ملک سے بہت سارے مصنّفین نے اپنے مقالے پیش کیے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس سمینار میں پیش کیے گئے مقالات کو مرتب کر کے کتابی شکل میں غالب انسٹی ٹیوٹ سے شائع کیا۔ اس کتاب میں شامل بیشتر مضامین تنقیدی ہیں، ان سے بلاشبہ سوداؔ کی شاعری کی عظمت معلوم ہوتی ہے، لیکن ایسے مقالے بہت کم ہیں جو اس زمانے کی سیاسی وسماجی حالات کا پرتو ہوں۔ پروفیسر نذیر احمد کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

''دراصل سوداؔ اپنے زمانے کے حالات سے بہت متاثر تھے، اس کی بنا پر ان کی شاعری میں اس کا عکس ہے۔''[۱]

اس طرح نذیر صاحب نے سوداؔ کو بہترین قصیدہ نگار قرار دیا ہے۔ کتاب میں نذیر صاحب کا خطبہ استقبالیہ بھی شامل ہے، کتاب میں شامل سارے مضامین علمی دنیا کے شایقین اور تحقیق

---

[۱] سوداؔ، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، ص پیش لفظ

کرنے والوں کے لیے کافی سودمند ثابت ہوں گے۔

(۴۳) میر تقی میر، تنقیدی جائزہ، (اُردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء)

یہ کتاب غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے دسمبر ۱۹۹۹ء میں منعقد کیے گئے بین الاقوامی سمینار میں پڑھے گئے مقالات پر منحصر ہے۔ یوں تو غالب انسٹی ٹیوٹ جو ایک خود کفیل ادارہ ہے اور غالب پر سالوں سے بین الاقوامی سمینار منعقد کرتا آرہا ہے مگر اس سال اس سمینار کا موضوع اردو کے مشہور ومعروف شاعر میر تقی میر رہے۔ اس سمینار میں ہندو بیرون ہند سے بہت سارے مشاہیر نے مقالے پیش کئے جن کو نذیر احمد صاحب نے مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ کتاب میں نذیر صاحب کا خطبہ استقبالیہ اور پیش لفظ بھی شامل ہے۔ یہ کتاب اردو ادب اور میرؔ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے کافی سودمند ہے۔

(۴۴) شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، (اُردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء

غالب انسٹی ٹیوٹ نے اردو کے معروف ومعتبر شاعر شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ پر ۲۰۰۳ء میں بین الاقوامی سمینار منعقد کرایا۔ اس سمینار میں ملک کے مشہور مقالہ نگاروں نے شرکت کی اور اپنے مقالے پیش کئے۔ نذیر احمد صاحب نے ان ۲۵ مقالوں کو مرتب کر کے کتابی شکل میں غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں شامل مضامین اپنے موضوعات ومطالب کے لحاظ سے متنوع ہیں اور مصحفیؔ کی زندگی اور ان کے آثار کے تقریباً تمام ہی اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ کتاب مصحفیؔ کی شخصیت اور ان کے آثار پر ایک جامع کوشش ہے۔

(۴۵) تحقیقی مطالعہ: (اردو) سرفراز قومی پریس لکھنؤ، یو۔ پی، ۱۹۵۴ء

اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد نے اپنے چھ مضامین جو قدرے ترمیم واصلاح کے ساتھ کے ساتھ شامل کئے ہیں۔ ان مضامین میں اس لحاظ سے یکسانیت ہے کہ ان میں پہلے پانچ مقالوں کا تعلق بالواسطہ یا بلا واسطہ ابراہیم عادل شاہ سے ہے۔ پہلا ظہوریؔ کے کمالات شعری کا مظہر ہے،

دوسرا ابراہیم عادل شاہ ثانی کی تصنیف ''کتاب نورس'' پر ہے۔ تیسرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب نورس کے مخطوطات کے جمع کرنے میں کس قدر جستجو ہوئی اور ان کے منتشر اوراق کی ترتیب درست کرنے میں کیسی کاوش و دیدہ ریزی کی گئی ہے۔ چوتھے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح گلزار ابراہیم و خوان خلیل کی دریافت نے سہ نثر ظہوریؔ کی تاریخی حیثیت پوری طرح واضح کردی ہے، پانچواں گو ایک کتاب کی تنقید پر مشتمل ہے مگر اس میں تحقیق کے عوامض و دقائق سے بحث کی گئی ہے۔ جن سے عہدہ برآ ہونا ہر محقق کا فرض ہے، چھٹے سے ایک اہم تاریخی شخصیت سامنے آتی ہے۔ اس مجموعہ میں جو مضامین شامل ہیں وہ مندرجہ ذیل عنوانات سے تحریر کئے گئے ہیں اور مختلف رسالوں میں شائع بھی ہوئے ہیں۔

(۱) غالبؔ اور ظہوریؔ مطبوعہ اردو ادب، علی گڑھ، جولائی تا ستمبر ۱۹۵۲ء جلد ۳، شمارہ ۳، ۴

(۲) کتاب نورس مصنفہ ابراہیم عادل شاہ ثانی، اردو ادب، اپریل تا جون، ۱۹۵۲ء جلد ۳، شمارہ ۲

(۳) کتاب نورس کے مخطوطات معارف، جولائی ۱۹۵۳ء، جلد ۷۲، شمارہ ۱

(۴) گلزار ابراہیم و خوان خلیل معارف، مارچ ۱۹۵۲ء، جلد ۶۹، شمارہ ۳

(۵) اردو شہ پارے پر ایک نظر معارف، جون ۱۹۵۲ء، جلد ۶ شمارہ ۵

(۶) معدان الشفائے سکندر شاہی، غیر مطبوعہ

(۴۶) غالب پر چند تحقیقی مطالعے (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء

زیر نظر مجموعۂ مقالات خود نذیر احمد صاحب کے لکھے ہوئے چند مقالوں پر مشتمل ہے، جو مجلّہ ''غالب نامہ'' میں شائع بھی ہوئے ہیں۔ نذیر احمد صاحب نے غالب پر لکھے چند مقالوں کو مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ اس مجموعۂ کے مقالے تحقیقی ہیں اور ہر ایک میں غالبؔ کی زندگی یا شخصیت پر کچھ نہ کچھ نئی بات معلوم ہوتی ہے، اسی بنا پر غالبؔ فہمی میں ان سے اضافے کی توقع ہے۔ ان میں سے آخری مقالے کا تعلق برائے راست غالبؔ سے نہیں، بلکہ وارستہؔ سیالکوٹی کے مصطلحات پر ہے۔ وارستہؔ کی وفات کے قریب ہی غالبؔ کی پیدائش ہوئی تھی۔ اس لیے نذیر احمد

صاحب نے اس کو غالبؔ کا قریبی معاصر قرار دیا ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ میں مندرجہ ذیل مقالوں کو شامل کیا گیا ہے۔

(۱) غالبؔ کے بعض اردو خطوں سے متعلق کچھ علمی و ادبی مسائل

(۲) غالبؔ کے شعر میں ایک دلچسپ تلمیح

(۳) غالبؔ کے ایک شعر کی چار تلمیحات

(۴) دستنبو اور دساتیر

(۵) غالبؔ کے ایک خط کے بعض امور کی توضیح

(۶) سلاجقہ اور غالبؔ دہلوی کے جدِ اعلیٰ سلطان برکیارق سلجوقی

(۷) غالبؔ کے ایک قریبی معاصر

(۴۷) غالبؔ پر چند مقالے (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

یہ کتاب نذیر احمد صاحب کے غالبؔ پر لکھے چند مقالوں کا مجموعہ ہے، جو غالب انسٹی ٹیوٹ کے مجلّے ''غالب نامہ'' میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ زیرِ نظر مجموعۂ مقالات میں اکثر تحقیقی ہیں اور ان سے اس بات کی تصدیق ہو سکے گئی کہ غالبؔ کے کلام میں اتنا تنوع اور وسعت ہے کہ وہ ایک دائرے المعارف کا مواد اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ اس مجموعے کے مقالات سے تحقیق کی بعض نئی جہات سے ہم آشنا ہونگے اس لحاظ سے یہ امید بیجا نہ ہوگی کہ شاید یہ مجموعۂ غالبؔ شناسی میں کچھ اضافے کا موجب ہو۔

اس کتاب میں نذیر احمد صاحب نے مندرجہ ذیل مقالوں کو کتابی شکل دی ہے۔

(۱) غالبؔ کی فارسی نثر نگاری

(۲) غالبؔ کی فارسی قصیدہ نگاری

(۳) غالبؔ کے فارسی قصاید کا مطالعہ لسانی نقطہ نظر سے

(۴) غالبؔ فرہنگ نگار کی حیثیت سے

(۵) غالبؔ نقادِ سخن کی حیثیت سے

(۶) پنج اہنگ میں غالبؔ کے منتخب الفاظ

(۷) لفظ ''بیرنگ'' غالبؔ کے ایک شعر میں

(۸) غالبؔ کے ایک خط کے بعض توضیح امور

(۹) غالبؔ کے ایک ''نایاب'' خط کے بارے میں چند توضیحات

(۱۰) غالبؔ کے ایک اردو خط کے چند لغوی مسائل

(۱۱) غالبؔ کا ایک اہم فارسی خط

(۴۸) مقالاتِ نذیر (اردو) مرتب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

اس مجموعے میں نذیر احمد صاحب نے اپنے بائیس مقالے شامل کئے ہیں۔ مجموعہ میں شامل مقالے ہندوستان فارسی اور عربی کتبوں کی بنیاد پر ہماری تاریخ کے بعض گم نام اشخاص و واقعات کو تاریخی اعتبار بخشتا ہے، اس کے علاوہ کچھ مضامین فرہنگ نویسی اور فارسی الفاظ اور تراکیب پر مشتمل ہیں، جو مختلف موضوعات پر نذیر احمد صاحب کی بے مثال علمی بصیرت کے شاہد ہیں۔ آپ نے اپنے مضامین میں بے شمار خطی نسخوں اور علماء و ادبا کو روشناس کرایا ہے اور ساتھ ہی فارسی زبان و ادب کی تاریخ کے بعض تاریک گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔

مجموعہ میں شامل مقالات غالب انسٹی ٹیوٹ کے مجلّہ ''غالب نامہ'' کے گزشتہ شماروں میں شائع ہو چکے ہیں، اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل مقالوں کو شامل کیا گیا ہے۔

(۱) کھنبات کے چند کتبات

(۲) روان تلفظ اور معنی

(۳) فرہنگ شیر خانی اور اس کا مولف

(۴) فرہنگ قواس مولف فخر الدین مبارک شاہ غزنوی کا ایک جعلی نسخہ بھوپال میں

(۵) اردو اور فارسی کی ایک تاریخی تلمیح۔ ایاز

(۶) بتخانہ محمد صوفی مازندرانی کا ایک نادر نسخہ بھوپال میں

(۷) اجے چند نامہ

(۸) فرہنگ زفان گویا جہان پویا

(۹) متون کی تصحیح وتنقید میں تحریج وتعلقیات کی اہمیت

(۱۰) پنج اہنگ۔ امنگ دوم زمنرمے چہارم میں غالب کے منتخب الفاظ

(۱۱) البیرونی کی کتاب آثار الباقیہ کے ایک جز کی تحلیل وتجزیہ

(۱۲) قادر کا ایک نو دریافت دکنی مرثیہ

(۱۳) فارسی زبان ادب سے متعلق پروفیسر شیرانی کی تحقیقات (ایک جائزہ)

(۱۴) شیرانی کی تحقیقات پر ایک نظر

(۱۵) ظہوریؔ الاسرار اور مطہر کڑہ۔ ایک گزارش

(۱۶) دستنبو اور دساتیر

(۱۷) جمعات شاہیہ: مرتبہ سید محمد جعفر اور ان کا خانوادہ

(۱۸) رسائل اعجاز خسروی کا تیسرا رسالہ

(۱۹) ہندوستان میں کتبہ شناسی اور ہریانہ اسٹیٹ کے کچھ قدیم کتبے

(۲۰) غالبؔ کے ایک خط کے چند علمی مسائل

(۲۱) خاندان پاٹودی کے مورث اعلیٰ

(۲۲) حافظ شیرازی کے استاد۔ قوم الدین عبداللہ شیرازی

(۴۹) تاریخی وادبی مطالعے (اردو)، علی گڑھ، ۱۹۶۱ء

اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد نے اپنے آٹھ مقالات کو مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ یہ مقالے بالترتیب علی گڑھ کے تین رسائل فکر ونظر، مجلّہ علوم اسلامیہ اور علی گڑھ میگزین میں چھپے ہیں۔ ان مضامین میں جن موضوعات سے بحث کی گئی ہے، وہ اہمیت کے حامل ہیں اور تاریخ وادب کے

کسی نہ کسی گوشے کو اجاگر کرتے ہیں لیکن ان سے صرف راستے کی نشاندہی ہوتی ہے اور کام کرنے والوں کے لیے نیا موضوع فراہم ہوتا ہے۔

اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل آٹھ مقالات کو شامل کیا گیا ہے۔

(۱) فرقہ نقطوئی پر ایک طایرانہ نظر، فکر ونظر، جولائی ۱۹۴۰ء

(۲) محمود شاہ تغلق کے ایک فرمان کی بابت آزاد بلگرامی کی شہادت، فکر ونظر، جولائی ۱۹۶۰ء

(۳) فارسی کا مستقبل ہندوستان میں فارسی سوسائٹی، علی گڑھ، اگست ۱۹۵۸ء

(۴) سلاطین گجرات کی ایک نادر تاریخ فکر ونظر، اکتوبر ۱۹۶۰ء

(۵) دیوان حافظ کا ایک قدیم مخطوطہ مجلّہ علوم اسلامیہ، دسمبر ۱۹۶۰ء

(۶) کتاب خانہ حبیب گنج فکر ونظر، جنوری ۱۹۶۱ء

(۷) قدیم ایرانی وزرتشتی عناصر اردو ادب میں فکر ونظر، اپریل ۱۹۶۱ء

(۸) مونس الاحرار (مولفہ احمد بن محمد کلاتی اصفہانی) فکر ونظر، اکتوبر ۱۹۶۱ء

(۵۰) فارسی اور ہندوستان: (اردو) خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۱۹۷۴ء

اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد نے اپنے تین مقالات کو مرتب کر کے شائع کیا ہے، مجموعہ میں شامل مقالے کافی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں پہلا مقالہ ''فارسی کے اثرات ہندوستانی معاشرت اور ہندوستانی زبانوں پر'' کے عنوان سے ہے، جس کو پڑھنے سے اردو زبان وادب پر فارسی کے گہرے نفوذ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جب تک کوئی شخص فارسی زبان وادب سے بخوبی واقف نہیں ہوتا وہ اردو کے مسائل سے کماحقہ، عہدہ برا نہیں ہوسکتا۔ دوسرے مقالے کا عنوان ''فارسی کے اثرات ہندوستان کے تمدنی وتہذیبی امور پر'' اس میں نذیر احمد صاحب نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں فارسی کے نفوذ کی ایک زندہ اور برجستہ مثال کتبات کی شکل میں ہے۔ یہ کتبات پورے ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ مشکل سے کوئی خطہ ایسا ہوگا جہاں ان کے نشان نہ ہوں۔ یہ کتبے مسجدوں، مدرسوں، خانقاہوں، مقبروں، چشموں، باغوں، سرائے خانوں، نجی

مکانوں وغیرہ پر ملتے ہیں۔ فارسی نے ہندوستان پر جو گہرے نقوش چھوڑے وہ کسی اور زبان کے نہیں۔ ہندوستان کے دور وسطی سے آج تک کی تمدنی وتہذیبی زندگی کے سلسلے میں اس زبان سے کما حقہ، واقفیت کے بغیر کوئی معقول اقدام نہیں ہوسکتا اور جو اقدام اس کے بغیر ہوا ہے یا آیندہ ہوگا وہ ناقص اور نا قابلِ اعتبار ہوگا۔ ہندوستان کی زبانوں کی تحقیق کے مسائل سے عہد برا ہونے کی ایک اہم شرط فارسی زبان سے واقفیت ہے۔ اس زبان سے تعلق رکھنے والوں کی جتنی ذمہ داریاں ہیں وہ کسی اور زبان والوں کی نہیں ہیں۔ تیسرا مقالا جو ''قدیم ہندوستانی کتابخانوں کی نادر کتابیں اور موجودہ ہندوستان میں فارسی سے متعلق تحقیقی مواد'' کے عنوان سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں کتابخانوں کی روایت بہت قدیم ہے۔ فارسی کے رواج کے ساتھ ہی ہندوستان میں فارسی کے کتابخانوں کا چلن رہا۔ عموماً مسلمانوں کے دور میں کتاب خانہ حکومت وامارت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ شاہی کتاب خانوں کے ساتھ شخصی کتاب خانوں کو قائم کرنے کا رواج بھی عام تھا لیکن مغلیہ دور حکومت سے قبل کسی کتاب خانے کا نشان باقی نہیں اور نہ کسی بادشاہ، امیر، عالم یا دانشمند کی کوئی تحریر مکشوف ہوئی ہے۔ لیکن اس دور کی متعدد یادگاریں قلمی کتابوں کی شکل میں آج تک باقی ہیں۔ ہندوستان کے ذخائر میں ایسے اہم مخطوطے ہیں جن کے مطالعہ اور جن سے بجا طور پر استفادہ کے بغیر ایرانی ادب کی تاریخ ناقص رہے گی۔ نہ جانے کتنے اہم نادر مخطوطے یہاں کے عام کتاب خانوں اور شخصی ذخیروں میں موجود ہیں جن تک ہماری رسائی نہیں۔ ہندوستان کے کونے کونے میں یہ ذخائر پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ سے روز بروز برباد ہوتے جارہے ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ ہندوستان نے فارسی ادب کی کیا خدمت کی۔ اس ملک نے نہ صرف ہزاروں ادیب وشاعر پیدا کئے بلکہ فارسی کے علمی ذخائر کو محفوظ کرکے فارسی ادب کے دامن کو وسیع کردیا ہیں۔

اس طرح نذیر احمد صاحب نے ان مقالات کے ذریعے ہمیں ہندوستان میں فارسی ادب کے متعلق اطلاع بہم پہنچائی ہے۔ اس مجموعۂ مقالات کا مطالعہ کرنے سے کافی اہم

معلومات حاصل ہوسکتی ہے۔

کتبِ انگریزی

(۵۱) ظہوریؔ ہنر لائف اینڈ ورکس، (انگریزی) الہ آباد، چاپ اوّل ۱۹۵۳ء

یہ کتاب پروفیسر نذیر احمد کے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کی پہلی جلد ہے جس میں ظہوریؔ کی حالات زندگی اور کلام سے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ ظہوریؔ ابراہیم عادل شاہ دوم کا درباری شاعر تھا۔ اس نے ہندوستان میں شاعری کے علاوہ نثر نگاری میں بھی مہارت حاصل کی اور بحیثیت نثر نگار زیادہ مقبول رہا اس کی شاعری کی شہرت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ غالبؔ ظہوریؔ کے کلام کی قدر کرتا تھا اور اپنے کلام میں اس کی تعریف کی ہے۔

زیر نظر کتاب میں نذیر احمد صاحب ظہوریؔ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"Zuhuri, the court poet of Ibrahim Adil Shah II of Bijapur (A.H 988-1037) plays an important role in bringing about a literary revival in India during this period. He was one of those who could righty claim to have the proud privilage of maintaining the required standard of taste in the Indian court, by The dint of his merit and his rich contribution to Persian literature both amongst his contemporaries as well as earlier masters."[1]

نذیر احمد صاحب نے اس کتاب میں ظہوریؔ کی زندگی کے ہر پہلو کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے، خاص طور سے اس کی وطنی نسبت ترشیزی اتنی عام ہے کہ اس بارے میں شبہ کی گنجایش کا تصور نہیں ہوسکتا لیکن شہرت کے باوجود یہ غلط ہے ظہوری قائینی ہے، قائین خراسان کا ایک حصہ ہے۔ غرض اس کتاب میں اس طرح کے مسائل پوری وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں: لکھتے ہیں:

---

1. Zahori his life and works. Edt, Prof Nazir Ahmad 1953 P 4

"Birth place: owing to the biographers contradictory and conflicting views about the birth place of Zuhuri, which are of a much more serious nature than those shown in the case of his name, it is really a difficult task to come to a correct conclusion. According to some writers the poet was born in Qayin while a fairly large nambers of biographers hold that he was born in Turshiz; While yet some of the latter class give the name of the Village He was born in Turshiz. Two historians and one biography emphatically claim his to be a native of turbat. similary two other writers call him Tihrani yet some statements show that he was Tabrizi.

A number of verses in which zuhuri himself has referred to his birth place show that he exclusivly belonged to Khurasan. Fortunately in two lines he uneguivocally claims to have born in one of the villages of qayin. The first line occurs in his saqi namah in which after giving the birth place of the earlies poets, Zuhuri turns to himself and his own birth place thus

به رشتاق قائین فتادش عبور

ظهوری ازو کرد شهرنے ظهور

This last line abviously shows he was born in one of the villages of district or division of Quyin. [1]

(۵۲) کتاب نورس (انگریزی) سنگیت ناٹک اکادمی، نئی دہلی، ۱۹۵۶ء

یہ کتاب مفصل مقدمے اور گیتوں کے انگریزی ترجمے اور حواشی کے ساتھ ۱۹۵۶ء میں بھارتیہ کلا کیندر کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ مذکورہ کتاب مختلف ہمعصر نسخوں کے باہمی مقابلے سے تیار کی گئی ہے۔ اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد نے انگریزی مقدمہ لکھا ہے، جس میں کتاب

1. Zuhuri, His life and works, Edt, Prof Nazir Ahmad 1953 P 8-9

نورس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"We are some what a acquainted with the Kitab-i-nauras which embodies a collection of songs Composed by the sultain and Intended to be sung in one of the melodies of Hindustani music."[1]

مقدمے کے ساتھ حواشی بھی انگریزی میں لکھی ہے۔نورس کے انگریزی ترجمہ سے نذیر احمد صاحب اور ''کتاب نورس'' کی مقبولیت یورپ اور امریکہ میں عام ہوگئی، کیوں کہ وہاں ہندوستانی کلاسیکل موسیقی پر ریسرچ کرنے والے اسکالرس کو اس کے ذریعہ معلومات حاصل ہوئی اور انہوں نے مذکورہ کتاب سے استفادہ کیا اور اپنی ریسرچ مکمل کیں۔

(۵۳) ترجمۂ اعجاز خسروی، (انگریزی) امریکہ، ۲۰۰۷ء

''اعجاز خسروی'' امیر خسرو دہلوی کی یہ تصنیف ۱۳۱۹ء۔۷۱۹ھ میں مکمل ہوئی اس کتاب میں نثر نویسی کے مختلف اسالب اور محاسن سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تصنیف کی گئی اور اس کی پانچ جلدیں ہیں۔''[۲]

بغیر شک وشبہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی عہد میں فارسی زبان میں لکھی گئی کتابوں میں کسی کتاب کی نثر اس قدر مشکل نہیں ہے جتنی کہ اعجاز خسروی کی نثر ہے۔ اعجاز خسروی کی کسی بھی جلد کے پڑھنے میں مشکل درپیش آتی ہے۔اسی وجہ سے جب نذیر احمد صاحب امریکہ کی خسرو اکیڈمی کے سمینار میں شرکت کی غرض سے پہنچے تو پروفیسر تھیکسن نے خسرو اکیڈمی کے بانی حبیب احمد صاحب سے کہا کہ ''اعجاز خسروی'' کی پانچوں جلدوں کا ترجمہ انگریزی میں نذیر احمد صاحب کی نگرانی میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ علمی نقطۂ نظر سے اس کی ضرورت ہے۔ پروفیسر تھیکسن اور حبیب صاحب کی استدعا پر نذیر احمد صاحب نے ''اعجاز خسروی'' کے ترجمہ کی ذمہ داری قبول کر لی۔ لہٰذا ہندوستان واپسی پر نذیر احمد صاحب نے ترجمہ کرنے کے لئے ایک ٹیم تیار کی، جب پروجیکٹ مکمل ہوا تو نظر ثانی کی

1. Kitab-i-nauras, Edt, Prof Nazir Ahmad1956 P 55

۲ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، مصنفین، ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر صدیقی شبلی ص ۱۷۶

ضرورت پیش آئی، اکثر اسکالرس مشکل عبارت کا صحیح ترجمہ کرنے میں ناکام ہوئے اور کچھ جلدوں کا نذیر احمد صاحب کو مواد از سرنو ترجمہ کرنا پڑا۔ دوسرے تحقیقی کاموں کی طرح 'اعجاز خسروی'' کے ترجمہ میں جو حواشی دیئے گئے ہیں ان سے نذیر احمد صاحب کے تبحر علمی پر روشنی پڑتی ہے لہٰذا اعجاز خسروی کی پانچوں جلدوں کا انگریزی میں ترجمہ مکمل کر کے امریکہ سے ۲۰۰۷ء میں شائع کرایا گیا، جو یقیناً محنت اور جانفشانی کا ایک بڑا نمونہ ہے۔

(54) Fakhruddin Ali Ahmad Memorial volume (English) Ghalib Institute New Delhi, 1994.

مرحوم فخر الدین علی احمد ہندوستان کے مشہور و معروف سیاسی رہنما اور صدر جمہوریہ ہند رہ چکے ہیں، وہ ایک اعلیٰ صفات انسان تھے، سیاسی بصیرت کے ساتھ ساتھ وہ سنجیدہ علمی و ادبی مزاج رکھتے تھے، ان کا تعلق مرزا غالبؔ کے خاندان سے تھا لہٰذا مرزا غالبؔ سے ان کو بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ ان کی اور ان کے چند رفقا کی کاوشوں اور کوششوں سے غالب انسٹی ٹیوٹ جیسا خود کفیل ادارہ وجود میں آیا۔ فخر الدین علی احمد اس ادارے کے پہلے سیکریٹری مقرر ہوئے تھے۔ لہٰذا غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے مرحوم فخر الدین علی احمد کی خدمات کے اعتراف میں دو یادگار نامہ ایک اردو میں اور ایک انگریزی میں پیش کئے گئے۔ اردو کے یادگار نامہ کا ذکر ہو چکا ہے اور یہ کتاب انگریزی یادگار نامہ کے طور پر پیش کی گئی ہے اس کے لئے بھی ہندوستان اور بیرون ہند سے بہت سارے مقالہ نگاروں نے اپنے مقالے پیش کیے جن کو نذیر احمد صاحب اور اسلوب احمد انصاری نے مرتب کر کے شائع کیا۔ اس میں نذیر احمد صاحب نے اپنا ایک مضمون بھی شامل کیا ہے جس کا عنوان Embassies from Qitay and Yugur to Sultin Mahmood of Ghazani. ہے۔ اس انگریزی یادگار نامہ میں جتنے بھی مقالے شامل کیے گئے ہیں، کافی وسعی مواد کے حامل ہیں جو علمی دنیا کے لئے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس یادگار نامہ کے مقدمہ میں نذیر صاحب لکھتے ہیں:

"For quite some time the Ghalib Institute had been planning to publish memorial volumes as a befitting tribute to the memory of the Late President . It is

gratifying to note that we have succeded in publishing two commemorative volumes, one in english and other in urdu with the active cooperation of Indian foregin scholares the diversity of the topics on which articales have been written is commensurate with the many sided personality of Mr Fakhruddin Ali Ahmed."[1]

(55) Islamic Heritage in South Asian Subcontinents Publication Scheme. Jaipur, India, vol 1.1998

یہ کتاب ۱۲ مضامین کا مجموعہ ہے، کتاب میں شامل سارے مضامین انگریزی میں ہیں۔ پروفیسر نذیر احمد اور پروفیسر اقتدار احمد صدیقی نے ان مضامین کو مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ مجموعہ میں ۳ مضامین نذیر احمد صاحب کے اور باقی چند دوسرے اسکالرس کے مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ یہ مضامین کافی معیاری اور سودمند ہیں، جن کا مطالعہ کرنے سے کافی معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ مجموعہ میں نذیر احمد صاحب کے مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں۔

(1) The Earlist - known Persian work on Hindu Philosophy and Hindu Religion.

(2) Diplomatic Relation between the sultans of Delhi and the Il khans of Iran.

(3) Abdur Razzaq Samarqandi's Account of life and culture in India 15th Century.

اس کتاب کے Preface میں نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

"Recently the interest shown by western scholars in study of Islam in south Asia has necessitated a through search of literature bearing on its role. There is a call for a more objecive study of how islamic influences bounced back to the classical lands of Islam on one hand and enriched the life and culture in south Asia on the other. Both as part of that call, and Part of the answer to that

1.Fakhruddin Ali Ahmad Memorial Volume, Edt, Prof Nazir Ahmad and Aslob Ahmad Ansari Pg. Foreword

calls it has been decided to publish a series of volumes dealing with Islamic history and culture in the countries of south Asian subcontinent. Our objective behind this project is both to promote the study of Islamic culture and history and encourage interaction between the scholars of Islamic culture in india and abroad.

This volume, countaining articles, contributed by scholars of eminence offers varied but coherent studies on interaction between sufi saints and hindu mystics, The social role of the sufie's, political and cultural instutions, diplomatic relation between the rulers of India and the forigen countries and the intellectual and cultural dimensions of historical and religious literature, produced in persian language during medival times. Each article opens new vistas for further investigation in fields, hitherto unexplored.[1]

(56) Islamic Heritage in South Asian Subcontinents Publication Scheme. Jaipur, India, vol.2, 2002

یہ کتاب پروفیسر نذیر احمد اور پروفیسر اقتدار احمد صدیقی نے مرتب کر کے شائع کرائی ہے۔
اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد کے دو مضامین شامل ہیں۔

1. A critical examination of baehaqis narration of the indian expeditions during the reign of masud of ghazna

2. Akber letter (Farman) to a nuqtawi divine of Kashan

یہ دونوں مقالات معلومات افزا ہیں۔ دوسرے مقالے میں مغل شہنشاہ اکبر کے ایرانی نقطوئی مفکران میر احمد کاشی درویش خسرو اور رشید الدین اسحٰق سے تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ ایرانی

1. Islamic Heritage in south Asian subcontinent, Vol.1, 1998 Pg. Preface

مفکران روایت پرستی کے خلاف باغی تھے اور محمود پسیخانی کے مذہبی فلسفہ کے قائل تھے۔

مجموعۂ مقالات

پروفیسر نذیر احمد کے مجموعۂ مقالات جو دوسرے لوگوں نے مرتب کئے ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۵۷) قند پارسی (مجموعۂ مقالاتِ فارسی، نذیر احمد) از دکتر سیّد حسن عباس، مجموعۂ انتشارات ادبی وتاریخی، موقوفات دکتر محمود افشار یزدی، شمارہ ۳۹، چاپخانہ نقش جہان، تابستان ۱۳۷۱ش

یہ کتاب پروفیسر نذیر احمد کے کچھ ادبی اور علمی مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں شامل مقالات کو پروفیسر حسن عباس نے جمع کر کے اپنی زیر نگرانی میں چاپخانہ نقش جہان سے شائع کروایا۔ اس مجموعے میں شامل مقالات کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) پزوهشهای زبان فارسی

(۱) زبان فارسی در چین

(۲) ذال فارسی

(۳) فرهنگ نویسی در هند و پاکستان

(۴) کلمهٔ دلیوار در دیوان سراجی

(۵) مطالب تازه در آثار منظوم سنائی

(۶) نصیب اِخوان مطهر

(۲) پزوهشهای تاریخی

(۱) بدیع الزمان ترکستانی

(۲) هیات های سیاسی عاد ل شاهی به دربار شاه عباس

(۳) روابط سیاسی شاه عباس بادشاهان قطب شاهیه

(۴) جهانگیر سمنانی سید اشرف

(۳) نسخه شناسی و کتاب شناسی

(۱) نسخه قدیمی مهم از دیوان حافظ

(۲) یاداشتهای تاریخی در کتاب الصید نه

(۳) آداب الحرب و الشجاعه

(۴) درباره دو کتاب

(۵) یکی از قدیم ترین شرائح مخزن الاسرار نظامی

(۶) رساله معمای قاسم کاهی

(۷) ترجمه قدیمی کتاب عوارف المعارف

(۸) تعلیقات برلباب الا لباب عوفی

(۵۸) قند پارسی (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) از دکتر سید حسن عباس، مجموعۂ انتشارات ادبی و تاریخی موقوفات دکتر محمود افشار یزدی، شمارہ ۸۶، ۱۳۸۳ش (جلد دوم)

زیر نظر مجموعہ مقالاتِ فارسی جلد دوم ایران سے شائع کیا گیا ہے، اس میں انیس تاریخی وادبی مقالے شامل کئے گئے ہیں جن کو پروفیسر حسن عباس نے جمع کر کے اپنی زیر نگرانی میں شائع کرایا ہے۔ ان مقالات کو چار عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔

بخش اوّل : جستا رهای ادبی

(۱) هجو پردازی فردوسی

(۲) تاریخ درگز شت سنائی

(۳) حکایتی از گلستان سعدیؒ

(۴) تاثیر مجیر بلقانی بر شعر سراجی خراسانی

(۵) قوام الدین عبدالله شیرازی استاد حافظ

(۶) خواجوی کرمانی و مرشد او شیخ امین الدین کا رزونی

(۷) اصیل الدین شیرازی و درج الدُّرراو

(۸) میر جمال الدین انجو شیرازی

(۹) عبدالطیف عباسی گجراتی و مثنوی معنوی

بخش دوم دربارۂ حافظ

(۱۰) دیوان حافظ : نسخۂ شاهان مغلیه

(۱۱) بررسی پیرامون دیوان حافظ

(۱۲) نسخه خطی قدیمی دیوان حافظ درگور کهپور

(۱۳) دیوان حافظ: دوچاپ قزوینی و خانلری

(۱۴) دربارۂ مقدمه جامع دیوان حافظ

بخش سوم : نسخه شناسی

(۱۵) نسخه خطی "لباب الالباب" عوفی

(۱۶) قدیمی ترین نسخه و مصباح الهدایه

(۱۷) قدیمی ترین نسخهٔ خطی تذکرۂ "میخانه"

بخش چہارم:- اس میں دو مضمون شامل کئے گئے ہیں ایک تو ''منظومہ ای از مولف راحتہ الصدور'' کے عنوان سے ہے جس میں اس کے مولف کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے، اور دوسرا مضمون ''مختصر راحتہ الصدور و آیینۂ السرور'' تاریخ آل سلجوق تالیف محمد بن سلیمان راوندی از نگارندۂ نا شناسی مبنی بر نسخہ خطّی کتابخانہ دانشگاہ اسلامی علی گڑھ پر مشتمل ہے جس کی تصحیح وتحشیہ کر کے نذیر احمد صاحب نے قند پارسی رایزن فرہنگی جمہوری اسلامی ایران دہلی نو شمارہ ۹ بہار ۱۳۷۴ میں شائع کرادیا تھا۔ اس تفصیلی مضمون میں مقدمۂ مصحیح، مقدمہ کتاب، آغاز کتاب اور ۱۳ سلاطین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ جلد بھی معلومات فراہم کرنے میں کافی اہم ثابت ہوگی۔ اس میں جتنے بھی مقالے شامل کئے گئے ہیں ان سب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نذیر احمد صاحب نے فارسی میں بے انتہا مفید

کام کیا ہے۔

(۵۹) غالب آشفتہ سر، مرتبین، مہر الٰہی ندیم (علیگ)، لطیف الزماں خان، ملتان آرٹس فارم ملتان، فروری ۱۹۹۶ء

اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد کے غالبؔ پر لکھے گئے چند مضامین مرتب کر کے شائع کئے گئے ہیں۔ نذیر احمد صاحب نے یوں تو غالبؔ پر بہت کام کیا ہے مگر آپ نے جس طرح ظہوریؔ، نظیریؔ، اور عرفیؔ، کے اثرات کو غالبؔ کی فارسی شاعری میں تلاش کیا ہے، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کوئی اور نقاد اس سطح کو نہیں پہنچا۔ اس مجموعہ میں شامل مضامین غالبؔ نامہ کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔

اس مجموعہ میں ''آئینۂ اظہار'' شامل ہے جس میں رشید حسن خاں صاحب نے محترم پروفیسر نذیر احمد کے متعلق رائے قایم کی ہے ملاحظہ فرمایئے۔

''وہ ہمارے اُن اساتذہ میں سے ہیں جن پر فارسی زبان وادب کو ناز ہونا چاہئے۔ انہوں نے جو اعلیٰ درجے کی علمی کام انجام دیئے ہیں۔ وہ ہمارے لئے مثال اور معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔''[۱]

اس مجموعہ میں نذیر احمد صاحب کے مندرجہ ذیل مضامین شامل کئے گئے ہیں۔

(۱) غالبؔ اور ظہوریؔ

(۲) عرفیؔ اور اس کا اثر غالبؔ پر

(۳) نظیریؔ اور اس کا اثر غالبؔ کی شاعری پر

(۴) پنج آہنگ، اہنگ دوم زمزمے چہارم میں غالبؔ کے منتخب الفاظ

(۵) غالبؔ کے ایک خط کے بعض امور کی توضیح

(۶) غالب کے ایک نایاب خط کے بارے میں چند توضیحات

(۷) دستنبو اور دساتیر

(۸) غالبؔ کے بعض اُردو خطوط سے متعلق کچھ علمی وادبی مسائل

---

[۱] غالب آشفتہ سر، مرتبین، مہر الٰہی ندیم (علیگ)، لطیف الزماں خان ص ۱۲

(۹) غالبؔ کے ایک شعر کی چار تلمیحات

(۶۰) کارنامہ نذیر، تالیف ڈاکٹر ریحانہ خاتون (مجموعۂ مقالات نذیر احمد) دانشگاہ دہلی ۲۰۰۴ء

یہ کتاب پروفیسر نذیر احمد کے چند مقالات کا مجموعۂ ہے۔ اس شمارے میں شامل کئے گئے مقالے مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے جس کو پروفیسر ریحانہ خاتون نے جمع کیا اور مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اس مجموعۂ میں شامل مقالات بہت اہمیت کے حامل ہیں جن سے نذیر احمد صاحب کی تحقیق کی گہرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان مقالات میں کافی وسعت ہے۔ اور مطالعہ کے لیے سود مند مواد ہے۔ اس مجموعہ میں جن مقالات کو شامل کیا گیا ہے ان کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) متون کی تصحیح وتنقید میں تخریج وتعلیقات کی اہمیت

(۲) فرہنگ قواس کا نسخۂ کراچی اور اس کے ذیلی حاشے

(۳) ابومنصور ثعالبی کی چند تاریخ منظومات

(۴) میر محمد صالح کشفی اور ان کی تصنیف مناقب مرتضوی

(۵) فرہنگ جعفری

(۶) مونس الاحرار کلاتی اصفہانی

(۷) خاندان جیہانی، سامانی عہد کے وزرا کا ایک نامور خاندان

(۸) قدیم ایرانی وزرتشتی عناصر اردو ادب میں

(۹) یادداشتہای لغوی وادبی

(۶۱) تاریخی اور علمی مقالات، مصنف نذیر احمد، مترجم کبیر احمد جائسی، مکتبہ برہان، اردو بازار، دہلی، اکتوبر ۱۹۷۶ء

یہ کتاب پروفیسر نذیر احمد کے تین مضامین کا مجموعۂ ہے، جو انگریزی میں لکھے گئے تھے،

پروفیسر کبیر احمد جائسی نے ان مضامین کا اردو میں ترجمہ کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔اس مجموعہ مقالات میں جن مقالوں کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

پہلا مضمون ہندوستان پر سلطان محمود غزنوی کی معرکہ آرائی کے بارے میں بیہقی کے بیانات کا ایک تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے ہے۔ یہ مضمون ''تاریخ بیہقی'' پر ہے،اور ۱۹۷۰ء میں مشہد میں عہد غزنوی کے مشہور مورخ ابوالفضل بیہقی کے بین الاقوامی سمینار میں پیش کیا گیا تھا۔تاریخ بیہقی کے موجودہ حصّے میں مسعود غزنوی کے ہندوستان کے حملوں کی تفصیل درج ہے،اس ضمن میں ہندوستان کے راجاؤں ،امیروں ،شہروں، دریاوں وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔نذیر احمد صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان میں عہد غزنوی کی کوئی دستاویز اس دور کی تاریخ یا جغرافیائی معلومات پر مشتمل کوئی مسودہ باقی نہیں تو انہیں سخت حیرت ہوئی،اس سلسلے میں دو باتیں آپ کے سامنے آئیں۔ بنارس کا ذکر تاریخ بیہقی میں آیا ہے،سلطان مسعود غزنوی کے ایک سردار نیال تگین نے ۴۲۱ھ میں بنارس پر حملہ کیا تھا،اس وقت وہاں کا راجا کنگ نامی تھا۔ پھر آپ کو معلوم ہوا کہ بنارس کی تاریخ کے سلسلے میں سب سے قدیم اور قابلِ وثوق مآخذ تاریخ بیہقی ہی ہے۔بیہقی پر مضمون لکھنے سے ایرانی علماء کی فکر کا بھی تھوڑا سا حال کھلا ، ظاہر ہے کہ تاریخ بیہقی کا موجودہ حصہ سلطان مسعود کے عہد سے متعلق ہے، بقیہ اور تمام مجلّات ناپید ہیں لیکن اس موجودہ حصّے میں بھی ایک بڑا ''سقطہ'' ہے جو کئی مہینوں کے واقعات پر مشتمل ہے،ایرانی محققین نے اسے فقط چند سطروں سے پُر کر دیا، حالانکہ جو واقعات اس درمیان میں رونما ہوئے وہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل رہے ہونگے۔ اس مضمون میں نذیر احمد صاحب نے اس مفقود حصّے کے مندرجات سے بحث کی ہے۔اس مفقود حصّے میں سلطان مسعود کے قلعۂ ہانسی پر حملے کا بیان بھی شامل رہا ہوگا۔اس لیے کہ اس حملے کی تائید نہ صرف دوسری اور تاریخوں سے ہوئی ہے بلکہ خود تاریخ بیہقی میں اس حملے کی طرف اشارہ موجود ہے۔اس مقالے کا مقصد یہی تھا کہ کچھ تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کے حامل نکات کا جائزہ لے کر ان کو مکمل کیا جائے۔

دوسرا مقالا ''مغل مصور فرخ بیگ'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں جہانگیر دربار کے شاہی مصور فرخ بیگ سے متعلق ہے، فرخ بیگ کا ایک معاصر مصور مولانا فرخ حسین ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں بیجاپور میں تھا، جس کی بنائی ہوائی ابراہیم عادل شاہ کی تصویر نذیر صاحب نے ۱۹۵۵ء میں اسلامک کلچر میں شائع کی تھی۔ اسی دوران ایک انگریزی فاضل رابرٹ اسکلٹن نے فرخ بیگ پر ایک عالمانہ مضمون شائع کیا جس میں فرخ بیگ کی بنائی ہوئی ساری تصویروں کی روشنی میں نہ صرف اس کی مصوری کے کمال پر تنقید تھی بلکہ انہیں سے اس کی زندگی بھی مرتب کی گئی تھی، پروفیسر موصوف کے نزدیک فرخ بیگ اور فرخ حسین ایک ہی شخصیت تھے، نذیر احمد صاحب کو اس سے اختلاف تھا، چنانچہ آپ نے ۱۹۶۱ء کے اسلامک کلچر میں ایک مضمون شائع کیا جس میں موصوف کے نظریہ کی تردید کی۔ نذیر احمد صاحب کے اس مضمون کے بعد پروفیسر موصوف نے اپنے نظریہ پر نظر ثانی کی اور فرخ حسین کو فرخ بیگ سے الگ شخصیت قرار دیا۔

تیسرا مضمون ''ہندوستان میں مغلیہ عہد کے مصور اور تاریخی اہمیت کے حامل مخطوطات'' کے عنوان سے ہے، اس میں تیموری دور کے فارسی کے ایسے مخطوطات سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ جو ہندوستان میں موجود ہیں اور مصوری، خطاطی یا تاریخی اعتبار سے کسی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مضمون سمرقند کے بین الاقوامی سمینار میں ۱۹۶۹ء میں پڑھا گیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں سیکڑوں ایسے مخطوطات ہیں جن کا دنیا میں کوئی نسخہ نہیں ہے اور جن کی اشاعت و مطالعہ کے بغیر قرون وسطیٰ کی سیاسی وثقافتی وادبی تاریخ نامکمل رہے گی۔ اس مضمون سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ مخطوطات کی حفاظت میں ہندوستان نے اپنے قریبی ممالک سے زیادہ اہم خدمات انجام دی ہیں۔

(62)Essay on Persian Literature: Idarah-i-Adabiyat-i-Delhi-2005

اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد کے سترہ مضامین کو پروفیسر شریف حسین قاسمی نے مرتب

کر کے کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔

اس مجموعہ مقالات میں شامل مضامین انگریزی زبان میں ہیں اور Indo- Iranica Calcutta کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے ہیں، جن کو یکجا کر کے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ تمام مضامین فارسی زبان وادب سے متعلق کافی معلومات کے حامل ہیں۔ اس مجموعہ میں شامل مقالات کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

(1) The role of Indian Muslim towards-understanding India and Indian culture

(2) Traces of Persian influence in Chaina and South- East Asia during the 14th Early 15th Century A.D.

(3) Researches in Persian in India, scope and problems

(4) The earliest Persian work completed in Gujarat

(5) Ibn Sina's contribution to Persian language and literature.

(6) The discover of an old Ms. of Diwan-i-Hafiz. edition and publication

(7) some problems related to introduction to the Diwan-i-Hafiz

(8) credibility of the Diwan of Hafiz published by the Late Mr. Qazwani and by Dr. Khanlari

(9) A critcal examination of Baiaqi's narration of the Indian expedition during the reign of Masud of Ghazna

(10) The oldest Persian translation of the 'Awariful Ma'arif

(11) Zahiruddin Abdur Rehmani b. Alib-Duzghushi shirazi and his translation of the Awariful ma'arif

(12) The Dastural Afazil

(13) The Lahjat-i-Sikandar Shahi, A unique book on indian music of the time of sikander loadi (1489-1517)

(14) A few historical reference in the gulistan and some textual notes

(15) An old Persian treaties of the Behmani period

(16) Taqi Awhadi

(17) Influence of Persian on Indian languges.

☆☆☆

حصّه (ج)

مقالات

فارسی زبان وادب میں پروفیسر نذیر احمد نے مختلف موضوعات پر سیکڑوں مقالات لکھے ہیں، ان کے بعض مقالات سو صفحات سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ سبھی مقالات مختلف مجلّات اور رسائل میں شائع ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی عہدِ وسطیٰ کی تاریخ وثقافت سے متعلق آپ کے مقالات ہماری معلومات میں گرانقدر اضافہ کرتے ہیں، جن میں آپ عظیم مصنف ومؤرخ نظر آتے ہیں۔ آپ بلا شبہ تاریخ کے پروفیسر نہیں تھے بلکہ فارسی زبان وادب کے عالم تھے تاہم آپ کے بہت سے علمی کارناموں کی بنا پر آپ کے لیے انگریزی زبان کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے آپ کو عظیم تاریخ داں کہا جانا صحیح ہوگا کیونکہ آپ نے مقالات کی تکمیل اور عہدِ وسطیٰ کی کتابوں کی تدوین میں ایک تربیت یافتہ مؤرخ کا طریقۂ کار اختیار کیا ہے۔ آپ کی تحقیقات میں تاریخی عوامل کی کارفرمائی اور ان کے اثر سے کسی عہد کے معاشرے میں جو سماجی اور معاشی اہمیت کی تبدیلیاں واقع ہوئیں، ان کا دلچسپ تجزیہ ملتا ہے۔ آپ کی تحقیقات میں معاشرہ ہر دور میں منجمد نظر آتا ہے۔ آپ کے مقالات ادبیات کے مختلف میدانوں اور موضوعات میں جیسے ادب، زبان کے قواعد، زبان شناسی، مخطوطہ شناسی، کتبہ شناسی، تاریخ، فنونِ لطیفہ، مصوری، خطاطی، فنِ تعمیرات اور طب وغیرہ عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ حافظ، سنائی اور غالب پر آپ نے جو تحقیقی مواد اکٹھا کیا ہے اس کا خاصا بڑا حصہ ہند و بیرونِ ہند کے مختلف رسالوں میں موجود ہے۔ یعنی معارف (اعظم گڑھ)، اردو ادب، مجلّہ علوم اسلامیہ، فکر ونظر (علی گڑھ)، غالب نامہ، برہان، ہماری زبان، آجکل، آہنگ، اسلام اور عصرِ جدید، تحریر (دہلی)، نیا ادب، نیا دور، نگار (لکھنؤ)، یونیورسٹی جرنل (کلکتہ)، خدا بخش جرنل، معاصر (پٹنہ) اورینٹل کالج میگزین، صحیفہ (لاہور)، دانش (اسلام آباد)، رہنمائی کتاب، ایران نامہ، کیہان فرہنگی، آیندہ، ایران شناسی اور آشنا (تہران)، میں شائع ہوئے ہیں۔

ان بیشمار رسالوں میں علمی، فنی، معاشرتی اور تاریخی وادبی مضامین میں پروفیسر موصوف نے وہ نکات بیان کئے ہیں اور ایسے الفاظ، ترکیبات اور اصطلاحات سے روشناش کرایا ہے جنہیں ہم صرف پڑھ لیا کرتے

ہیں مگر مفہوم اور مطالب سے نا آشنا رہتے ہیں۔

آپ کے مقالات پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر محمد حسن رضوی لکھتے ہیں:

''نذیر احمد صاحب کی خدمات کا جائزہ لینا خود بڑا علمی کام ہے، البتہ ان سب سے بڑا ہنر نذیر احمد صاحب کی انکساری اور خود فراموشی ہے۔ زمانہ ایسا ہے کہ جس ہاتھ ہلدی کی گرہ لگ گئی وہی پنساری بن بیٹھا اور اپنا اشتہار ایسے زور وشور سے دیتا ہے کہ سننے والوں کے کان گنگ اور دیکھنے والوں کی آنکھیں حیراں ہو جاتی ہیں، ادھر نذیر احمد صاحب کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے کسی مضمون کی تعریف ان کے سامنے کر دیجئے تو بالکل نئی نویلی دلہن کی طرح شرما جاتے ہیں۔ انہیں علمی غرور و پندار چھو تک نہیں گیا۔'' شاخ ثمردار'' کی طرح ہمیشہ انکسار سے جُھکے ہوئے اور اپنے طالب علموں کے طالب علموں تک سے برابری کی سطح پر ملنے کو تیار۔ اپنے دوستوں بلکہ دشمنوں تک کی مدد کو تیار۔''[۱]

آپ کے چند مقالات کا تاریخ نگاری کے تناظر میں مختصر تجزیہ پیش خدمت ہے۔ پروفیسر نذیر احمد کا انگریزی زبان میں ایک مقالہ جو ڈاکٹر غلام یزدانی یادگار میں شامل ہے اور جس کا عنوان Some little known Indo Persian poets of thirteen centery ہے۔ مقالہ کی تکمیل میں بہت سے تیرہویں اور چودھویں صدی کے مآخذ استعمال کیے ہیں۔ کئی شعراء جو کہ ایران یا وسط ایشیاء سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے ان کا تعارف کرایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے اشعار سے ان مسائل کا حل نکل آیا جو کہ دورِ حاضر میں متنازعہ فیہ تھے۔ مثال کے طور پر سلطان شمس الدین التتمش کے نام کے بارے میں اختلافِ رائے تھا۔ اردو میں لکھنے والے اور کچھ انگریزی زبان میں سلطان کو التمش لکھتے تھے۔ ان کے برعکس بہت سے اسکالرس نے سلطان کو شمس الدین التتمش کہا ہے۔ نذیر صاحب نے مولانا برہان الدین بزاز کے قصیدے کے شعر نقل کیے اور ثابت کر دیا کہ سلطانِ دہلی کا صحیح نام شمس الدین التتمش تھا۔ مولانا برہان الدین بزاز کا شعر پیش خدمت ہے۔

بو المظفر التتمش کو بحکم از تیر تیر
بگذراند در جوابش می بیاید تیر تیر

---

[۱] کارنامہ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون ۱۹۹۵ء، ص ۶۱

۱۹۷۲ء میں کلکتہ کے انگریزی جرنل Indo Iranica میں نذیر صاحب کا مقالہ بعوان The earliest Persian translation of Awariful-Maarif شامل ہے۔زیر نظر مضمون میں بتایا ہے کہ ''عوارف المعارف'' کا فارسی ترجمہ ملتان میں ہوا تھا۔اس کا مترجم قاسم داؤد خطیب تھا جو کہ شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی کے مرید اور ملتان کے سلطان تاج الدین ابوبکر بن ملک ایاز کبیر خاں کے دربار سے منسلک تھے۔یہ ترجمہ شیخ بہاء الدین زکریا کی نگرانی میں مکمل ہوا تھا۔ترجمہ کے دیباچہ میں سلطان التتمش کی موت کے بعد سلطنت دلی کی سیاسی اور ثقافتی حالت پر دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔

۱۹۹۸ء اور ۲۰۰۰ء میں پروفیسر نذیر احمد اور پروفیسر اقتدار حسین صدیقی کے ایڈٹ کیے ہوئے Islamic heritage in south Asian subcontinint کی دو جلدیں شائع ہوئی ہیں۔پہلی جلد میں نذیر احمد صاحب کے تین مقالات شامل ہیں۔ان میں پہلا مقالہ بعوان The earliest known Persian work on Indo religion and Philosophy شامل ہے۔اس مقالے میں تیرہویں صدی عیسوی کے آخری زمانے میں یوگا پر سنسکرت کلاسک ''امرت کنڈ'' کے فارسی ترجمہ کا تعارف کرایا گیا ہے۔اس کتاب کا ذکر عہدِ وسطیٰ کی فارسی کتابوں میں ملتا ہے۔لیکن اس کو مفقود سمجھا جاتا تھا۔اس کی دریافت اور تعارف سے ایک عام اعتراض کی تردید ہوتی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے کبھی ہندو مذہبی لٹریچر کو جاننے کی خواہش نہیں کی۔ سنسکرت میں امرت کنڈ مفقود ہوگئی ہے لیکن اس کا ترجمہ ''حواض الحیات'' کے نام سے موجود ہے۔نذیر احمد صاحب نے اس کو کراچی میوزیم لائبریری میں ''فرہنگ قواس'' اور لسان الشعراء وغیرہ کے نسخوں کے ساتھ ایک ہی جلد میں دریافت کیا تھا۔

اس طرح دوسری جلد میں نذیر احمد صاحب کے دو مقالے شامل ہیں یہ دونوں مقالات معلومات افزا ہیں۔ان میں سے دوسرا مقالہ بعوان Akber letters (Farman) to a Nuqtawi Divin of Kashan شامل ہے۔اس مقالے میں مغل شہنشاہ اکبر کے ایرانی نقطوی مفکران میر احمد کاشی درویش خسرو اور رشید الدین اسحاق سے تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔یہ ایرانی مفکران روایت پرستی کے خلاف باغی تھے اور محمود پسیخانی کے مذہبی فلسفہ کے قائل تھے۔

اس طرح آپ کے چند اردو مقالات کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں سیف جام ہروی کی تالیف مجموعۂ

لطائف وسفینۂ ظرائف کے متعلق چند مقالے اہم ہیں ان میں ایک مقالہ بعوان ''فیروز شاہ تغلق کے عہد کے چند فارسی شعراء'' ہے، جو نذرِ رحمٰن مرتبہ غلام حسین ذوالفقار، لاہور، ۱۹۶۶ء صفحات ۲۲۱۔ ۲۵۸ میں شامل ہے۔ یہ مقالہ مجموعۂ لطائف وسفینۂ ظرائف کے برٹش میوزیم، لندن میں محفوظ مخطوطہ کی بنیاد پر تحریر کیا ہے، جس کے پہلے اور آخری صفحات ناکس ہونے کے باعث فاضل مقالہ نگار کو کتاب اور اس کے مؤلف کا نام معلوم نہ ہو سکا، لہٰذا انہوں نے اپنے اس مقالے میں اسے ''بیاض'' کا نام دے دیا ہے۔ نذیر صاحب کے مذکورہ مقالے میں مجموعۂ لطائف وسفینۂ ظرائف کے دیگر مندرجات سے صرف نظر کرتے ہوئے، فیروز شاہ تغلق کے عہد کے چار فارسی شعراء جمال الدین استاجی، الیاس ہروی، سید السادات سید اجل اور حمید قلندر کے منتخب اشعار اور حالاتِ زندگی بیان کیے گیے ہیں۔

اس طرح فکر ونظر، علی گڑھ کے جولائی ۱۹۶۰ء کے شمارے میں مقالہ بعوان ''فرقہ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر'' شائع ہوا ہے۔ اس مقالے میں بتایا ہے کہ فرقہ نقطوی ہندوستان کی تہذیبی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ عہد اکبری کے مذہبی تحریک دین الٰہی، نقطوی تحریک سے متاثر ہو سکتی ہے لیکن بڑے تعجب کی بات تھی کہ کسی مؤرخ نے اب تک اس کی طرف توجہ نہ کی، اس لحاظ سے یہ موضوع ہندوستان کے لئے اچھوتا ہے۔ اس مقالے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شعراء کے دیوان اور ان کے تذکرے تہذیبی وتاریخی مطالعے میں اہم مآخذ کا کام کرتے ہیں۔

نذیر احمد صاحب کے کارناموں کا میدان بہت متنوع اور وسیع ہے۔ غالب سے متعلق آپ کے تحقیقی مقالے غالب سے دلچسپی اور تحقیق وتنقید سے والہانہ ذوق شوق کی بین مثال ہیں۔ آپ کے بہت سارے مقالات مجموعہ کی شکل میں آ چکے ہیں مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام بکھرے ہوئے مواد کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تا کہ وہ سب کے لئے استفادہ کا باعث بن سکے۔ آپ کے مقالات کی فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے تیار کی ہے ملاحظہ ہو۔

مقالاتِ فارسی

۱ آداب الحرب والشجاعۃ، راہنمائی کتاب، تہران، س ۶، ش ۵

۲ احمد گلچین معانی بزرگترین ہندشناس ایرانی عصر حاضر، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۷۸ھ ش، ش ۱۳

۳ اسناد تاریخی دربارۂ روابط سیاسی شاہ عباس با شاہان قطب شاہیہ، فرہنگ ایران زمین، تہران، ۱۳۴۷ھ ش، ش ۱۵

۴ اشارہ ای بہ فاگرہ در دست نوشتہ ہای پارسی در سدۂ یازدھم، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۸۱ھ ش، ش ۱۷

۵ اصالت لطائف اشرفی ومکتوب اشرفی، تالیف سید اشرف سمنانی، انڈو ایرانیکا، کلکتہ، مارچ۔ جون ۱۹۷۹ء، ش ۱

۶ امیر خلف بن احمد، اخرین فرمانروای خانوادہ صفاریان سیستان، ایران شناسی، تہران، بہار ۱۳۶۸ھ ش، ش ۱

۷ بدیع الزمان ترکو سیستانی، قند پارسی، ج اول (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) تابستان ۱۳۷۱ھ ش

۸ بررسی پیرامون دیوان حافظ، (ویژہ نامہ حافظ) قند پارسی، دہلی نو، زمستان، ۱۳۷۵ھ ش، ش ۱۱

۹ تاریخ درگذشت سنائی، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۳۷۲ھ ش، ش ۵

۱۰ تأثیر مجیر بیلقانی در اشعار سراجی خراسانی، قند پارسی، دہلی نو، زمستان، ۱۳۷۲ھ ش، ش ۶

۱۱ تجلیات اشعار ویسی، انڈو ایرانیکا، کلکتہ، مارچ۔ جون ۲۰۰۵، ج ۲، ش ۱

۱۲ ترجمہ قدیمی کتاب عوارف المعارف تالیف شہاب الدین سہروردی، بیاض ۱۹۸۳، ش ۱، ج ۳

۱۳ تصحیح وتحشیہ خلاصۂ راحۃ الصدور وآیۂ السرور محمد بن علی بن سلیمان الراوندی، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۷۴ھ ش، ش ۹

۱۴ تعلیقات بر لباب الالباب، عوفی (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) تہران، تابستان ۱۳۷۱ھ ش

۱۵ تعلقات فرہنگی ابراہیم عادل شاہ پادشاہ صفوی، بررسی ہای تاریخی، تہران

۱۶ چند نکتہ دربارۂ اشعار الحاقی در دیوان حافظ، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۳۸۰ھ ش، ش ۱۶

۱۷ حقایق از گلستان سعدی، قند پارسی، ج دوم (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) تہران ۱۳۸۳ھ ش

۱۸ حالات شاہ نعمت اللہ ولی، انڈو ایرانیکا، کلکتہ، جنوری ۱۹۷۳ء

۱۹ ایضاً، اسلامک کلچر، حیدر آباد، جولائی ۱۹۷۲ء

۲۰ خواجہ عمید الدین ابونصر اسعد ابزری وقصیدۂ اشکوانیۂ او، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۸۱ھ ش، ش ۱۸

۲۱ خواجوی کرمانی ومرشد او شیخ امین الدین کازرونی، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۷۱ھ ش، ش ۴

۲۲ دانشمندانی کہ بہ وسیلۂ ایشان تفسیر طبری ترجمہ تلخیص شدہ، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۸۱ھ ش، ش ۱۸

۲۳ دربارۂ دو کتاب: احیاء علوم۔ دستور الاخوان، قند پارسی، جلد اول (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) تابستان ۱۳۷۱ھ ش

۲۴ دربارہ ممدوح میسری، ایران شناسی، دانشگاہ تہران، بہار ۱۳۷۲ھ ش، سال ۵

۲۵ دربارۂ دیوان حافظ چاپ قزوینی وخانلری، ایران شناسی، تہران

۲۶ دربارۂ اساتذہ حافظ شیرازی، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۷۸ھ ش، ش ۱۳

۲۷ دو مآخذ قدیمی حیات وآثار حافظ، سخنواران ایران در عصر حاضر، چاپخانہ جامعہ، ۱۳۵۵/ ۱۹۳۷

۲۸ دو خانوادۂ معروف قاضی در دورۂ حکیم سنائی غزنوی، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۳۷۹ھ ش، ش ۱۴

۲۹ دیوان حافظ نسخۂ شاہان مغلیہ، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۳۷۵ھ ش، ش ۱۱ (ویژہ نامہ حافظ)

۳۰ ذال فارسی، ایران شناسی، تہران ۱۳۵۰ھ ش، ج ۲، ش ۲

۳۱ ذکر نسخۂ خطی دیوان حافظ مکتوبہ ۸۲۴ھ ق، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۳۷۹ھ ش، ش ۱۴

۳۲ رسالۂ کافیہ قاسم کاہی، انڈو ایرانیکا، کلکتہ، دسمبر ۱۹۶۸ء

۳۳ زبان فارسی در شبہ قارۂ ہند، کیہان فرہنگی، تہران، تیر ماہ ۱۳۶۱ھ ش سال نہم ۴۰

۳۴ زبان فارسی در چین، ترجمہ قدرت اللہ روشن، آیندہ، ۱۳۶۸ھ ش، ش ۱۵، ص ۲۹۱۔۲۸۳، ۷۷۵۔۷۶۳۔

۳۵ سید حسن، بیاض، دہلی ۱۹۸۸ء، ش ۱

۳۶ سید اصیل الدین واعظ شیرازی صاحب درج الدّرر، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۹۸۰ھ ش، ش ۱۶

۳۷ شاہ عباس وحکمران قطب شاہی دکن، راہنمائی کتاب، تہران

۳۸ شیخ برہان الدین ساغرجی از مشایخ قرن ہشتم درچین، قند پارسی، دہلی نو، پاییز ۱۳۷۶ھ.ش، ش ۱۲

۳۹ عبداللطیف عباسی گجراتی ومثنوی معنوی، آیندہ، ایران، مرداد۔آبان ۱۳۷۰ھ.ش، ش ۵۔۸ سال ۱۷

۴۰ ایضاً، آیندہ، ایران، فروردین۔خرداد ۱۳۷۲ھ.ش، ش ۱۔۳ سال ۱۹

۴۱ ایضاً، آیندہ، ایران، تیر۔شہریور ۱۳۷۲ھ.ش، ش ۴۔۶ سال ۱۹

۴۲ غزلیات سلمان ساوجی: نسخہ خدابخش وتعین زمانۂ استعمال ذال فارسی، ایران شناسی، تہران

۴۳ فرہنگ نویسی فارسی، راہنمائی کتاب، تہران ۱۹۶۴، ش ۷

۴۴ فرہنگ نویسی درھند وپاکستان تالیف شہریار نقوی، راہنمائی کتاب، تہران، س ۷، ص ۶۹۔۷۷

۴۵ قاضی رکن الدین یحی بن مجد الدین اسماعیل بن نیکروز ممدوح سعدی شیرازی، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۸۳ھ.ش، ش ۱۹

۴۶ قدیم ترین نسخہ ای از مصباح الہدایہ تالیف عزالدین محمود کاشانی، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۳۷۴ھ.ش، ش ۱۰

۴۷ کہن ترین منظومہ بہ فارسی، مجلّہ تحقیقات فارسی، بخش فارسی، دانشگاہ دہلی، ۱۹۹۴

۴۸ کلمۂ دلیوار در دیوان سراجی، ناموارۂ دکتر محمود افشار، تہران، ۱۳۶۵ھ.ش، ج ۲

۴۹ گزارش مختصری دربارۂ ہجونویسی فردوسی، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۷۰ھ.ش، ج ۳۔۲

۵۰ گزارشی کوتاہ دربارۂ قطعہ ای از سعدی، قند پارسی، دہلی نو، بہار ۱۳۷۳ھ.ش، ش ۷

۵۱ گزارشی دربارۂ منظومہ ای از محمد بن علی راوندی مؤلف راحۃ الصدور، قند پارسی، دہلی نو، پاییز ۱۳۷۳ھ.ش، ش ۸

۵۲ گزارشی مختصر دربارۂ یک غزل از حافظ، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۳۷۵ھ.ش، ش ۱۱

۵۳ گزارشی مختصر دربارۂ مقدمہ جامع دیوان حافظ، قند پارسی، دہلی نو، زمستان ۱۳۷۵ھ.ش، ش ۱۱

۵۴ گزارش مختصری دربارۂ شخصیت واقعی جہانگیر سمنانی، سید اشرف، ہشتمین کنگرۂ تحقیقات ایرانی ۱۳۵۸ھ.ش، ج ۳

۵۵ ماجرای چگونگی کشف یک نسخہ خطی قدیمی دیوان حافظ در گورکھپور، ایران نامہ، ایران ۱۳۶۶ھ ش، ش ۳

۵۶ متن انتقادی غزلیات حافظ مجموعہ ای مورخ ۸۱۳ھ در موزہ سلار جنگ حیدر آباد

۵۷ مطالب تازہ در آثار منظوم ومنثور حکیم سنائی، ترجمہ میر حسین شاہ، ادب، ۱۳۴۹ھ ش، ش ۳-۴ سال ۱۸

۵۸ معروفی قدیمترین نسخۂ خطی میخانۂ عبدالنبی فخر الزمانی، قند پارسی، دہلی نو، پاییز ۱۳۶۹ھ ش، ش ۱۷

۵۹ نسخہ خطی مہمی از تذکرہ لباب الالباب محمد عوفی در کتابخانہ دانشگاہ لکھنو، انڈو ایرانیکا، کلکتہ، جون ۱۹۶۲ء

۶۰ ایضاً، انڈو ایرانیکا، کلکتہ، دسمبر ۲۰۰۹ء ش ۴۴

۶۱ نسخہ قدیمی مہم از دیوان حافظ، ایران شناسی، تہران، ۱۳۴۹ھ ش، ش ۲

۶۲ نصیب اخوان مطہر، قند پارسی، (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) تابستان ۱۳۷۱ھ ش، ج ۱

۶۳ نظری در دیوان حافظ، ایران نامہ، ایران، بہار ۱۳۲۷ھ ش

۶۴ نظری بر دیوان حافظ دکتر قاسم غنی وقزوینی چاپ دکتر حانلری، تحقیقات اسلامی ایران، تہران ۱۳۷۰ھ ش، ج ۱-۲، سال ۶

۶۵ نظری بہ دو مقالہ در تاریخ ہند، ناموارہ دکتر محمود افشار، تہران ۱۳۶۷ھ ش، ج ۴

۶۶ نقدی بر حافظ جلالی، ادبیات تربیت معلم، ۱۳۵۸ش، ش ۶

۶۷ نقد بر حافظ حافظ جلالی ومقائسہ آن با حافظ، قزوینی وغنی، ادبیات تربیت معلم، ۱۳۵۸ھ ش، ش ۵

۶۸ وضع تدریس زبان وادب فارسی در دانشگاہ ھای ہند

۶۹ یادداشتہای شخصی وتاریخی در کتاب الصیدنہ بیرونی، یادنامہ بیرونی، تہران ۱۳۵۳ش

۷۰ یکی از ممدوحان سعدی شیرازی ۲۰۰۲

۷۱ یکی از قدیم ترین شرح مخزن الاسرار نظامی نوشتہ در ہند، قند پارسی، ج اول (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) تابستان ۱۳۷۱ج ش

مقالاتِ اردو

۱ آزاد ماہر لسانیات کی حیثیت بر، پنجاب، ش ۵۸

۲ ابن حسام محمد تغلق کے عہد کا شاعر، نقوش، لاہور، اپریل، مئی، جون ۱۹۶۶ء، ج ۵، ش ۱

۳ ابومنصور ثعالبی کے چند تاریخی منظومات (غزنوی اور سامانی دور کے اہم مآخذ، کارنامہ نذیر، دانشگاہ دہلی، ۲۰۰۳ء

۴ ابراہیم عادل شاہ کا درباری خطاط شاہ خلیل اللہ، نذر ذاکر، دہلی، ۱۹۶۸ء

۵ اتابک ابوبکر بن سعد کے عہد کے وہ فضلا جو شیراز سے نکالے گئے، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۲۰۰۳ء، ج ۲۴، ش ۱

۶ اجے چند نامہ، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۶ء

۷ ادات الفضلا میں ہندوستانی عنصر، اردو، کراچی، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ج ۳۴، ش ۴

۸ اردو زبان میں تلفظ کا مسئلہ، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۸ء، ج ۱۹، ش ۱

۹ اردو خط اور لغوی مسائل، برہان، دہلی، جولائی ۱۹۸۷ء

۱۰ اردو لغت نگاری کے مسائل، لغت نویسی کے مسائل، مرتب، گوپی چند نارنگ، ستمبر ۱۹۸۵ء، ج ۲۵، ش ۹

۱۱ اردو کی ابتدائی نشو ونما میں علما و فضلا کی خدمات، نوائے ادب، بمبئی، جولائی ۱۹۵۸ء، ج ۹، ش ۳

۱۲ اردو میں تحقیق، نقوش، لاہور، ۱۹۵۹ء

۱۳ اردو میں تحقیق، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون ۱۹۶۰ء

۱۴ اردو رسم خط کے متعلق ایک گزارش، ہسٹری جرنل ہمدرد، دہلی، ۱۹۸۷ء

۱۵ ارسلان جاذب، ممدح فردوسی، نذر زیدی، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء

۱۶ اردو ادب میں علوم اسلامیہ، فکر و نظر، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۶۳ء، ج ۴، ش ۴

۱۷ اردو شہ پارے کی چند قابل توجہ فروگذاشتیں، معارف، اعظم گڑھ، مئی اور جون ۱۹۵۲ء، ج ۶، ش ۵

۱۸ اردو اور فارسی کی ایک اہم تلمیح ایاز، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۴ء، ج ۵، ش ۱

۱۹ اردو میں اصول تحقیق، انتخاب مقالات، جلد اول، اسلام آباد، ص ۳۲۰۔۳۰۵

۲۰ استقبالیہ یک روزہ میر سمینار، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۰ء، ج ۲۱، ش ۲

۲۱ استاد احمد معمار تاج محل کے بارے میں کچھ نئی معلومات، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۱ء، ج ۱۲، ش ۲

۲۲ استاد احمد معمار تاج محل کے خانوادہ کے بارے میں کچھ مزید اطلاعات، رضا لائبریری جرنل، رام پور، ۱۹۹۹ء، ش ۵۔۴

۲۳ اسلامی تمدن میں علم کی روایت اور اس سے متعلق مسائل، معارف، اعظم گڑھ، مارچ اور اپریل ۱۹۸۵ء، ج ۳، ش ۴

۲۴ اقبال اور جذبۂ آزادی، اقبال ریویو، پاکستان ۱۹۷۶ء، ج ۱۲، ش ۴

۲۵ اکبری دور کا فارسی ادب، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۹۹۔۱۹۹۸ء

۲۶ اکبری دور کا آخری مؤرخ؛ اسد بیگ قزوینی، معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۵ء، ج ۷۵، ش ۳

۲۷ الحاق اور دیوان انوری، مرتبہ پروفیسر نفیسی، فکر ونظر، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۲ء، ج ۳۔ش ۱

۲۸ البیرونی، برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۸ء

۲۹ البیرونی کی کتاب آثار الباقیہ، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۸ء، ج ۹، ش ۱

۳۰ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم دین کے مترجم کا صحیح نام، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری، ۲۰۰۱ء، ج ۲۲، ش ۱

۳۱ امیر خلف بن احمد بادشاہ سیستان، نذر مختار، دہلی، ۱۹۸۸ء

۳۲ امریکہ کے بعض میوزیم کے چند قیمتی مخطوطات، رضا لائبریری جرنل، رام پور، ۱۹۹۹ء، ش ۵۔۴

۳۳ ایضاً، معارف، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۹۸ء، ج ۱۶۱، ش ۵

۳۴ انسانی اجتماعی زندگی کا ارتقا، اردو، کراچی، جولائی وستمبر ۱۹۶۸ء، ج ۴۴ ش ۳

۳۵ انکیانو اور سعدی شیرازی، معارف، اعظم گڑھ، جولائی ۲۰۰۰ء، ج ۱۶۶، ش ۷

۳۶ اوائل گیارہویں صدی کا ایک اہم فرہنگ نویس یعنی محمد قاسم سروری کاشانی، مؤلف مجمع الفرس، معاصر، پٹنہ، اکتوبر ۱۹۵۸ء، ج ۱۳

۳۷ ایاز، محمود کے دربار کا ایک جرنل، مجلّہ برہان، دہلی، ۱۹۸۴ء

۳۸ ایرانی طب کا مختصر خاکہ، تکمیل الطب، لکھنؤ، ۱۹۵۶ء

۳۹ ایک اہم اور نادر فارسی خطّی مجموعہ کا انکشاف اور اس کا تعارف، رضا لائبریری جرنل، رام پور، ۱۹۹۶ء، ش ۳

۴۰ ایران کے کتب خانے، معارف، اعظم گڑھ، اپریل اور مئی ۱۹۵۷ء، ج ۷۹، ش ۴۔۵

۴۱ ایران کی قدیم زبانیں، نگار، لکھنؤ، جون ۱۹۵۷ء

۴۲ ایک قدیم ضرب المثل، یادگار نامہ قاضی عبدالودود، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۴۳ باقر کاشانی اور اس کا مرثیہ، معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۵۳ء، ج ۷۲، ش ۵

۴۴ بت خانہ، برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۵ء

۴۵ بتخانہ محمد صوفی مازندرانی کا ایک نادر نسخہ بھوپال میں، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۵ء، ج ۶، ش ۱

۴۶ بدیع الدین ترکو سیستانی، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون۔دسمبر ۱۹۶۵ء، ج ۶، ش ۱۔۲

۴۷ برہان قاطع، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون۔دسمبر ۱۹۶۹ء، ج ۱۰، ش ۱۔۲

۴۸ بہمنیوں سے پہلے دکن کی ایک اہم فارسی تصنیف: فرہنگ دستور الافاضل، معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۷۷ء، ج ۱۱۹، ش ۱

۴۹ بھاگ متی کا افسانہ اصلی ہے یا جعلی، نوائے ادب، علی گڑھ، مئی ۱۹۵۸ء، ج ۹، ش ۲

۵۰ بھاگ متی اور بھاگ نگر افسانہ، تحقیق، سندھ پاکستان، ۱۹۹۸ء

۵۱ بیجاپور میں اردو ادب کا ارتقا، تاریخ ادب اردو، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

۵۲ پروفیسر مسعود حسین خاں کی صوتیاتی تحقیق، نذر مسعود، لاہور، ۲۰۰۷ء

۵۳ پروفیسر مسعود حسین خاں کی علمی و ادبی اور تحقیقی خدمات، نذر مسعود، لاہور، ۲۰۰۷ء

۵۴ پروفیسر مختار الدین احمد، قدیم وجدید علمی روایات کے حامل، پروفیسر مختار الدین احمد محقق اور دانشور، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء

۵۵ پروفیسر مختار الدین احمد، ایک دوست، نذر مختار، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء

۵۶ پنج آہنگ، غالب نامہ، دہلی، جنوری ۱۹۸۸ء، ج ۹، ش ۱

۵۷ پنج آہنگ: آہنگ دوم زمزمہ چہارم میں غالب کے منتخب الفاظ، برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۸ء

۵۸ تاریخی تحقیق کے بعض بنیادی مسائل، علی گڑھ میگزین، علی گڑھ ۱۹۵۹ء، ش ۱

۵۹ تاثرات، عابدی نامہ، نئی دہلی، ۱۹۹۰ء

۶۰ تاریخی وادبی تحقیقات میں شہادت کی اہمیت حافظ محمود شیرانی کے بیانات کی روشنی میں، عربیک پرشن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ جرنل، ٹونک راجستھان، ۸۲۔۱۹۸۱ء

۶۱ تاریخ ایران کی تین نامور خواتین، تحقیق، سندھ پاکستان، ۱۹۹۸ء

۶۲ تاج الدین محمود اشہنی، چھٹی ساتویں صدی ہجری کے عارف شاعر وادیب، معارف، اعظم گڑھ، مئی اور جون ۱۹۹۱ء، ج ۱۴۷، ش ۵۔۶

۶۳ تحریک اعظم کیوان، اورینٹل کانفرنس، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۵۷ء

۶۴ تخریج وتعلیقات کی اہمیت، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۷ء، ج ۸، ش ۱

۶۵ تحفۃ الخبیب تالیف فخری امیر ہروی، معارف، اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۷۶ء، ج ۱۱۸، ش ۴

۶۶ تذکرہ میخانہ کا ایک اہم مخطوطہ، اورینٹل کالج میگزین، دانشگاہ پنجاب، نومبر ۱۹۵۵ء، مئی و اگست ۱۹۵۷ء، ج ۲۳، ش ۱۔۳۔۴

۶۷ تذکرۂ لباب الالباب عوفی، معارف، اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۵۵ء، ج ۷۶، ش ۳

۶۸ تذکرہ خلاصۃ الاشعار، معارف، اعظم گڑھ، اگست وستمبر ۱۹۶۰ء، ج ۸۶، ش ۲۔۳

۶۹ تصحیفات اور فارسی لغات، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون ودسمبر ۱۹۶۷ء، ج ۸، ش ۱۔۲

۷۰ تقی اوحدی اصفہانی صاحب عرفات العاشقین، معارف، اعظم گڑھ، جنوری وفروری ۱۹۵۶ء، ج ۷۷، ش ۱۔۲

۷۱ تیرھویں صدی کا ایک اہم فارسی شاعر عمید لو یکی سنائی، فکر ونظر، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۶۴، ج ۵، ش ۴

۷۲ جوئے مولیان، معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۹۸ء، ج ۱۶۲، ش ۵

۷۳ جماعت شاہیہ: مرتبہ سید محمد جعفر اور ان کا خانوادہ، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۶ء، ج ۱۷، ش ۲

۷۴ جہانگیر اور اس کا علمی شاہکار توزک جہانگیری، فکر وتحقیق، نئی دہلی، مئی۔ جون ۲۰۰۰ء

۷۵ جہانکشای جوینی اور دوسرے رسائل کا ایک نادر مجموعہ، یادگار نامہ فخر الدین علی احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

۷۶ چچ نامہ میں منقول فارسی اشعار کے بارے میں ایک مختصر گزارش، تحقیق، سندھ پاکستان، ۱۹۹۱ء، ش ۵

۷۷ چندر بدن ومہیار کا مصنف، تحقیق، سندھ پاکستان، ۱۹۹۸ء

۷۸ چند قومی مرثیے، معارف، اعظم گڑھ، ستمبر واکتوبر ۱۹۹۴ء، ج ۱۵۴، ش ۳۔۴

۷۹ چندر بدن ومہیار کا مطالعہ اور اس کے مصنف کے تعین کے سلسلے میں محمد اکبر الدین کی کوشش کا جائزہ، اردو ادب، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۵۷ء، ج ۶، ش ۳

۸۰ چہار مقالہ، فکر ونظر، علی گڑھ، اپریل ۱۹۶۲ء، ج ۳، ش ۲

۸۱ حافظ شیرازی، ایک مطالعہ، فکر ونظر، علی گڑھ، ۱۹۹۳ء، ج ۳۰، ش ۲

۸۲ حافظ شیرازی کے دیوان میں غلط انتسابات کی مثالیں، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۷ء

۸۳ حافظ شیرازی کے استاد قوم الدین عبداللہ شیرازی، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۷ء، ج ۱۸، ش ۱

۸۴ حافظ شیرازی کے دو قدیم ترین مآخذ، فکر ونظر، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۰ء، ج ۱، ش ۱

۸۵ حضرت شیخ سماء الدین دہلوی، معارف، اعظم گڑھ، جنوری وفروری ۱۹۵۵ء، ج ۷۵، ش ۱۔۲

۸۶ حضرت ابوبکر کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر کا دردناک قتل اور ان کی والدہ کے تاثرات، معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۲۰۰۱ء، ج۔ ۱۶۸، ش ۵

۸۷ حکیم سنائی غزنوی کی مقبولیت خود اپنے زمانے میں، تحقیق، سندھ پاکستان، ۱۹۸۸ء

۸۸ ایضاً، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۷۹۔۱۹۷۶ء، ج ۱۲، ش ۱۔۲

۸۹ حکیم سنائی غزنوی، معارف، اعظم گڑھ، اگست وستمبر ۱۹۷۹ء، ج ۱۶۴، ش ۲۔۳

۹۰ حکیم سنائی کے قصائد اور افکار، معارف، اعظم گڑھ، ستمبر واکتوبر ۱۹۸۳ء، ج ۱۶۴، ش ۳۔۴

۹۱ حیدر آباد کی وجہ تسمیہ، خدا بخش جرنل، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

۹۲ خانخانان اور اس کی مدح، نگار، لکھنؤ، مارچ واپریل ۱۹۴۹ء، ج ۵۵، ش ۳۔۴

۹۳ خاندان جیھانی، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۰ء، ش ۴

۹۴ خاندان پاٹودی کے مورث اعلیٰ، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۷ء، ج ۱۸، ش ۱

۹۵ خطبۂ استقبالیہ، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۲۰۰۱ء، ج ۲۲، ش ۲

۹۶ ایضاً، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۸ء، ج ۱۹، ش ۲

۹۷ خسرو ثانی، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۸ء

۹۸ خسرو ثانی شیخ جمال دہلوی، اردو ادب، علی گڑھ، جولائی وستمبر ۱۹۵۴ء، ج ۴، ش ۲۔۳

۹۹ خلاصۃ الاشعار کے نسخے، اورینٹل کانفرنس، انا ملائی، دسمبر ۱۹۵۵ء

۱۰۰ خلجی اور تغلق کے عہد کے کچھ غیر معروف شاعر، صحیفہ (نمبر ۴۲)، دہلی، ۱۹۶۹ء، ج ۸

۱۰۱ خلاصۃ الاشعار مؤلف تقی الدین محمد کاشی، معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۵۲ء، ج ۱۷، ش ۶۱

۱۰۲ خلاصۃ الاشعار وزبدۃ الافکار، معارف، اعظم گڑھ، جون ۱۹۵۶ء، ج ۷۷، ش ۶

۱۰۳ خلجی اور تغلق دور کے چند گمنام شاعر، ارمغان ایران، لاہور، ۱۹۷۱ء

۱۰۴ خواجہ دیندار خان شیرازی، معاصر، پٹنہ، اکتوبر ۱۹۵۹ء، ش ۱۵

۱۰۵ دستنبو اور دساتیر، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۳ء، ج ۱۴، ش ۲

۱۰۶ دساتیر کا علمی مطالعہ، نوائے ادب، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۵۷ء، ج ۸، ش ۴

۱۰۷ دساتیر پر ایک نظر، فکر ونظر، علی گڑھ، اپریل ۱۹۶۰ء، ج ۱، ش ۲

۱۰۸ دکن میں علم وثقافت کی روایت، فکر ونظر، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۸۵ء ج ۳

۱۰۹ دیوان شاہ کمال الدین حسینی کا ایک مخطوطہ، تاریخ ادب اردو، علی گڑھ، اگست ۱۹۵۸ء

۱۱۰ دیوان حافظ کا ایک قدیم مخطوطہ، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۶۰، ج ۱، ش ۲

۱۱۱ دیوان کلیم کاشانی، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون ۱۹۶۰، ج ۱۴، ش ۱۔۲

۱۱۲ دینی نظام تعلیم، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون ۱۹۸۸ء، ج ۱۴ ش ۱۔۲

۱۱۳ دیوان سراجی، فکر ونظر، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۲ء، ج ۳، ش ۱

۱۱۴ دیوان حافظ میں الحاق، معارف، اعظم گڑھ، جنوری، فروری اور مارچ ۱۹۵۷ء، ج ۷۹، ش ۱۔۲۔۳

۱۱۵ دیوان معین الدین کے بارے میں کچھ گزارش، معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۹۱ء، ج ۱۴۷، ش ۱

۱۱۶ ذبیح اللہ صفا حیات اور کارنامے ایک نظر میں، اسلام اور عصر جدید، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۰، ج ۲۲، ش ۳

۱۱۷ رسائل اعجاز خسروی کا تیسرا رسالہ، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۴ء، ج ۱۵، ش ۱

۱۱۸ رواں، تلفظ اور معنی، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۱ء، ج ۲، ش ۲

۱۱۹ زفان گویا، برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۶ء

۱۲۰ زفان گویا میں ہندوستانی عنصر، اردو، کراچی، جولائی ۱۹۶۷ء، ج ۴۳، ش ۳

۱۲۱ ساتویں صدی ہجری کی چار نامور ایرانی خواتین، معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۲۰۰۱ء، ج ۱۶۷، ش ۳

۱۲۲ سعدی شیرازی کی ولادت کے سلسلے کی چند داخلی شہادتوں کا تجزیہ، معارف، اعظم گڑھ، جون ۱۹۸۳ء، ج ۱۳۱، ش ۶

۱۲۳ سفینہ نزہت المجالس، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۰ء، ش ۴

۱۲۴ سلاجقہ اور غالب دہلوی کے جدّ اعلیٰ سلطان برکیارق سلجوقی، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۵ء، ج ۱۶، ش ۱

۱۲۵ سلاطین گجرات کی ایک نادر تاریخ، فکر ونظر، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۶۰ء، ج ۱، ش ۴

۱۲۶ سلاطین وامرائے مغلیہ کا نیا کلام، فکر ونظر، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۳ء، ج ۴، ش ۱

۱۲۷ سندھ، مکران کی سیاسی وثقافتی تاریخ کے چند نئے مآخذ، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۲ء، ج ۶

۱۲۸ سندھ اور ملتان میں ساتویں صدی ہجری کا ایک غیر معروف علم پرور حکمران تاج الدین ابوبکر ایاز، فکر ونظر، علی گڑھ، ۱۹۹۸ء، ج ۳۵، ش ۳

۱۲۹ سنائی کا مذہب، معارف، اعظم گڑھ، نومبر و دسمبر ۱۹۷۹ء، ج ۱۲۴، ش ۶

۱۳۰ سنجر کاشانی، نگار، لکھنؤ، اگست، ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۷ء، ج ۵۴، ش ۲۔۳۔۴

۱۳۱ سید ابوالعلا اکبر آبادی، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۹۵۔۱۹۹۴ء

۱۳۲ شاہ تراب چشتی، نیا ادب، لکھنو، نومبر ۱۹۵۸ء

۱۳۳ شاہان شرقی کے دور کا ایک شاعر: ملک عزیز اللہ بسطامی، فکر و نظر، علی گڑھ، جولائی ۱۹۷۲ء، ج ۱۲، ش ۳

۱۳۴ شہاب الدین سہروردی کے مریدین شیراز میں، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۲۰۰۳ء، ج ۲۴، ش ۱

۱۳۵ شیر خانی، مجلّہ برہان، دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء

۱۳۶ شیرانی اور ان کی فارسی تحقیق، اردو، کراچی ۱۹۰۸ء، ج ۵۶، ش ۴

۱۳۷ شیرانی کی تحقیقات پر ایک نظر، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۰ء، ج ۱۱، ش ۲

۱۳۸ شیخ ابواسحاق کازرونی، رنگ و بو، مجلّہ علمی و انتقادی، دانشگاہ روہیلکھنڈ، ۱۹۹۲ء

۱۳۹ شیخ سعدی شیرازی (وفات ۶۹۲ھ) کے عہد کا ایک علمی خانوادہ، فکر و تحقیق، جنوری، فروری اور مارچ ۲۰۰۱، ج ۴، ش ۱

۱۴۰ شیخ ابواسحاق کازرونی چوتھی صدی ہجری کے ایک مقبول عارف، یادگار نامہ فخر الدین علی احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

۱۴۱ شیخ سنجان خواجہ رکن الدین محمود، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۹ء، ج ۲۰، ش ۱

۱۴۲ شیخ آمون، تحقیق و تدوین، علی گڑھ، نومبر ۱۹۸۸ء

۱۴۳ شیخ جمال دہلوی، اردو ادب، علی گڑھ، ۱۹۵۴ء

۱۴۴ صدر الصدور سید جلال بخاری رضوی، عہد شاہجہانی کے صاحب دیوان منصب دار، تحقیقات فارسی، دانشگاہ دہلی، ۱۹۹۰ء

۱۴۵ ظہور بن ظہوری اور اس کا اردو کلام، آج کل، دہلی، دسمبر ۱۹۵۸ء، ج ۱۹، ش ۲

۱۴۶ ظہور الاسرار نامی اور مطہر کڑہ۔ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۶۷ء، ج ۹۹، ش ۱

۱۴۷ ظہور الاسرار اور مطہر کڑہ: ایک گزارش، ادبی اور تحقیقی کارنامہ، امتیاز علی عرشی، غالب انسٹی

ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء

۱۴۸ ایضاً، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۲ء، ج ۱۳، ش ۱

۱۴۹ عادل شاہی حکمرانوں کی سید محمد حسین گیسودراز سے ارادت وعقیدت، منادی، ۱۹۸۹ء

۱۵۰ عبدالقادر نورس اور اس کا کلام، معارف، اعظم گڑھ، جون، جولائی ۱۹۶۹ء، ج ۱۰۴۔۱۰۳، ش ۱۔۶

۱۵۱ عرفی شیرازی، نگار، لکھنؤ، دسمبر ۱۹۴۷ء، ج ۵۲۔ش ۶

۱۵۲ عرفی اور اس کا اثر غالب پر، اردو ادب، علی گڑھ، مارچ، جون ۱۹۵۳ء، ج ۴، ش ۲، ۳

۱۵۳ عمر خیام کی بعض کامیاب تحریریں، اورینٹل کالج میگزین، دانشگاہ پنجاب پاکستان، مئی ۱۹۵۹ء، ج ۳۵، ش ۳

۱۵۴ عمید لوکی کے کلام میں غلط انتسابات کی نشاندہی، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۸ء

۱۵۵ عمادالدین نیازی، اردو ادب، علی گڑھ، جولائی ۱۹۵۵ء، ج ۵، ش ۱

۱۵۶ عمید لوکی، معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۷۶ء، ج ۱۱۷، ش ۳

۱۵۷ عمید الدولہ ابوالحسن فائق الخاصہ امیر الجیوش سامانیان، معارف، اعظم گڑھ، اگست ۱۹۸۸ء، ج ۱۴۲، ش ۲

۱۵۸ عمید الدین ابونصر ابزری فارسی انصاری مصنف قصیدۂ اشکوانیہ ومعاصر سعدی شیرازی، معارف، اعظم گڑھ، اپریل ۲۰۰۰ء، ج ۱۶۶، ش ۴

۱۵۹ عوارف المعارف کے قدیم فارسی ترجمے (تکملہ)، فکر ونظر، علی گڑھ، جولائی ۱۹۶۳ء، ج ۴، ۳

۱۶۰ عہد جہانگیر کا ایک اہم مصنف وشاعر، معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۵۶ء

۱۶۱ غالب فرہنگ نگار کی حیثیت سے، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۴ء، ج ۵، ش ۲

۱۶۲ غالب نقاد سخن کی حیثیت سے، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۱ء، ج ۲، ش ۱

۱۶۳ غالب کے ایک اردو خط کے چند لغوی مسائل، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۷ء، ج ۸، ش ۲

۱۶۴ غالب کے ایک خط کے بعض توضیحی امور، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری، جولائی ۱۹۸۹ء، ج ۱۰، ش ۱، ۲

۱۶۵ غالب کے ایک خط کے بعض امور کی توضیحی، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۲ء، ج ۱۳، ش ۱

۱۶۶ غالب کے بعض اردو خطوں سے متعلق کچھ علمی وادبی مسائل، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۴ء، ج ۱۵، ش ۱

۱۶۷ غالب کے شعر میں ایک دلچسپ تلمیح، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۵ء، ج ۱۶، ش ۱

۱۶۸ غالب کے اردو دیوان کا دیباچہ، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۹ء، ج ۲۰، ش ۱

۱۶۹ غالب کے ایک قریبی معاصر وارستہ سیالکوٹی، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۶ء ج ۱۷، ش ۱

۱۷۰ غالب کی ایک دلچسپ تلمیح اور اس کا تاریخی پس منظر، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۹ء، ج ۲۰، ش ۱

۱۷۱ غالب کی ایک دل پسند فرہنگ سرمۂ سلیمانی، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۲۰۰۱ء، ج ۲۲، ش ۱

۱۷۲ غالب کے ایک نایاب خط کے بارے میں چند توضیحات، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۱ء، ج ۱۲، ش ۱

۱۷۳ غالب کے ایک شعر کی چار تلمیحات، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۴ء، ج ۱۵، ش ۲

۱۷۴ غالب کی فارسی نثر نگاری، غالب پر چند مقالے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۱۷۵ غالب کی فارسی قصیدہ نگاری، غالب پر چند مقالے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۱۷۶ غالب کے فارسی قصائد کا مطالعہ لسانی نقطۂ نظر سے، غالب پر چند مقالے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۱۷۷ غالب کا ایک اہم فارسی خط، غالب پر چند مقالے، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۱۷۸ غالب اور عرفی، اردو ادب، علی گڑھ، ۱۹۵۵ء

۱۷۹ غالب اور ظہوری، اردو ادب، علی گڑھ، جولائی تا دسمبر ۱۹۵۲ء، ج ۳، ش ۳-۴

۱۸۰ غالب اور صاحب برہان قاطع میں اتحاد، غالب سمینار، نئی دہلی، ۱۹۶۹ء

۱۸۱ غالب کے ایک خط کے چند علمی مسائل، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۶ء، ج ۱۷، ش ۱

۱۸۲ غازان خان کے خط بہاء الدین زکریا کے پوتے کے نام، اورینٹل کالج میگزین، دانشگاہ پنجاب، اپریل ۱۹۸۸ء، ج ۶۱

۱۸۳ غزلیات ظہیر اور ان کا مصنف، معارف، اعظم گڑھ، اگست ۱۹۶۲ء، ج ۹۰، ش ۲

۱۸۴ غزلیات سلمان ساوجی، خدا بخش جرنل، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

۱۸۵ غلط انتسابات سے متعلق محمود شیرانی کی تحقیقات، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۸ء

۱۸۶ فاریاب کی تاریخ، یونیورسٹی جرنل، شعبہ فارسی کلکتہ، ۱۹۸۵ء

۱۸۷ فارسی میں الفاظ کی تصحیح کا مسئلہ، تحریر، دہلی، ۱۹۶۸ء، ج ۲، ش ۱

۱۸۸ فارسی کی ایک قدیم بیاض (خطبہ استقبالیہ)، رضا لائبریری جرنل، رام پور، ۲۰۰۲ء، شمارہ ۶ ـ ۷

۱۸۹ فارسی کے چند قطعات سے متعلق یادداشتیں، تحقیق، سندھ، پاکستان ۱۹۹۴ء، ش ۷

۱۹۰ فارسی میں ث اور ذال کے متعلق ایک گزارش، اردو ادب، علی گڑھ، مارچ ۱۹۵۸ء، ج ۶، ش ۴

۱۹۱ فارسی صرفی ونحوی اثرات اردو زبان پر، فکر ونظر، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۶۲ء، ج ۳، ش ۴

۱۹۲ فارسی املا کے مسائل، فکر ونظر، علی گڑھ، جولائی ۱۹۶۴ء، ج ۵، ش ۳

۱۹۳ فارسی کے چار نایاب تذکرے، معارف، اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۵۷ء، ج ۸۰، ش ۱

۱۹۴ فارسی زبان میں صوت شناسی، معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۵۷ء، ج ۸۱، ش ۴

۱۹۵ فارسی کی سب سے قدیم طبّی تصنیف، معارف، اعظم گڑھ، اکتوبر ونومبر ۱۹۹۰ء، ج ۱۴۶، ش ۴ ـ ۵

۱۹۶ فارسی ساقی نامہ، نگار، لکھنؤ، ستمبر ۱۹۴۷ء، ج ۵۲، ش ۳

۱۹۷ فارسی کی تاریخی وتمدنی اہمیت، نگار، لکھنؤ، جون ۱۹۵۴ء

۱۹۸ فارسی اشعار کے قدیم ترین مجموعے، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۲۰۰۴، ج ۲۵، ش ۱

۱۹۹ فارسی زبان وادب سے متعلق شیرانی کی تحقیقات ایک جائزہ، تحقیق مطالعے، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۲۰۰ ایضاً، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۰ء، ج ۱۱، ش ۲

۲۰۱ فارسی کے ساقی نامے، اھنگ، دہلی، نومبر ۱۹۵۸ء

۲۰۲ فارسی کا مستقبل ہندوستان میں، علی گڑھ میگزین، ۶۱ ـ ۱۹۵۹ء

۲۰۳ فخر مدبر اور اس کا شجرۂ نسب، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۷ء

۲۰۴ فخری اسفہانی، یادگار نامہ یوسف حسین خاں، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء

۲۰۵ فرہنگ تحفۃ السعادت، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون ـ دسمبر ۱۹۶۶ء، ج ۷، ش ۱ ـ ۲

۲۰۶ فرہنگوں میں غلط فارسی الفاظ، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون ودسمبر ۱۹۶۸ء

۲۰۷ فرہنگ وفائی اور اس کا قدیم ترین مخطوطہ، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۸۷ ـ ۱۹۸۰ء، ج ۱۳، ش ۱ ـ ۲

۲۰۸ فرہنگ جعفری، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۸۹ء ج ۱۵، ش ۱۔۲

۲۰۹ فرقۂ نقطوی پر ایک طائرانہ نظر، فکر ونظر، علی گڑھ، جولائی ۱۹۶۰ء، ج ۱، ش ۳

۲۱۰ فرائد غیاثی اور ہندوستانی عنصر، فکر ونظر، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۶۵ء، ج ۶، ش ۴

۲۱۱ فرہنگ نامۂ قواس، فکر ونظر، علی گڑھ، جولائی ۱۹۶۵ء، ج ۶، ش ۳

۲۱۲ فرہنگ شیر خانی اور اس کا مؤلف، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۴، ش ۲

۲۱۳ فرہنگ قواس کا ایک جعلی نسخہ بھوپال میں، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء، ج ۴، ش ۲

۲۱۴ فرہنگ زفان گویا و جہان پویا، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۶ء، ج ۷، ش ۱

۲۱۵ فرھنگ قواس کا نسخہ کراچی اور اس کے ذیلی حاشیے، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۲ء، ش ۶

۲۱۶ فزونی استر آبادی، اورینٹل کالج میگزین، دانشگاہ پنجاب پاکستان، نومبر ۱۹۵۸ء، ج ۳۵، ش ۱

۲۱۷ فوائد الفواد میں مندرج چند تاریخی وادبی امور کا جائزہ، منادی، نئی دہلی، ۱۹۸۱ء، ج ۵۶، ش ۱۱

۲۱۸ فیروز شاہ تغلق کے عہد کے چند فارسی شعرا، نذر رحمان، مجلس نذرِ رحمان، لاہور، ۱۹۶۶ء

۲۱۹ فیروز شاہ تغلق کے عہد کا ایک فارسی لغت نگار، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۴ء، ش ۷

۲۲۰ قاسم کاہی کابلی اور اس کا رسالۂ قافیہ، تحقیق، سندھ، پاکستان، ج ۱۳، ش ۱۲

۲۲۱ قاسم کاہی کے حالات اور کلام پر مزید روشنی، معارف، اعظم گڑھ، جولائی، اگست وستمبر ۱۹۵۷ء، ج ۸۰، ش ۲۔۳۔۴

۲۲۲ قادر کا نو دریافت دکنی مرثیہ، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۸ء، ج ۹، ش ۲

۲۲۳ قدیم اردو شاعر لطفی کے زمانے کا تعین، معاصر، پٹنہ، جولائی ۱۹۵۹ء، ش ۱۴

۲۲۴ قدیم فارسی فرہنگوں میں (زفان گویا) اردو عناصر، اردو، کراچی، جولائی، ۱۹۶۷ء

۲۲۵ قدیم متون میں تصرف وتحریفات کے وجوہ، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۸ء

۲۲۶ قدیم ایرانی وزرتشتی عناصر اردو ادب میں، فکر ونظر، علی گڑھ، اپریل ۱۹۶۱ء، ج ۲، ش ۲

۲۲۷ قدیم دکنی شاعر مشتاق کے زمانے کے تعین کے سلسلے میں گزارش، اردو ادب، علی گڑھ، جون ۱۹۵۸ء، ج ۷، ش ۱

۲۲۸ قدیم دکنی شاعر مشتاق کا زمانہ، ہماری زبان، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۵۸ء، ج ۱۷، ش ۴

۲۲۹ قرآن کریم اور اس کی نسبت سے بعض علوم کی ایجاد وترقی، معارف، اعظم گڑھ، مئی، جون و

جولائی ۱۹۸۰ء، ج ۱۲۵، ش ۱۔۴۔۵

۲۳۰ قطعات تاریخی کی ایک اہم تالیف مخبر الواصلین، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۳ء، ج ۱۸، ش ۲۔۱

۲۳۱ قطب الدین فیروز بیدری اور اس کا پرت نامہ، اردو ادب، علی گڑھ، جون ۱۹۵۷ء، ج ۶، ۱

۲۳۲ قواس جعلی، مجلّہ برہان، دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء

۲۳۳ کتاب نورس کا ایک اہم اور سب سے مکمل نسخہ، نوائے ادب، بمبئی، اکتوبر ۱۹۶۶ء، ج ۱۷، ش ۴

۲۳۴ کتاب نورس مصنفہ ابراہیم عادل شاہ کے مخطوطات، معارف، اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۵۳ء، ج ۷۲، ش ۱

۲۳۵ کتاب نورس مصنفہ ابراہیم عادل شاہ ثانی، اردو ادب، علی گڑھ، اپریل تا جون ۱۹۵۲ء، ج ۳، ۲

۲۳۶ کتابخانہ حبیب گنج، فکر و نظر، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۱ء، ج ۲، ش ۱

۲۳۷ کچھ سعدی شیرازی کے بارے میں، اسلام اور عصر جدید، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، اپریل جولائی ۱۹۸۹ء، ج ۲۱، ش ۲۔۳

۲۳۸ کچھ سعدی شیرازی کے بارے میں، معارف، اعظم گڑھ، مئی و جون ۱۹۸۹ء، ج ۱۴۳، ش ۵۔۶

۲۳۹ کچھ کتاب نورس کی بابت، معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۶ء، ج ۷۷، ش ۳

۲۴۰ کچھ کتاب نورس کے متعلق، معارف، اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۵۶ء، ج ۷۷، ش ۴

۲۴۱ کچھ ابراہیم عادل شاہ کے دور کی مصوّری کے بارے میں، فکر و نظر، علی گڑھ، ۱۹۹۵ء، ج ۳۲ ش ۳

۲۴۲ کھنبایت کے چند کتبات سے متعلق یادداشتیں، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۸۱ء، ج ۲، ش ۱

۲۴۳ کلیم کی ہندوستان میں آمد، اورینٹل کالج میگزین، دانشگاہ پنجاب پاکستان، اگست ۱۹۵۹ء، ج ۳۵ ش ۴

۲۴۴ کلمۂ زندنچی کے بارے میں ایک مختصر گزارش، معارف، اعظم گڑھ، اگست ۱۹۹۰ء، ج ۱۴۶، ش ۳

۲۴۵ کیا مشتاق بہمنی دور کا شاعر تھا؟، ہماری زبان، علی گڑھ، اگست ۱۹۵۹ء

۲۴۶ کیا کتاب مینا بازار ظہوری کی تصنیف ہے؟، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۸ء

۲۴۷ ایضاً، معارف، اعظم گڑھ، اپریل و اگست ۱۹۵۵ء، ج ۷۵، ش ۲۔۴

۲۴۸ کیا مصباح الارواح کا مصنف جمالی دہلوی تھا؟، معارف، اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۸۱ء، ج ۱۲۷، ش ۴

۲۴۹ کیا دیوان قطب الدین، دیوان خواجہ بختیار کاکی کا ہے، معارف، اعظم گڑھ، جون ۱۹۹۰ء، ج ۱۴۵، ش ۶

۲۵۰ ایضاً، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۸ء

۲۵۱ گاہی گاہی باز خوان، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۷ء

۲۵۲ گلزار ابراہیم وخوان خلیل، معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۲ء، ج ۶۹، ش ۳

۲۵۳ گیارہویں صدی ہجری کا ایک نامور فارسی شاعر، فکر ونظر، علی گڑھ ۱۹۹۷ء، ج ۳۴، ش ۳

۲۵۴ لباب الالباب کا ایک مخطوطہ، اردو ادب، علی گڑھ، ستمبر ۱۹۵۵ء، ج ۵، ش ۳

۲۵۵ لسان الشعرا، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۳ء، ش ۷

۲۵۶ لفظ ''بیرنگ'' غالب کے ایک شعر میں، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۱ء، ج ۱۲، ش ۲

۲۵۷ لفظ بانگ کا استعمال دستور الاخوان میں، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۶ء

۲۵۸ متون کی تصحیح، مجلّہ برہان، دہلی، جنوری ۱۹۸۶ء

۲۵۹ متن رسالۂ فنای ثلاثہ از میر ابوالعلاء اکبر آبادی، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۵-۱۹۹۴ء

۲۶۰ متون کی تصحیح وتنقید میں تخریج وتعلیقات کی اہمیت، غالب نامہ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۲۶۱ متنی تحقیق کی مشکلات، نقوش، لاہور، مارچ ۱۹۶۳ء، ش ۹۷

۲۶۲ مثنوی تنقیح الاشعار، اورینٹل کانفرس، حیدرآباد، اکتوبر ۱۹۵۳ء

۲۶۳ مثنوی منبع الانہا، اورینٹل کانفرنس، حیدرآباد، اکتوبر ۱۹۵۳ء

۲۶۴ مجلس اقبال، اقبال ریویو، جولائی ۱۹۷۲ء، ج ۱۳، ش ۲

۲۶۵ محمد قاسم سروری کاشانی، معاصر، پٹنہ، اکتوبر ۱۹۵۸ء

۲۶۶ محمود شاہ تغلق کے ایک فرمان کی بابت آزاد بلگرامی کی شہادت، فکر ونظر، علی گڑھ، جولائی ۱۹۶۰ء

۲۶۷ مخطوطہ شناسی میں املا خواص کی اہمیت (کلیات سلمان اور سعدی نسخہ خدا بخش میں کاتب کے جعل کی دریافت)، خدا بخش جرنل، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

۲۶۸ مرغوب القلوب شمس تبریزی کی مثنوی، اورینٹل کانفرنس، بھبنیشور ۱۹۵۸ء

۲۶۹ مرزا غازی بیگ ترخان اور اس کا دیوان، رضا لائبریری جرنل، رام پور، ۲۰۰۲ء، ش ۹۔۸

۲۷۰ معمائے کاھی، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، نومبر ۱۹۵۸ء، ج ۳۵، ش ۱

۲۷۱ معراج العاشقین، نوائے ادب، بمبئی، اکتوبر ۱۹۶۷ء، جنوری ۱۹۶۸ء، ج ۱۹۔۱۸، ش ۱۔۴

۲۷۲ معمار تاج محل کے خانوادہ پر مزید روشنی، ہسٹری جرنل ہمدرد، دہلی، فروری ۱۹۵۹ء

۲۷۳ معراج العاشقین کا نیا ایڈیشن، اردو ادب، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۵۷ء، ج ۶، ش ۳

۲۷۴ معمار تاج محل کے خانوادہ کا ایک اہم رکن، اردو ادب، علی گڑھ، مارچ ۱۹۵۵ء، ج ۴، ش ۳

۲۷۵ مغل منصبدار اعتقاد خان، یادگار نامہ یوسف حسین خاں، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء

۲۷۶ مقدمۂ جامعہ دیوان حافظ، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۸ء

۲۷۷ مقیمی اور مقیم استرآبادی، اردو ادب، علی گڑھ، دسمبر ۱۹۵۸ء، ج ۸، ش ۱

۲۷۸ ملکہ نور جہاں کے سلسلۂ مادری و پدری کے اہم افراد، معارف، اعظم گڑھ، جولائی، اگست و ستمبر ۱۹۵۸ء، ج ۸۲، ش ۱

۲۷۹ ملک قمی اور اس کا نثری رسالہ، اورینٹل، ج ۳۳۷، ش ۳

۲۸۰ مونس الاحرار کلاتی اصفہانی، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء ج ۱۷ ش ۲۔۱

۲۸۱ مونس الاحرار، مؤلفہ احمد بن محمد کلاتی اصفہانی، فکر و نظر، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۶۱ء، ج ۲، ش ۴

۲۸۲ مولانا حمید قلندر اور ان کے ہم عصر شاعر، فکر و نظر، علی گڑھ، اپریل ۱۹۶۵ء، ج ۶، ش ۲

۲۸۳ مولانا آزاد لائبریری کے ذخائر مخطوطات پر ایک نظر، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۴ء، ش ۷

۲۸۴ مولانا زادہ سمرقندی متخلص بہ بدیعی، نذر عرشی، دہلی، ۱۹۶۵ء

۲۸۵ میر جمال الدین حسین انجوی شیرازی، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون ۱۹۶۰ء، ج ۱۶، ش ۱۔۲

۲۸۶ میر محمد صالح کشفی اور ان کی تصنیف مناقب مرتضوی، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۱۔۱۹۹۰، ج ۱۶، ش ۱۔۲

۲۸۷ مولانا شبلی اور ان کی فارسی خدمات، معارف، اعظم گڑھ، جنوری۔فروری ۱۹۸۰ء، ج ۱۲۵

۲۸۸ مینا بازار کا مصنف، معارف، اعظم گڑھ، جولائی و اگست ۱۹۵۴ء، ج ۷۴، ش ۱۔۲

۲۸۹ مینا بازار پر ایک نظر، معارف، اعظم گڑھ، جولائی و اگست ۱۹۵۵ء، ج ۷۶، ۱۔۲

۲۹۰ میر محمد مومن عرشی اکبر آبادی، معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۹۲ء، ج ۱۵۱، ش ۶

۲۹۱ ایضاً، معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۹۳ء، ج ۱۵۱، ش ۱

۲۹۲ نادر العصر استاد احمد معمار، اورینٹل کالج میگزین، دانشگاہ پنجاب، پاکستان، فروری ۱۹۵۹ء اور مئی ۱۹۶۰ء، ج ۳۶۔۳۵، ش ۲۔۳

۲۹۳ نذر محمد قلی قطب شاہ، شاہی سلاطین کی ادب نوازی، ہسٹری جرنل، دہلی، فروری ۱۹۵۹ء

۲۹۴ نصیب اخوان مطہر کڑہ، مجلّہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، جون۔دسمبر ۱۹۶۸ء، ج ۹، ش ۱۔۲

۲۹۵ نظیری نیشاپوری، اردو ادب، علی گڑھ، اکتوبر و دسمبر ۱۹۵۴ء، ج ۴، ۲

۲۹۶ نظیری کا اثر غالب پر، اردو ادب، علی گڑھ، جون ۱۹۵۵ء، ج ۴، ش ۴

۲۹۷ نقد قاطع برہان، غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۱ء، ج ۲، ش ۲

۲۹۸ ایضاً، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری و جولائی ۱۹۸۲ء، ج ۳، ش ۱۔۲

۲۹۹ نقد فرہنگ غالب، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۲۰۰۲ء، ج ۲۳، ش ۱

۳۰۰ نقطوی مذہب اور اس کا عروج اکبر کے عہد میں، تحقیق، سندھ، پاکستان، ۱۹۹۴ء، ش ۷

۳۰۱ ایضاً، فکر و نظر، علی گڑھ، ۱۹۹۰ء

۳۰۲ نوسرہار مصنفہ اشرف (یعنی واقعہ کربلا پر ایک قدیم دکنی مثنوی)، اردو ادب، علی گڑھ، ستمبر ۱۹۵۷ء، ج ۶، ش ۲

۳۰۳ نوسرہار کے متعلق کچھ تازہ مواد، ہماری زبان، علی گڑھ، ۱۹۸۳ء

۳۰۴ نور الدین محمد ظہوری کا مولد، معارف، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۴۷ء، ج ۵۹، ش ۵

۳۰۵ نہ سپہر، اردو ادب، علی گڑھ، اکتوبر و اگست ۱۹۵۷ء، ج ۷، ش ۱۔۲

۳۰۶ وحشی یزدی، معارف، اعظم گڑھ، جولائی۔اگست ۱۹۵۲ء، ج ۷۰، ش ۱۔۲

۳۰۷ ھای مختفی اور اس سے متعلقہ دستوری و املائی مسائل، تحقیق، سندھ، پاکستان

۳۰۸ ایضاً، فکر و نظر، علی گڑھ، جنوری۔اپریل ۱۹۷۲ء، ج ۱۲، ش ۱۔۲

۳۰۹ ہمزہ کا املا، ہماری زبان، علی گڑھ، ۱۹۵۶ء

۳۱۰ ہندی کے چند مسلمان شعرا، معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۶۰ء، ج ۸۶، ش ۶

۳۱۱ ایضاً، معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۶۱ء، ج ۸۶، ش ۱

۳۱۲ ہندوستان کے مشرقی کتب خانے اور ان کے مسائل، معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۲۰۰۰ء، ج ۱۶۶، ش ۶

۳۱۳ ہندوستان میں کتب شناسی اور ہریانہ اسٹیٹ کے کچھ قدیم کتبے، غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۱۹۹۶ء، ج ۱۷، ش ۱

۳۱۴ ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی وثقافتی میراث، فکر ونظر، علی گڑھ، ۱۹۹۴ء، ج ۳۱، ش ۳

۳۱۵ یونیورسٹی کی جامعہ مسجد کا ایک قدیم اور نادر کتبہ، علی گڑھ میگزین، ۹۷-۱۹۹۵ء

غالب نامہ میں لکھے گئے اداریے

۱ پروفیسر مختار الدین احمد کا مقالہ ''تضمین گلستان'' میں شامل مواد پر تبصرہ، جنوری ۱۹۹۰ء

۲ حافظ محمود شیرانی نمبر کی پیش کش، جولائی ۱۹۹۰ء

۳ سید مسعود حسن رضوی ادیب نمبر کی پیش کش، اپنے محترم استاد مسعود حسن رضوی ادیب کے حالات زندگی اور شخصیت سے متعلق تاثرات کا اظہار، جنوری ۱۹۹۳ء

۴ شمارے کی ترتیب وپیش کش کا ذکر، جنوری ۱۹۸۵ء

۵ شمارے کی پیش کش، جولائی ۱۹۸۹ء

۶ شمارے کی ترتیب مضامین کی تفصیل، مضامین پر تبصرے قلمی نسخے کی شمولیت کا ذکر، جنوری وجولائی ۱۹۸۳ء

۷ غالب نامہ کی دوبارہ اشاعت کا اعلان، شمارے میں شامل مضامین پر تبصرہ، جنوری ۱۹۸۱ء

۸ غالب اور ہندوستانی نشاۃ ثانیہ کے عنوان سے انسٹی ٹیوٹ میں منعقد سمینار میں پیش مقالوں کی ترتیب وپیش کش، جنوری ۱۹۹۱ء

۹ غالب کے کلام کی شرح کے متعلق مقالوں کی ترتیب وپیش کش کا اعتراف، جولائی ۱۹۹۱ء

۱۰ قاضی عبدالودود نمبر کی پیش کش، جنوری ۱۹۸۷ء

۱۱ مضامین کی بابت تفصیل، آیندہ شمارے سے متعلق لائحہ عمل میں تبدیلی کا اعلان جنوری ۱۹۸۲ء

۱۲ مضامین کی ترتیب اور تبصرے، جنوری ۱۹۸۴ء

۱۳ مضامین پر مختصر تبصرے، جنوری ۱۹۸۴ء

۱۴ مقالوں کی پیش کش وتبصرہ، جنوری ۱۹۸۸ء

۱۵ مومنؔ نمبر کی پیش کش، فروری ۱۹۸۵ء میں منعقد سمینار کے بیشتر مقالوں کی شمولیت، جولائی ۱۹۸۵ء

۱۶ مولانا امتیاز علی عرشی نمر کی پیش کش، جنوری ۱۹۹۲ء

۱۷ موصوف کے مقالے غالب کے ایک خط کے بعض امور کی تشریح اور پروفیسر مختار الدین احمد کے مقالے کی وضاحت، جولائی ۱۹۹۲ء

۱۸ میاں داد شیام سے متعلق مضمون پر تبصرہ رشید حسن خاں کے مضمون دکنی ادب کی تدوین کے بعض مسائل اور اطہر فاروقی کے مقالے کا ذکر جنوری ۱۹۸۹ء

۱۹ نئے مقالوں کا تعارف، اہل علم حضرات سے مجلّے کی خاطر مشوروں کی گزارش، جولائی ۱۹۸۲ء

۲۰ ۱۹۹۰ء کے بین الاقوامی غالب سمینار میں پڑھے گئے مقالوں میں بیشتر اس شمارے میں شمولیت کا اعتراف، جولائی ۱۹۸۱ء

۲۱ اداریہ، جنوری۔ جولائی ۱۹۹۴ء

۲۲ اداریہ، جنوری۔ جولائی ۱۹۹۵ء

۲۳ اداریہ، جنوری۔ جولائی ۱۹۹۶ء

۲۴ اداریہ، جنوری۔ جولائی ۱۹۹۷ء

۲۵ اداریہ، جنوری۔ جولائی ۱۹۹۸ء

۲۶ اداریہ، جنوری ۱۹۹۹ء

۲۷ اداریہ، جنوری۔ جولائی ۲۰۰۰ء

Article in English

1. A critical examination of Baihaqi's narration of the Indian expedition during the reign of masud of Ghazna, afghanistan. indo-Iranica, Calcutta 1972.
2. A review of the Tarikh-e-Baihaqi. by Adal Husan Ali vol-44 Jan. 1970.
3. A few comments about the situation of farab, Arabic persian studies journal, Dept of Persian, Calcutta University, 1981-82.
4. A very old source of Hafiz's Ghazals, Indo-Iranica, Calcutta, Vol-18 March 1965.
5. A portrait' adil Shah II by farrukh Beg. Indo-Iranica, Calcutta, Iran Society Silver Jubilee Souvenir 1944-69.
6. A brief Introduction to the Khulasatul Ash'aar, a general biography of persian poets by Taqi Kashani and Some of It's rare mss in various librairies of Iran. Islamic culture, Hyderabad 1955.
7. A scottish orientalist J.B. Gilchrist and his works library. Islamic Culture, Hyderabad Vol-28 1978.
8. A very important MS. of the lubabul a labab. Indo-Iranica, Calcutta 1962.
9. A reference to the Agra Fort in an 11th Century Persian Codex, Indo-Iranica, Calcutta. vol 45 Sep- dec 1998.

10. A few historical reference in the Gulistan and some textual notes, Indo-Iranica Vol-36 March- Dec. 1983.

11. Abdur Razzaq Samarqandi's Account of life and Culture in India-15 th century. Islamic Heritage south Asia subcontinent, Vol 1,1998.

12. Abul Qasim Kasir, the defence minister of sultan Mahmood, his donated copy of the Holy Quran at Mashhad (393 A.H.).

13. Adil Shahi Diplomatic Mission to the Court of Shah' Abbas Islamic Culture Vol-43 Jan 1969.

14. Ahmad bin Abdullah Khujistani,Majalla-e-Tehqeeq-e-farsi, Bayaz Anjuman-e-farsi Delhi Vol-1-2 1986.

15. Ahmad bin Abdullah Khijistani and Earlist persian Poetry. Abdi Nama, Anjuman e Farsi, Delhi 1990.

16. Akbar's farman to a Nuqtavi Sayyid Mir Ahmad Kashin,Islamic Heritage in South Asia subcontinent Vol. 2. 2000.

17. Al Beruni's Kitab-us-Saiydana and it's persianTranslation, Indo-Iranica vol-14 Sep. 1961.

18. Amir Khusrau as a Critic: A Study based on the Dibach-e-Ghurratul Kamal, Amir Khusrau memorial Volume 1975.

19. Amid Loiki, a 7th Century Persian Poet, his life times and Writings. Islamic Culture, Hyderabad, 1977.

20. An old Persian treatise of the Bahmani period. Islamic Culture, Hyderabad, vol 46 April 1972.

21. Arabic and persian studies in India, All India Oriental conference (Presidential Address), Aligarh Oct. 1966.

22. Badiuddin Turkoosistani and his writings Afghanistan, Indo-Iranica, calcutta Vol- 24, 1972.

23. Bijapuri relations with shah Abbas. islamic Culture Hyderabad. 1987.

24. Burhanuddin Sagharji, the spiritual guide of Syed Ali Hamadani. 40.Classical Persian Poets in Amir Khusrau's E'ijaz-e- Khusarvi.

25. Correspondence of Tughlaq Sultans with Cort emporary Iranian Monarch, Coronation of the Emperor of Iran.

26. Court Calligraphist of Bijapur, Islamic Culture,Hyderabad.

27. Credibility of the Diwan of Hafiz Published by the Late Mr. Qazwini and by Dr. Khanlari. Indo-Iranica, calcutta, Vol-40 No. 1-4 Sep-Dec 1987.

28. Dasturul Afazil and its author, Indo-Iranica,Calcutta, Vol-20.1967.

29. Diplomatic relation's between the Sultans of Delhi and the Il Khan's of Iran. Islamic heritage,South Asia,Subcontinent Vol.1. 1998.

30. Early Persian poets of India, Bayaz, Anjuman-e-farsi Delhi 1991.

31. Embassies from Qitay and Yugur to sulatan Mohammad of Ghazni, Fakhruddin Ali Ahmad Memorial Volume, Ghalib Institute New Delhi 1994.

32. Farrukh Husain, the royal artist and the court of Ibrahim' Adil Shah-II and his paintings. Islamic Culture, Hyderabad Vol-30- No.1 Jan 1956.

33. Gulzar-i-Ibrahim. All india oriental conference vol-I (preceeding).

34. Histories of Adil Shahi U.P. education Allahabad Oct.1947.

35. Ibn-i-sina's contribution to persian language and literature. Indo-Iranica, calcutta, vol-34,March- Dec 1981.

36. Imad-uddin Riazi and his Baghistan, Islamic culture, Hyderabad, Vol. 30-31Oct-Jan 1956-57.

37. Imad-uddin Riazi,the grandson of Nadirul Asr Ustad Ahmad,The architect of the Taj Mahal and his Tadhkira-i- Baghistan. Islamic Culture, Hyderabad Vol-30,1956 Oct Vol-31, 1957.

38. Indian elements in early persian lexicons, Nazr-e-malik Ram.

39. Influence of Dasatir on Ghalib, Ghalib International Seminar Delhi 1968.

40. Influence of Persian on Indian languages A.M.U. News 2 Views Vol-5-8 Dec-Jan 1992.

41. Jahangir's Album of Art Muraqqa-i-Gulshan and its two Adil Shahi paintings, Indo-Iranica,calcutta vol 30 march-June 1977.

42. Khalilullah the royal calligraphist at court of bijapur, Nazr-e-Zakir volume.1968.

43. Khayyam as mentioned in the writings of Hakim Sanai of Ghazna. Indo-Iranica vol.33 March-Dec 1980.

44. Kitab-i-Nauras. Islamic culture, Hyderabad Vol-28 No.2 April 1954.

45. Lahjat-i-sikandar Shahi' a unique book on Indian Music of the time of Sikandar Lodhi, 1489-1517. Islamic Culture, Hyderabad Vol-28 April-July 1954.

46. Letter of the rulers of deccan to shah Abbas of Iran,Medieval India Vol-I 1969.

47. Mongol Embassy at the Court of Mahmood of Ghazna.

48. Mohammad Sadiq Isfahani-an offical of Bengal at the time of Shah Jahan, indo-iranica, Calcutta, vol-24 1971.

49. Muhammad Sadiq Isfahani. an official of Bengal of Shajahan's Time Indo- Iranica, Calcutta, Vol.24 Sep- Dec1971.

50. Nasiruddin Mahmood bin'Izzuddin Balban a noble of the time of sultan Nasiruddin Mahmood and Sultain Ghayasuddin Balban.

51. Nazim of Tabriz the Author of the Nazim-i-Guzida, Proctras. All India Oriental Conference (Proceeding) 1957.

51. Nizamul Mulk Junaidi, the prime Minister of Iltutmish, International conference of oriantalist Delhi Jan 1964.

53. Nuqtavi's tahrik, Indian Council for Cultural Relation,Delhi June 1957.

54. Persian influence in china, studies. in Islam, Indian Institute of Islamic studies, New Delhi Vol- 18 No 1-2 Jan April, 1981.

55. Persian Influence on Indian Languages on the occassion of coronation of the emperor of Iran, Tehran,1975.

56. Persian Studies, Past and Present, Extension lecture,Lucknow University Feb. 1966.

57. Ratan Khan, a rare book in Deccani Urdu of the time of Ibrahim Adil Shah II of Bijapur, Islamic Culture, Hyderabad.

58. Rashiduddin fazlullah, a great Muslim Historian and Scientist of the early 14th century studies in History of Medicine and Sciences vol-10-11 1986-87.

59. Researches in Persian in India, Scope and roblems,Indo-Iranica calcutta vol-35, March June 1982.

60. Shah Khalilullah Khushnawis, the royal calligraphist of the Adil shahi Court, islamic Culture, Hyderabad, Vol 44 Jan- Oct 1970.

61. Siraji Khurasani and his patron malik Izzuddin Bakhtiyar a noble and General of sultan iltutmish. Islamic Culture, Hyderabad Vol.38 April 1964.

62. Some Problems Related to Introduction to the Diwan-i-Hafiz. Essays on Persian Litterature by Prof.Nazir Ahmad. Idarah-I-adabiyat, Delhi. 2005.

63. Some problems of research and Teaching of Islamic Medicine, Bulletin of Islamic Medicine vol-2 Alkuwait March 1982.

64. Some Indo, Persian Poets of 13th century A.D yazdani Commemoration volume 1965.

65. Some Cultural and literary remains of emperor Humayun's Visit to Iran and back to India, Indo iranica, Calcutta Vol-28, March-Dec 1975.

66. Three Little Known Persian Poets of Time ofMohammed binTughlaq's. Indo Iranica, Calcutta. Vol- 19 sep 1966.

67. Some historical light on Mukran. Islamic Culture, Hyderabad, April 1964.

68. Some Original prose and poetical pieces of Hakim Sanai, Oriental Conference Srinagar, 1961, Indo-Iranica, Calcutta, Vol-16 June 1963.

69. Tarikh-i-Baihaqi by Abdul Hasan Ali Baihaqi Edited by Dr. Qari Kalimullah Husaini, islamic Culture Vol.44 Jan 1970.

70. Taqi Auhadi, The most Important Persian Tazkirah Writer of the Last quarter of the 10th /16th A.D. and first halt of the 11th/17th Century A.D. and his unique Tazkirah, Arafat-e-Ashiqen Islamic Calture Vol-32 Oct.1958.

71. Taimurid Mss. of Artistic and historical value in Indian collection's (International symposium, samarqand uzbekistan USSR Dec.1969. Kudabaksh Journal Vol 1996.

72. The most popular Iranian sufi of the 4th and early 5th Century A.H. Abu Ishaq Kazruni.

73. The Description of the Betel leaf in Amir Khusrau's E'ijaz-i-Khusravi.

74. Three unknown poets: Mohammad bin Alauddin Ahmad bin Hasan Abdusi entitled as Taj ikhistani,Mughisuddin Hansawi,and Amir Ikhtiyeruddin.

75. The tradition of the Knowledge and learning in the Islamic society.

76. The earliest work on Islamic Medicine in Persian, Bulletin of Islamic Medicine Alkuwait Jan. 1981.

77. The Fali family of Shiraz, Bayaz, Anjuman-e- farsi Delhi March 1978.

78. The earliest known persian works on Hindu, Philophy and Hindu Religion. Islamic Heritage South Asia Subcontinent Vol.1,1998.

79. The influence of persian and persian culture in India,Indo-Iranica, Calcutta March June, Sep. Dec, 1984.

80. The earliest poetical Collections in Persian. Indo-Iranica, Calcutta, March Dec, 2001.

81. The fourth part of the second section of Ghalib's panj Ahang, Indo-Iranica, Calcutta, No-1-4 March June, Sep, Dec.1997.

82. The Mughal Artist Farrukh Beg. Islamic Culture, Hyderabad, vol-35, April1961.

83. The old persian Chronicles as connecting links between North and South during the Indian Middle ages. Indo-iranica, Callcutta Sep. Dec. 1972.

84. The Re-use of architectural calligraphy from a Shahjahani Mosque at Delhi in the A.M.U. Aligarh. Indo-Iranica, Callcutta Sep-Dec.1993.

85. The role of Indian Muslims towards understanding India and Indian culture. Essays on persian Literature by Prof. Nazir Ahmad. Idarah-e-adabiyat. Delhi 2005.

86. The earlist persian work completed in Gujrat. Essays on persian literature by Prof. Nazir Ahmad.Idarah-e-adabiyat. Delhi 2005.

87. The Discovery of an old mss. of Diwan-i- Hafiz' it's edition and publication. Essays on persian literature by Prof. Nazir Ahmad.Idarah-e-adabiyat. Delhi 2005.

88. The oldest persian translation of the A'wariful M'aarif. Indo-Iranica, Calcutta vol-25-Dec1972.

89. Traces of persian Influence in China and South east Asia during the 14th and 15th Century A.D. Islamic Culture Hyderabad Vol-18, Jan-April 1981

90. Urdu elements in Adatul fuzala oriental college magazine.

91. Zahiruddin, Abdur Rahman bin Ali bin Buzghushi Shirazi and his translation of the Awariful M'aarif Indo- Jranica calcutta Sep-Dec.1947.

رسائل منفرد: موضوع ھای مختلف تاریخی وادبی فارسی

فارسی

۱ بیہقی و ہند، مشہد

۲ ذال فارسی، تہران ۱۳۵۰ھ ش

۳ نامہ ھای قطب شاہی، تہران

اردو

۱ اجے چند نامہ، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء

۲ اسلامی سوسایٹی کی تعلیمات، اعظم گڑھ

۳ انسانی اجتماعی زندگی کا ارتقا، کراچی

۴ اسماعیل بن عبدالمومن اصفہانی، مترجم عوارف المعارف، دہلی

۵ ایاز، محمود کے دربار کا ایک جنرل، نئی دہلی

۶ بدیع الدین ترکو سیستانی، علی گڑھ

۷ برھان قاطع، علی گڑھ

۸ ثعالبی نیشاپوری کے قصاید، کراچی

۹ حمید قلندر، لاہور

۱۰ خلیل اللہ: بیجاپور کا شاھی خطاط، حیدرآباد

۱۱ دکنی بادشاھوں کے خطوط۔ علی گڑھ

۱۲ رسالہ قافیہ کاہی، کلکتہ

۱۳ سہ نثر ظہوری، لاہور

۱۴ شیرانی اوران کی فارسی تحقیق، کراچی ۱۹۰۸ء

۱۵ صادق اصفہانی، کلکتہ

۱۶ عادل شاہ کے خطوط، علی گڑھ

۱۷ عوارف المعارف کا پہلا فارسی ترجمہ، کلکتہ

۱۸ فالی سلطنت وفارس، دہلی

۱۹ فارسی اور ہندوستان، پٹنہ، ۱۹۷۴ء

۲۰ قطب شاہی خطوط، علی گڑھ

۲۱ مدارالافاضل کی ترتیب نو پر ایک نظر (اردو)

۲۲ معمائے کاھی، لاہور، نومبر ۱۹۵۸ء

۲۳ مولانا شبلی اوران کی فارسی خدمات، کراچی ۱۹۸۰ء

۲۴ نصیب اخوان مطہر کڑہ، علی گڑھ

انگریزی

(1) Humayuan's visit to Iran, Liteary remains, Calcutta

(2) Timurid Mss. of artistic and historical value in Indian Collection, International Symposiam, Samarqand, Uzbekistan, Dec1969.

درج ذیل مضامین کتاب ''شیخ الطائف پروفیسر نذیر احمد'' مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون میں شامل فہرست ہیں۔تاہم کس رسالے میں شائع ہوئے ہیں اس کا اس کتاب میں ذکر نہیں ہے۔میں نے اپنے طور پر انہیں تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے نہیں ملے۔

فارسی مقالات

۱ اتابک ابوبکر بن سعد زنگی وشعرایی کہ در دور او تبعید شدہ بودند

۲ البیرونی وکتاب الصیدنہ

۳ بخشی از کتاب شناسی خط

۴ حفاظ، بی حفاظ، ناحفاظ

۵ دلاور سپہدار طوس مذکور در شاہنامہ

۶ دیوان ابوالخیر

۷ رسالۂ فنای ثلاثہ از امیر ابوالعلاء اکبرآبادی

۸ سُبکری یکی از امرای یعقوب لیث صفاری (۲۴۷۔۲۶۵ھ)

۹ سہم فرہنگ ھای فارسی در تشکیل واژہ ھای فارسی بدون سابقہ

۱۰ قافیہ نویسی در ادب فارسی

۱۱ قدیم ترین مجموعہ ھای شعر فارسی

۱۲ کہن ترین کتاب طبی شعر فارسی

۱۳ محمد قاسم سروری نویسندۂ مجمع الفرس

۱۴ کہن ترین مجموعۂ طبی در شعر دری موسوم بہ دانشنامۂ حکیم میسری

۱۵ منابع حقیقی حافظ کہ در ہند وجود دارد

۱۶ موادفہمی در بارۂ حافظ

۱۷ نامہ ھای قطب شاہی، تہران

۱۸ نظری در بارۂ احیاء العلوم

۱۹ نظری در بارۂ اشعار حافظ منقول در پچ نامہ

اردو مقالات

۱ آرام شاہ

۲ آقا رضا مصور

۳ ابش خاتون اور دوسرے ممدوحین کی روشنی میں سعدی کے مدحیہ کلام پر ایک نظر

۴ ابراہیم عادل شاہ ثانی مشترک تہذیب کا علمبردار

۵ اتابک ابوبکر بن سعد کے دور کے شعرا جو علوم عقلی ونقلی کے ماہر تھے

۶ اشتباہات مقالہ سید جعفر حمیدی ''تاثیر زبان فارسی در عصر شاہ جہاں''

۷ برہان نظامِ شاہ (م:۹۵۶ھ) کے عہد کا ایک فارسی شاعر

۸ تاریخ اعتقاد خان کشمیری معروف بہ خواجہ مراد

۹ خانوادہ چغانیان یا خاندان آل یمغاج

۱۰ خواجہ گیسودراز کے رسائل پر ایک نظر

۱۱ دساتیری طلسم کے دو اسیر غالب اور مؤلف برہان قاطع

۱۲ دین نقطوی یا فرقۂ نقطوی

۱۳ ساسانی دور میں اسلامی دور کا ایک اہم کتبہ پہلوی زبان میں

۱۴ سید نور اللہ بخاری کے مخطوطے

۱۵ سید علی لعامی: چہل حدیث

۱۶ شاہ صدر الدین کی تصانیف اور اس کا زمانہ

۱۷ شاہ عباس اول اور قطب شاہی سلاطین کے مابین سفارتی تعلقات

۱۸ شمس تبریزی کی مثنوی مرغوب القلوب

۱۹ صفاریوں اور غزنویوں کے دور میں ہندو سپہ سالار

۲۰ طاہریہ خاندان اور اس کا بانی طاہر ذوالیمینین

۲۱ عادل شاہی خطاطی، اورینٹل کانفرنس

۲۲ عرفی کے خطوط

۲۳ غالب کا نظریہ شعر

۲۴ غلام خاندان کا ایک ادب پرور خانوادہ

۲۵ غیاث الدین بلبن کے دور کے محمد نام کے چار نامور ملک

۲۶ قصہ ابوشاہ کا: مصنف شاہ عبدالقادر بیدل

۲۷ کچھ مستشرقین وشرق شناسی کے بارے میں

۲۸ کچھ دیوان غالب کے فارسی دیباچہ کے تعلق سے

۲۹ کھنبایت میں موجود ایک کتبہ

۳۰ گلستان سعدی میں مذکور بعض تاریخی شخصیتیں اور چند لغوی امور

۳۱ مثنوی سراج القلوب

۳۲ مسعود سعد سلمان اور شہ پارہ

۳۳ میر تقی میر کا ایک سرپرست اور میر محمد علی ریاضی کا شاگرد عماد الملک وزیر عالمگیر ثانی

۳۴ نادر فارسی تذکرہ باغستان

۳۵ ہندوستانی زبان کا ایک لفظ پیدل

English Artical:

1. A Scholar and Jurist Settled in China.

2. A poet of the Time of Sharqi kings of Jaunpur.

3. Abu Saleh Mansur bin Ishaq Samnani, the Patron Mohd Bin Zakariya Razi.

4. Abdul Aziz Wayazi, a biographer of the two saints of Deccan.

5. Abu Mansur Su'alabi's Poems as a Source of History.

6. Ahmad bin Khalf, the ruler of sistan.

7. Ahmad bin Hasan-e-Maimandi.

8. Amir Khusrau and his secularism.

9. Amir Khusru as a poet and Scholar.

10. Amir khusru and his E'ijaz-e-Khusravi.

11. Amidul Mulk faiqul Khassa.

12. Arslan Jazib, a commander of mahmood Ghazni.

13. Ayaz, a General of Mahmood's Time.

14. Beruni's Kitab-e-Asarabd Conferment of Titles by the Abbasi Caliphs.

15. Burhan-e-Qate' and Huzwarish.

16. Farabi and his native place.

17. Ghalib as a Ghazal Writer.

18. Ibrahim Adil Shah's diplomatic relation with the safavid.

19. India's contribution to the study of Firdausi and his shahnama.
20. Kitab- Ul- Abniyeh.
21. Majmu'a-e-lataif wa sifina-e-zaraif.
22. Mis understanding about Amid Loiki.
23. Rishiduddin fazlullah and his Ajwila wa Ajwiba.
24. Sarai Amanat Khan.
25. The word prophet a brief study.
26. The need for the collection and edition of the Kulliyat-e-sadi.
27. The main object of the all India Persian Teachers Association.
28. The Basatinul uns and its Author Tajuddin Dabir.
29. The Art of Healing and India Hispitality.
30. The ustad Ahmad an Architect of Taj Mahal.
31. The Dasturul Afazil.

باب دوم

پروفیسر نذیر احمد، ریسرچ گائیڈ کی حیثیت سے

باب (دوم)

پروفیسر نذیر احمد ریسرچ گائیڈ کی حیثیت سے

پروفیسر نذیر احمد فارسی زبان وادب کے مستند عالم، مایۂ ناز مصنف اور مشہور ومعروف محقق تھے۔ ہندوستان ہو یا پاکستان، ایران ہو یا افغانستان، یورپ ہو یا امریکہ، آپ کی تحریریں ہر جگہ بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور علم کے شایقین ان سے برابر مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ اپنی عمر کے آخری برسوں میں بھی اردو، فارسی اور انگریزی تینوں زبانوں میں برابر لکھتے رہے اور آپ کی تصانیف بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

پروفیسر نذیر احمد نہ صرف ایک اچھے مصنف اور مفکر تھے بلکہ ایک شفیق استاد بھی تھے۔ بحیثیت استاد آپ اپنے طالب علموں سے حسن وسلوک اور مہربانی سے پیش آتے رہے۔ آپ نے اپنے طالب علموں کو والدین کی طرح شفقت دی، جس کی بدولت آپ کے طالب علم آج جہاں کہیں بھی ہیں، آپ کی مہربانیوں اور شفقتوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ آپ کی محنت وشفقت کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ کے طالب علم نہ صرف بہترین مرتبوں پر بلکہ پورے ہندوستان اور بیرون ہند ہر جگہ عزت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنی اولاد کو جس محنت ولگن سے کامیابی کی منازل پر پہنچایا اس سے کہیں زیادہ اپنے طالب علموں کی ترقی اور کامیابی کے لئے کوشش کیں۔ آپ کے طالب علم دنیا کی مختلف دانشگاہوں میں زبان وادب کے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں اکثر نے صدر جمہوریۂ ہند سے سرٹیفکیٹ آف آنرز (اعزازی تمغے) حاصل کئے ہیں جن میں پروفیسر سمیع الدین احمد، پروفیسر نیر مسعود رضوی، پروفیسر وارث کرمانی، پروفیسر وحید

اشرف، پروفیسر فدا عباس، پروفیسر کبیر احمد جائسی، پروفیسر آزرمی دخت صفوی، پرفیسر ماریہ بلقیس، پروفیسر سید محمد طارق وغیرہ کے نام اہم ہیں۔آپ نے لکھنؤ یونیورسٹی سے طالب علموں کو پی۔ایچ۔ڈی کے مقالے تیار کرنے میں رہنمائی کا جو سلسلہ شروع کیا تھا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آپ کی ریٹائرمنٹ کے کچھ عرصہ بعد تک جاری رہا۔آپ نے جتنے طلبہ کی پی۔ایچ۔ڈی میں رہنمائی فرمائی سب نے اچھے مقالے تیار کئے اور ان میں اکثر مقالے انگریزی زبان میں تیار کرائے گئے ہیں۔اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو نہ صرف فارسی اور اردو بلکہ انگریزی زبان پر کتنی دسترس حاصل تھی۔آپ کا ہر طالب علم آپ کے حسنِ سلوک اور پی۔ایچ۔ڈی کے کام کرانے کے انداز کی تعریف کرتا ہے۔پروفیسر سید محمد طارق جو شعبۂ فارسی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رٹائیرڈ پروفیسر ہیں، آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں ایک لمبا عرصہ نذیر احمد صاحب کے ساتھ رہا۔انہوں نے بہت محنت اور مشقت سے ہم لوگوں کو پڑھایا ہے۔آپ کبھی کسی طالب علم کو نہیں ڈانٹتے تھے، چاہے اس سے کتنی بھی بڑی غلطی ہو جائے۔ہمیشہ بہت پیار اور محبت سے سمجھاتے تھے۔طالب علموں سے ہی نہیں بلکہ تمام باقی لوگوں سے غرض کہ ڈپارٹمنٹ کے چپراسیوں سے بھی اچھے ڈھنگ سے بات کرتے اور ان سے رحم دلی سے گفتگو کرتے تھے۔آپ کی بات کرنے کا ڈھنگ اتنا اچھا تھا کہ سننے والا گھنٹوں سنتا رہتا اور خود نہ بولتا۔اور ایسا سلیقہ کہ اگر کبھی غصہ سے بھی بات کرتے تو کسی کو بری نہ لگتی۔''

آپ کے ایک اور طالب علم جناب کبیر احمد جائسی سابق پروفیسر اور صدر ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''میں نذیر احمد صاحب کا پہلا شاگرد ہوں اور میں اپنے آپ کو انتہائی خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھ کو نذیر احمد صاحب کی قربت نصیب ہوئی، میں آج جو کچھ بھی ہوں نذیر احمد صاحب کی محنت کا پھل ہوں۔''

اس طرح ہر طالب علم آپ کے مزاج وشعور اور تربیت کے ڈھنگ کی تعریف کرتا ہے۔آپ نے سب سے پہلے لکھنؤ یونیورسٹی میں پروفیسر اختر مسعود رضوی کی پی۔ایچ۔ڈی میں رہنمائی فرمائی۔ان کے بعد آپ

نے جتنے طالب علموں کی پی۔ایچ۔ڈی میں رہنمائی فرمائی اور جن موضوعات پر تحقیقی مقالے لکھائے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) پروفیسر سیّد اختر مسعود رضوی

پروفیسر اختر مسعود رضوی نے نذیر احمد صاحب کی نگرانی میں اپنا تحقیقی مقالہ تیار کیا جس کا موضوع "A study of the poet and scholar under the court of Mirza Ghazi Beg Tarkhan" تھا۔اس مقالے کو پروفیسر اختر مسعود نے مکمل کر کے لکھنؤ یونیورسٹی میں جمع کیا، جس کی بنا پر یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی۔نذیر احمد صاحب کی زیرنگرانی یہ پہلا مقالہ تھا جس کو آپ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے تیار کرایا ہے۔

(۲) پروفیسر فدا عباس رضوی

پروفیسر فدا عباس رضوی نے نذیر احمد صاحب کی زیرنگرانی اپنا مقالہ لکھ کر ۱۹۶۵ء میں پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔آپ کے مقالے کا موضوع تھا A critical study of the tazkiras of Persian poets compiled in India from the middle of the 16th to the middle of the century 17th A.D. یہ مقالہ انگریزی میں تیار کیا گیا ہے۔اس مقالے کے تعارف میں فدا عباس لکھتے ہیں۔

"Persian tazkira - writing is an art similar to writing biography. In tazkira-writing a writer mainly concentrates on the literary activities of some Persian and deals cursorily with general activities of his life. In this way the art of tazkira-writing is not congruent with that of writing biography. In a tazkira the writer first introduces the Persian concerned to the readers and then deals with the main theme. If it is a tazkira of poets, it generally gives specimens of poetry along with general critical remarks on the works of the man. Thus a tazkira provides useful material for the biography.

The genesis adopted by the person biographers with which this thesis is

concerned is known by the name of tazkira. This genesis owes its origin to Arabic literature in which it is known as tabqat. But in Persian it is inveriably called as tazkira and not tabqat. The method followed in writing the tabqat is to divide the people into different categories and then to deal with the lives and works of the eminent persons in each category in order of time. Each individual that is taken up is treated separately. Persian tazkira also generally follows the same scheme for instance Tazkira-i-Daulatshah is devided into seven tabqat. The other system that is adopted is to divided the individuals of the same category into different sections in order of time - the early, the middle and the later (Mutaqadimin, Mutawassitin, Mutaakhkhirin) then to deal with the individual in each period in alphabatical order. This method was followed by the author of the Arfat-i-Ashiqin)[1]

(۳) پروفیسر نصیر احمد صدیقی

نذیر احمد صاحب کی رہنمائی میں نصیر احمد صدیقی صاحب نے اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کیا، جس کا موضوع A critical edition of Sana'i Mashhadis Diwan with introduction and notes. تھا۔ یہ مقالہ دو حصوں میں لکھا گیا ہے۔ پہلا حصہ تعارف، مصنف کی حالاتِ زندگی اور کام پر ہے۔ دوسرے حصہ میں دیوانِ سنائی کو ایڈیٹ کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں فٹ نوٹ بھی باریکی سے تحریر فرمائے گئے ہیں۔ یہ مقالہ ۱۹۶۵ء میں مکمل کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا گیا تھا۔ مقالے کے تلخیص میں نصیر احمد لکھتے ہیں۔

" The thesis comprises two parts; first is introduction, dealing with the life and writing of the poets, the next part deal with the critical edition of the text of the Diwan-of-Sana'i which has been prepared after collecting various available copies of his Diwan.

---

[1] Introduction: Thesis Fida Abas Rizvi P. 1.2

In the early parts of introduction, investigation has been made in order to find his correct name, his family circumstances,his father and early education, his stay in Mashhad, his migration etc.

In the last part of the introduction, an attempt has been made to give a Critical evolution of his qasidas, ghazals, qitat, rubais etc.

The next and main part of the thesis is a critical edition of text of the Diwan-i-Sana'i this text is based on seven Mss. of the Diwan's which have been collected compared and this text has been checked by the verses, quoted in the Tazkira's specially, the most contemporary tazkira Khulasat -ul- Ashar.

The sole object is to try, to find out, what the poet had actually written. the foot notes in the margin may be helpful to the reader in serutinsing the text and in approaching it in his own way, for I have my own limitations and I would not claim to have reached the stage of finality in respect of the text.

At the end, a list of important words, phrases and idioms, have been given, which may be useful in the study of this poet's writing." [1]

(۴) پروفیسر وحید اشرف

پروفیسر وحید اشرف کی تحقیق کا موضوع A critical edition of the Litaif-e-Ashrafi fi Bayan-e-Tawaif-e-sufi. Discourses of Saiyid Ashraf Semanani compiled by Nizam din Gharib Yamani تھا۔ نذیر احمد صاحب کی زیر نگرانی لطائف اشرفی بیان طوائف صوفی کو ایڈیٹ کر کے متن تیار کیا گیا ہے جو ساٹھ لطیفہ پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک طویل مقدمہ شامل ہے جو انگریزی زبان میں تیار کیا گیا ہے۔ اس متن میں فارسی میں ۵۷۲ صفحے اور انگریزی مقدمہ ۹۱ صفحے پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں اشرف جہانگیر سمنانی کی حالات زندگی اور اس کے کارناموں پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مقالے کے

---

[1] Synopsis thesis T,527 Naseer Ahmed Siddiqi

بارے میں جناب وحید اشرف صاحب تعارف میں لکھتے ہیں۔

"This thesis consists of three parts.

(1) Preface. (2) A critical edition of the Lataif-e-Ashrafi. (3) Notes.

The Preface deals briefly with the salient features of Saiyid Ashraf's life and career, His achievements, As a mystic and writer, and a critical study of the Lataif-e-Ashrafi in giving the life sketch, caree has been taken not to repeat what the hogiologists have already written about him unless it deemed necessary nearly all the aspects of his life dealt with here were ignored by his biographers. In this preface several misconceptions prevalent about Saiyid Ashraf have been removed"[1]

(۵) پروفیسر سیّد محمد طارق

پروفیسر سیّد محمد طارق نے ۱۹۷۱ء میں نذیر احمد صاحب کی سرپرستی میں اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا، جس کی بنا پر آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا گیا۔ طارق صاحب کی تحقیق A critical study of Sharafnama-e-Munyari with Introduction and Notes. کا موضوع تھا۔ اس تحقیقی مقالے کے بارے میں طارق صاحب لکھتے ہیں:

"The present monograph was in fact the introduction of my thesis entitled" A critical edition of Sharafnama with introduction and notes presented for the digree of Doctor of Philosophy awarded to me by the Aligarh Muslim Univeristy in 1971"[2]

The Sharafnama is one of the oldest persion lexicons written in India, composed by Ibrahim bin Qawam Faruqi during the reigm of Barbak Shah of

---

[1] Thesis Waheed Ashraf (Preface)

2 perface a Critical study oft sharafnama munyari by Prof. Mohammed Tariq Hasan

Bangal (862-879A.H).

(۶) ڈاکٹر امیر الدین صدیقی

امیر الدین صدیقی نے پروفیسر نذیر احمد کی زیر نگرانی اپنا تحقیقی مقالہ تیار کر کے ۱۹۶۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

امیر الدین صدیقی صاحب کے تحقیقی مقالہ کا موضوع "The life and poetry of Muhammad Rada Navi Khabushani with a critical edition of his odes. تھا۔ امیر الدین صاحب نے تحقیقی مقالہ دو حصوں میں تیار کیا ہے، پہلے حصہ میں چار باب ہیں اور دوسرے حصہ میں دو باب۔ مقالے کے شروع میں Acknowledgement اور Abrevation ہیں۔

Part - I

(1) Source Meterial (Tadhkirahs)ets

(2) Period of Nav'i

(3) Life of Nav'i

(4)Poetry of Nav'i Biblliography

Part - II

(1) Introduction of manuscripts used in the edition of odes

(2) Critical edition of the odes of Nav'i

مقالے کے Acknowledgement میں امیر الدین صاحب لکھتے ہیں۔

"I take this opportunity in expressing my deep gratitude to the supervisor of this work, Professor Nazir Ahmad, Head of the department of Persion, Aligarh Muslim University Aligarh. He attended to the work of guiding me inspite of his manifold engagments. I have been greatly benefitted by his vast store of knowledge period of Nav'i.

Nav'i belonged to that age of the Indo Persian Literature which has been

rightly termed as the "Indian Summer of Persian poetry". During this period the Mughal rulers were at the helm of affairs,

The Mughals from Babur to Shah Jahan besides being great conquerors and able administrators, were men of letters as well as famous patrons of art and literature. They had a fine literary taste both in Persian and Turkish. More over, they were sound critics of prose and poetry, as is apparent from their accounts. They are ranked among the great Scholars, Poets, and artists of their age and are known as Liberal Patrons of are and Learning"[1]

(۷) ڈاکٹر معتصم عباسی

ڈاکٹر معتصم عباسی نے نذیر احمد صاحب کی زیر نگرانی اپنا تحقیقی مقالہ تیار کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ مقالہ کا موضوع A critical study of Persian Literature during Khalji Period (1290-1320) تھا۔ جو ۱۹۶۷ء میں مکمل کیا گیا۔ یہ مقالہ انگریزی زبان میں تیار کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں علاءالدین خلجی، شمس الدین بلبن، غیاث الدین بلبن کے دور میں فارسی سرمائے کے بارے میں تفصیل ملتی ہے۔

"This thesis comprises five chapters. The introduction deals with cultural back ground of Pre-Khalji Periods, which is supplemented by an exhaustive list of poets and writers, and there contributions. The first chapter deals with political, social and cultural condition of the period under consideration. The second chapter is confined to a study of historical works produced during this time. The third presents a study of mystical works, the fourth deals with General literatures and the fifth treats of poetical works in an elaborate form." [2]

---

1 Theses: Mohmmed Ameerudin Siddiqi (Acknowledgement)

2 Introduction Thesis Mohtasim Abasi

(۸) ڈاکٹر محمد خالد صدیقی

محمد خالد صدیقی نے اپنا تحقیقی مقالہ نذیر احمد صاحب کی نگرانی میں تیار کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا، جس کی بنا پر آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازہ گیا۔ ان کی تحقیق کا موضوع "A Critical edition of the Dwan of NAJIB-UD-DIN JURBADQANI (with introduction and notes) تھا۔ اس مقالے میں Introduction اور نجیب الدین جربادکانی کی حالات زندگی انگریزی میں لکھی گئی ہے اور باقی فارسی زبان میں دیوان نجیب الدین جربدکانی کو ایڈیٹ کیا گیا ہے۔ اس دیوان میں قصاید، قطعات، غزلیات، ترجیع (ترکیب) رباعیات، مثنویات، تعلیقات اور واژہای مخصوص کو کچھ دستیاب نسخوں کی مدد سے بڑی محنت اور جانفشانی سے ایڈیٹ کیا گیا ہے۔ خالد صاحب تعارف میں لکھتے ہیں۔

"Najib Jurbadqani was an important poet of Iran who had flourished during the later Saljuq king (557-590 A.H) and Atabeks of Azarbaijan (531-622A.H) unfortunately copies of his Diwan are not generally found in eastern and western libraries. This is why so for he could not be made subject of serious study."[1]

(۹) ڈاکٹر حکیم محمد طیب

ان کی تحقیق کا موضوع " A critical evaluation of the works of Yosuf Bin Mohammad Yusufi, a famous physician, poet and munshi of Babar and Humayun" تھا۔ حکیم محمد طیب نے اپنا تحقیقی مقالہ نذیر احمد صاحب کی نگرانی میں تیار کر کے ۱۹۷۰ء میں جمع کیا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہ تحقیقی مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔

Firts Chapter

Literary and Cultural relationship with Persian

---

1 Thesis Mohammed Khalid Siddiqi Page 1

Second Chapter

Life sketch of Yusuf bin Muhammad

Third Chapter

A critical evaluation of the works of Yusufi medical works, poetical works, additional poems, book on mysticism.

تعارف میں حکیم محمد طیب لکھتے ہیں۔

"India is the only country in the world which has preserved the Greek system of medicin and maintained its utilization on the contrary the nations which have a glorious past in respect to this system have renounced it and their legacy is non except the feding memory of valuable contributions of their ancestors. Several exhaustive works on the origin and development of medicine are available and the scholars have traced at full lenght the medical history of Greece, Iran and Arabian countries, but none has dealt with the glorious epoch of unani Tib in India, to which it owes an Immense debt. However, the unani, tib we have today in India has a posterior link with the generative era of Iran and Arabian countries and thus in order to appreciate the present we have to retrace the past"[1]

(۱۰) ڈاکٹر رضیہ مفتی

ڈاکٹر رضیہ مفتی نے نذیر احمد صاحب کی زیر نگرانی اپنا تحقیقی مقالہ تیار کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کی تحقیق کا موضوع "A critical evaluation of Persian poerty written in Indian the 13th century تھا۔

1 Thesis Hakeem Mohammed Tiyab , Introduction

(۱۱) ڈاکٹر غلام عیسیٰ مفتی

آپ کی تحقیق کا موضوع "A Critical edition of Khan-e-Arzu-Musmir" تھا۔ آپ نے نذیر احمد صاحب کی زیرنگرانی اپنا تحقیقی مقالہ تیار کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا، جس کی بنا پر آپ کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا گیا۔ اس تحقیقی مقالہ میں دیوان خان آرزو کو ایڈیٹ کیا گیا ہے۔ یہ کام نذیر احمد صاحب نے بڑی محنت سے مکمل کرایا ہے۔

(۱۲) پروفیسر کبیر احمد جائسی

کبیر احمد جائسی صاحب کے تحقیقی مقالہ کا موضوع "A critical edition of Diwan-i- Mujir-Bailqani" تھا۔

جائسی صاحب نے دیوان مجیر بیلقانی کی تصحیح وتحشیہ کر کے مقالہ تیار کر کے جمع کرایا جس کی بنا پر آپ کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ۱۹۷۳ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازہ۔ آپ نے دیوان مجیر بیلقانی کی تصحیح ہاتھ سے کی ہے لیکن صرف Introduction اور Preface انگریزی میں Type کرایا ہے۔ اس مقالے کے مقدمہ میں مجیر بیلقانی کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ امیر خسرو کا کہیں کہیں ذکر کیا گیا ہے اور خاقانی دور کے بارے میں تھوڑی تفصیل دی گئی ہے۔ Preface میں لکھتے ہیں۔

"Mujiruddin Bailqani was an important personality of the 6th century A.H. He used Mujir as his pen-name which is directly derived from his name. This is fully born out by his own writings as well as the statemets of the contemporary Poets. Mujir was born in a city called Bailqan."[1]

(۱۳) ڈاکٹر زہرہ عرشی

ان کی تحقیق کا موضوع ''فرہنگ جہانگیر مؤلف میر جمال الدین حسین بن فخر الدین حسن انجوی

---

1 Thesis Kabir Ahmed Jiyasi

شیرازی'' ہے، یہ تحقیقی مقالہ نذیر صاحب کی سرپرستی میں چند نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے جس میں موزہ برطانیا لندن کا نسخہ متوفی ۱۰۳۵ھ کو اصل بنایا گیا ہے۔ اس مقالہ میں مکمل فرہنگ جہانگیر کو ایڈیٹ کیا گیا ہے۔ اس تحقیقی مقالہ میں پیش لفظ کے علاوہ مخطوطہ حاضر، فہرست رموز اور دیباچہ مؤلف شامل ہے۔ یہ طویل مقالہ ۱۳۸۱ صفحات پر مشتمل ہے اس لئے اسے دو جلدوں میں مکمل کیا گیا ہے۔

(۱۴) ڈاکٹر شوکت نہال انصاری

آپ کی تحقیق کا موضوع ''مرزا محمد خان قزوینی و تحقیق و بررسی در آثار او'' تھا۔ آپ نے نذیر احمد صاحب کی زیر نگرانی اپنا ایم۔فل کا مقالہ تیار کر کے ڈگری حاصل کی تھی۔ یہ تحقیقی مقالہ بعد میں ڈاکٹر شوکت نہال نے شائع کیا ہے، اس تحقیقی مقالہ کا پیش گفتار نذیر احمد صاحب نے تحریر فرمائی ہے، جس میں قزوینی کی حالات زندگی اور ان کے تحقیقی کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔

ڈاکٹر شوکت نہال انصاری لکھتی ہیں:

''مرزا محمد در سال ۱۲۹۴ در تهران ولادت یافت و تحصیلات مقدماتی وعلوم اسلامی را در تهران فراگرفت در سال ۱۳۲۲ه بدعوت بردار خویش میرزا احمد خان به لندن سفر کرد مدتی در انجا و سپس درپاریس به مطالعه و تحقیق مشغول بود در دورهٔ جنگ عالمی اول در برلین گذارنید وپس از ان بپارس رفت در همان شهر مقیم شد، در ایام اقامت در اروپا با اغلب خاور شناسان۔ شناسائی پیدا نمو دار ۱۹۴۰ء ایران با زگشت و در تهران مقیم شدوپس از دو سال درهمین شهر ۱۹۵۰ء وفات یافت۔''[۱]

ایم۔فل کے بعد ڈکٹر شوکت نہال انصاری نے پی۔ایچ۔ڈی کا تحقیقی مقالہ اگرچہ پروفیسر کبیر احمد

---

[۱] مرزا محمد قزوینی کی فارسی میں تحقیق مصنفہ ڈاکٹر شوکت نہال انصاری، ص پیش گفتار

جائسی کی زیر سرپرستی مکمل کیا لیکن ان کے کام میں پوری محنت اور رہنمائی نذیر احمد صاحب کی تھی۔ ڈاکٹر شوکت نہال کی پی۔ ایچ۔ ڈی کا موضوع ''مرزا محمد قزوینی کی فارسی میں تحقیق'' پر تھا۔ اپنے تحقیقی مقالے کے بارے میں وہ کہتی ہیں:

''اگرچہ میں نے پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر کبیر احمد جائسی صاحب کی زیر نگرانی کی ہے، لیکن کبیر احمد صاحب تب کشمیر میں تھے، اس لئے مجھے تحقیقی کام میں پوری مدد نذیر احمد صاحب نے کی اور میرا مقالہ مکمل کرنے میں نذیر صاحب کی محنت کا بہت بڑا دخل ہے۔ ان کے بغیر میرا مقالہ مکمل نہ ہوتا'' ڈاکٹر شوکت نہال انصاری نے اس بات کا ذکر اپنی کتاب ''مرزا محمد قزوینی کی سپاس گزاری میں بھی کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"بنده دردانشگاه علی گڑه این کاررا شروع کردم بعد ازاں چوں بدانشگاه جامعه ملیه اسلامی دهلی رفتم همان موضوع تحت راهنمائی دکتر کبیر احمد جائسی ادامه دادم ۔اماحیف بود که پس از چند سال ڈاکٹر جائسی جامعه ملیه اسلامه را ترک داده و از دانشگاه کشمیر(سرنگر) وابسته شدند اماموجب خوشوقتی بعدکه بادرگرازشفقت است محترم پروفیسر دکتر نذیراحمد بهره درشدم وایشان درتشویق کار هیچ دقیقه ناصری ناگذاشتند بنده حضور ایشان با حترام فراوان مراسم سپاسگزاری مقروض دارم"[۱]

(۱۵) پروفیسر آزرمی دخت صفوی

پروفیسر آزرمی دخت صفوی کے تحقیقی مقالے کا موضوع "SA'DI as a Humanist and lyricist" تھا۔ آپ نے اپنا تحقیقی مقالہ پروفیسر نذیر احمد کی زیر سرپرستی مکمل کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا جس کی بنا پر آپ کو یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی۔ اس تحقیقی مقالہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا

---

[۱] مرزا محمد قزوینی کی فارسی میں تحقیق، مصنفہ ڈاکٹر شوکت نہال انصاری، ص سپاس نامہ۔

ہے، حصہ اوّل میں Humanism اور "Sadi as a humanist" Sadi compared Firdosi as a humanist کے موضوعات زیر بحث رہے ہیں۔ حصہ دوم میں lyricism اور 'Sadi' as a lyricist' Sadi compared husru as a lyricist, Sadi compared Hafiz as a lyricist کے موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔ آخر میں مقالے کو Conclusion پر مکمل کیا گیا ہے۔ اپنے تحقیقی مقالے کے بارے میں پروفیسر اے۔ ڈی۔ صفوی لکھتی ہیں:

"The subject of the present essay is Sadi as a humanist and a lyricist. Our charted course lies through the lands of sages to the land of song, from musing to music.

The assay will fall into two parts, each being again sub divided into chapters. The first part will be about Sadi the humanist. We shall being it by trying to define humanism, so that when later, we attrioute it to Sadi, the reader may be reasonably sure that our assertion is true and then we are not imposing upon him one of our pet and personal fads. We shall examine the nature of humanism and shall wonder at the result.

In the next chapter, we shall try to seek a peer for this Sadi the humanists. Rank after rank of Persian mystics and moralists writers and poet."[1]

(۱۶) ڈاکٹر مسعود حسن نظامی

ان کی تحقیق کا موضوع "Mir Jalaludin Husain Inju his contribution to Persian lexcography" تھا۔ مسعود حسن نظامی صاحب نے اپنا تحقیقی مقالہ نذیر احمد صاحب کی رہنمائی میں مکمل کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ فرہنگ نگاری پروفیسر نذیر احمد کا دلچسپ موضوع میں سے رہا ہے، اس موضوع میں آپ نے پانچ اہم فرہنگوں کو ایڈیٹ کر کے شائع کیا،

1 Thesis, Prof Azarmi Dukht Safavi Page 153

نذیر احمد صاحب نے مسعود حسن صاحب کو بھی جمال الدین انجوی کی فارسی فرہنگ نگاری پر تحقیق کرائی۔ یہ تحقیقی مقالہ فرہنگ نویسی پر اہمیت کا حامل ہے۔

(۱۷) حافظ ضیاء الدین شمسی تہرانی

ان کے تحقیقی مقالے کا موضوع Development of Persian Language in India from the 11th to 14 th century" تھا۔ حافظ ضیاء الدین نے نذیر احمد صاحب کی رہنمائی میں اپنا تحقیقی مقالہ تیار کر کے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس مقالے میں ہندوستان میں گیارہویں صدی سے چودھویں صدی تک کے فارسی زبان وادب سے بحث کی گئی ہے۔ یہ دور فارسی زبان وادب کا اہم دور تھا۔ اس دور میں فارسی زبان کی کافی ترقی ہوئی۔

(۱۸) ڈاکٹر مصطفیٰ خانم

مصطفیٰ خانم نے پروفیسر نذیر احمد کی زیر سرپرستی اپنا تحقیقی مقالہ تیار کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ان کے تحقیقی مقالہ کا موضوع "A critical evalution of Persian poetry with in Inda in the 13 th century." تھا۔ اس مقالے میں تیرہویں صدی میں ہندوستان کی فارسی شاعری سے مکمل بحث کی گئی ہے۔

(۱۹) ڈاکٹر فاعقہ بیگم

پروفیسر نذیر احمد نے فاعقہ بیگم کو تحقیقی مقالہ تیار کرایا، جس کی بنا پر انہیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا۔ ان کی تحقیق کا موضوع " A critical study of in prose leterature produced during the Tugalq regime" تھا۔ زیر نظر مقالے میں تغلق دور کی فارسی نثر سے مکمل بحث کی گئی ہے۔

(۲۰) ڈاکٹر روشن آرا

ڈاکٹر روشن آرا نے اپنا تحقیقی مقالہ نذیر احمد صاحب کی نگرانی میں مکمل کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ان کے تحقیقی مقالے کا موضوع ''سولھویں اور سترہویں صدی کی فارسی شاعری میں ہندوستانی عناصر'' تھا۔جو ۱۹۸۲ء میں مکمل کیا گیا۔

یہ تحقیقی مقالہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔پہلا باب ہندوستان اور ایران کے قبل تاریخ کے دور سے لے کر مغلوں کے دور تک کے تاریخی اور تہذیبی رشتوں کے بارے میں ہے۔ان گہرے روابط کی جڑیں پانچ ہزار سال قبل مسیح تک پھیلی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے دونوں ملکوں کے مزاج میں ہم آہنگی اور یگانگت کا سراغ ملتا ہے، دوسرا باب ابتدائی فارسی شاعری میں ہندوستانی عناصر کے لیے وقف ہے، قدیم ترین دور سے لے کر سولھویں صدی تک فارسی شاعری میں ہندوستانی عناصر کی جھلکیاں ملتی ہیں اور ان کا سلسلہ برابر قائم رہا ہے مثلاً کہیں ہندوستانی اصطلاحات کی شکل میں، کہیں ہندوستانی قصوں کی صورت میں اور کہیں ہندوستان کی تلمیحات اور تصورات کی شکل میں اور اس طرح حنظلہ بادغیسی سے لے کر رومی اور جامی تک یہ سلسلہ ملتا ہے۔ تیسرا باب ہندوستان میں ابتدائی فارسی شاعری میں ہندوستانی عناصر کے بارے میں ہے۔اس باب میں زیادہ تر امیر خسرو کے کلام میں ہندوستانی عناصر سے بحث کی گئی ہے، جو ہندوستان میں فارسی شاعری کے باوا آدم کہے جاتے ہیں۔

چوتھا باب ہندوستان میں فارسی شاعری کے چلن کے بعد یہاں رواج پانے والے اس مخصوص اسلوب کے بارے میں ہے جو سبک ہندی کے نام سے مقبول ہوا۔

پانچوں باب ان ہندوستانی قصوں کے بارے میں ہے جو فارسی میں سنسکرت اور دیگر ہندوستانی زبانوں سے یا تو برائے راست ترجمہ کئے گئے یا ان کے خلاصے نظم کئے گئے یا ان پر مبنی قصے تصنیف کر کے انہیں مثنوی کی شکل دے دی گئی۔

چھٹا باب سولھویں اور سترویں صدی کی فارسی شاعری میں ان ہندوستانی عناصر کے لیے وقف ہے جو

تصورات اور الفاظ کی سطح پر رونما ہوئے، اس باب کو بھی پچھلے باب کی طرح عہد اکبری، عہد جہانگیری، عہد شاہجہانی اور عہد اورنگ زیب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

ساتواں باب اختتامیہ ہے جس میں ان تمام ابواب کے مباحث کو مختصر طور پر سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے اور فارسی شاعری کے ہندوستانی عناصر کی مختلف نوعیتوں کا تعین مقصود ہے۔

(۲۱) ڈاکٹر ممتاز علی خان

ڈاکٹر ممتاز علی خاں کے تحقیقی مقالے کا موضوع "A critical evaluation of the Persian prose writings of the thirteenth century A.D, in India. ہے۔ آپ نے پروفیسر نذیر احمد کی زیر نگرانی اپنا تحقیقی مقالہ تیار کر کے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا، جس کی بنا پر آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا گیا۔ آپ اپنے تحقیقی مقالہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"That prompted me to make the more important Persian prose works of the period. The topic of my research for the Ph.D digree form the Aligarh Muslim University. under U.G.C research scholarship scheme, and take critical note of them along with the lives of there authors.

A mere evaluation of the important Persian works of the thirteenth century would not have sufficed my present purpose so I have perfixed to the study of the works the begining and the growth of the cultural and linguistic relations between India and Iran, and with a general survey of the Indo-Persian literature of the Ghaznawid period; In order to provide a back ground to the literary efforts made in the century under review in India ,and to emphasis the significance of the role played by India, Since quite early in the development and enrichment of the Persian languge.

As the thirteenth century is important form the political, social and cultural

points of view also, I have devoted a whole chapter, the second one, to a brief survey of the political, social and cultural, along with the literary, conditions obtaining in the thirteenth century."[1]

(۲۲) ڈاکٹر نیرؔ حسیب

نیرؔ حسیب نے پروفیسر نذیر احمد کی زیر سرپرستی مقالہ لکھا اور ایم۔فل کی ڈگری حاصل کی۔ نیرؔ حسیب کے مقالہ کا موضوع Pre Mughal Persian poets in India تھا۔ مقالے کے مقدمہ میں نیرؔ حسیب لکھتے ہیں:

"مقالۂ بنده " گویندگان فارسی پیش از مغل" مشتمل بر احوال آنزمان از غزنوی تا لودیان است ۔چون مضمون طویل و وقت کوتاه۔ زیرا احوال شان را مختصر کردم

سخن جالب این ست که کلام گویندگان پیش از مغل بسیار کوتاه وپر از اشتباه است ۔ واز دستبرد زمانه محفوظ نه ماند۔ و خصوصاً دورۂ تغلقه و خلجیه که پر مایه ترین دور است ولی هیچ یاد گار آنزمان بعلاوۂ خسرو، میرحسن یا مسعودیک ومطهر وبدر چاچ باقی نیست۔ وعدۂ از گویندگان رادر تذکره ها تفصیل ذکر نموده اندو عصر واحوال شان هنوز مخفی است عصربعضی از گویندگان راتعین کردم۔ وآنچه که در تذکره ها وتاریخ ها وفهرست های موزه هایافتم شامل مقالۂ من است ورساله های دکترا مشتمل هر شعرای پیش از خلجیه خانم ماریه بلقیس وشعرا خلجیه معتصم عباسی صاحب از آنها نیز استفاده کردم۔

1 Preface, some Important Persian prose writings of the thirteen century A.D. in India by Mumtaz Ali Khan Dept of Persian Aligarh Muslim University Aligarh 1970.

درآخر رئیس شعبۂ فارسی آقای دکتر نذیر احمد صاحب راسپاس گزارم که مرا رنمائی بسیار نمود گرا والتفات ویگانگت نه کردے من مقاله رابپایان نتوانم رسانید واستاد های دیگر شعبۂ را نیز سپاس گزارم۔[۱]

اس طرح یہ مقالہ ۱۰۹ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں دورِ غزنوی وغوری کے ۲۹ شعراء اور دورِ غلامان اور مملوکیہ کہ ۴۰ شعراء اور دورِ خلجی کے ۴۸ شعراء اور دورِ سید ولودی کے ۲۶ شعراء کے حالات مختصراً دیئے گئے ہیں۔ مقالہ کے آخر میں منابع وماخذ کی فہرست شامل ہے۔

(۲۳) ڈاکٹر جمال شریف

جمال شریف نے اپنا تحقیقی مقالہ ۱۹۶۵ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جمع کیا اور پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جمال شریف شعبۂ اردو سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے نذیر احمد صاحب کی نگرانی میں اپنا تحقیقی مقالہ تیار کیا جس کا موضوع ''دکن میں اردو شاعری کا ارتقا ولی سے پہلے ۱۱۰۰ھ سے ۱۶۸۷ھ تک'' تھا۔ یہ تحقیقی مقالہ تین حصوں میں لکھا گیا ہے۔ پہلے حصے میں دکن کی وجہ تسمیہ، دکن میں اردو زبان کے ابتدائی نقوش، شمال وجنوب کا ارتباط، علاالدین خلجی کا حملہ دکن پر، محمد تغلق کا دہلی کے بجائے دولتِ آباد کو پائے تخت بنانا، علماء وصوفیا کی تبلیغی کوشش اور دکن کے سماجی مسائل سے مکمل بحث کی گئی ہے۔ مقالہ کے دوسرے حصے میں ''دکن میں اردو شاعری کی ابتدا اور ارتقا'' اس عنوان کو مزید ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں دکن میں اردو شاعری کا دور اول، باب دوم میں دکن میں اردو شاعری کا دور دوم، باب سوم میں دکن میں اردو شاعری کا دور سوم اور باب چہارم میں اردو شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ کے تیسرے حصہ میں اردو کے چند اصناف سخن جیسے مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، غزل، رباعی کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دکن میں شاعری کی زبان اور ولی سے قبل اردو شاعری کے ارتقا کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخر میں کتابیات کی ایک جامعہ فہرست شامل ہے۔

باب سوم

پروفیسر نذیر احمد کی دلچسپی کے میدان کا تنقیدی مطالعہ

حصّه (الف)

فارسی لغت نویسی در هند

حصہ (الف)

فارسی لغت نویسی در ہند

پروفیسر نذیر احمد فارسی اور اُردو ادب کے محقق، دانشور اور استاد کی حیثیت سے نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری فارسی دنیا میں متعارف، معتبر مقام وشخصیت کے مالک اور بجا طور پر قابل احترام تھے۔ آپ کے علمی، تحقیقی اور ادبی کارناموں کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ جو کام آپ نے تن تنہا کیا وہ عام طور پر آج کا علمی ادارہ بھی مشکل سے انجام دے پائے گا۔

پروفیسر نذیر احمد کی دلچسپی کا ایک موضوع، فارسی فرہنگوں کی ترتیب وتصحیح تھی۔ آپ نے ''فرہنگ قواس، فرہنگ زفان گویا، دستور الافاضل، نقد قاطع برہان اور لسان الشعراء جیسی اہم فرہنگیں مرتب کر کے شائع کی ہیں۔

فرہنگوں پر نقد وتبصرہ ایک علمی وفنی کام ہے۔ نذیر صاحب کو اس میدان میں خاص ملکہ، استعداد اور خداداد صلاحیت حاصل تھی۔ اس کام کے لئے گہری علمی بصیرت اور پھر وسیع مطالعے کی ضرورت ہے۔ ''بنیادی طور پر لغت مجموعہ ہے کسی زبان کے الفاظ کا جس طرح کسی شخص واحد یا کسی تجارتی اور صنعتی ادارے کی حیثیت اور ساکھ کا اندازہ اس کے راس المال سے کیا جاتا ہے اسی طرح ہم کسی زبان کی گشادگی وترقی اور قوتِ اظہار کا اندازہ اس کے ذخیرۂ الفاظ سے لگا سکتے ہیں۔ اگر زبان میں ہر موقع ومحل کی مناسبت سے لفظ موجود ہے اور وہ ہر طرح کی وضاحت وتشریح پر قادر ہے تو ہم اُسے کامل اور ترقی یافتہ زبان تسلیم کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ لغت کا کام اتنا آسان نہیں جتنا معلوم ہوتا ہے یا سمجھ لیا گیا ہے۔ پہلے تو عام کتابوں کا پڑھنا اور ان میں سے وضاحت طلب الفاظ یکجا کرنا ہی کون سا سہل کام ہے۔ الفاظ جمع کر لینے کے بعد اب لغت کے مرتب کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ لغت کی بنیادی غرض الفاظ کے معنی پیش کرنا ہے اس سلسلے میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ کسی زبان میں بھی کوئی دو لفظ کامل طور پر ہم معنی نہیں ہوتے ان میں کچھ نہ کچھ امتیازی خصوصیت اور باریک فرق ضرور ہوتا ہے۔ جب ہم ایک لفظ کے معنی میں دوسرا لفظ بطور مترادف درج کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ دونوں لفظ ہر پہلو سے ایک ہی مفہوم کے نشان ہیں بلکہ یہ دوسرا لفظ پہلے سے قریب ترین ہے۔''[۱]

اس طرح اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ فرہنگ نگاری انتہائی مشکل فن ہے اور اس کی ترتیب وتدوین کا کام ژرف نگاہی، محنت شاقہ اور کامل یکسوئی چاہتا ہے۔ اس کو انجام دینے کے لئے علم کی وسعت، مطالعہ کی گہرائی اور معلومات کے تنوع کی ضرورت ہوتی ہے، اسی کے ساتھ قدیم اور جدید متون پر کامل دسترس بھی لازماً ہونی چاہئے۔ اس طرح اگر بہ غور دیکھا جائے تو لغت نویسی یا نقد لغت کا کام عام تخلیق یا تحقیق کے مقابلہ میں کہیں زیادہ مشکل پیچیدہ اور تہہ دار ہوتا ہے۔ اسی لئے دلجمعی اور ذہنی یکسوئی کا طالب ہوتا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد نے فارسی لغات (Lexicography) پر

---

[۱] لغت نویسی کے مسائل، مرتبہ، گوپی چند نارنگ، ۱۹۸۵ء ص: ۱۳۔۱۴

جتنے کام کیے ہیں ان میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں ۔ ان میں فرہنگ قواس ، پہلی بار ۱۹۷۲ء میں تہران سے اور دوسری بار ۱۹۹۹ء میں کتابخانہ رضا رامپور سے شائع ہوئی اسی طرح 'دستور الافاضل' بھی ایران سے شائع ہوئی ۔ زفانِ گویا دو جلدوں میں خدا بخش لائبریری پٹنہ سے اشاعت پذیر ہوئی ۔ نقد قاطع برہان ، کی اشاعت ۱۹۵۸ء میں غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی سے ہوئی ۔ ان مرتب کردہ فرہنگوں کی تفصیل اس طرح ہے ۔

(۱) فرہنگ قواس:

فخر الدین مبارک شاہ قواس غزنوی کی تالیف کردہ ''فرہنگ قواس'' کو کئی لحاظ سے اہمیت حاصل ہے اس کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہ ہے کہ ہندوستان میں فارسی لغت نویسی کی با قاعدہ ابتدا اسی فرہنگ سے ہوتی ہے اور پھر فارسی زبان کی دوسری فرہنگیں ہیں جو خوش قسمتی سے ہندوستان میں کشف ہوئیں ۔ نذیر احمد صاحب کی تین سال کی محنت اور کاوش کے بعد فرہنگ قواس مکمل ہوئی ۔ سب سے پہلی لغت اسدی ہے جو ایران سے شائع ہوئی ۔ فرہنگ قواس کے مقدمہ میں اشتباہ کاتب اور اشتباہ مصنف سے طویل بحث کی گئی ہے ۔ نذیر احمد صاحب کی تصحیح کردہ پہلی جلد ایک ناقص نسخہ پر مبنی ہے جو ۱۹۷۴ء میں ایران سے شائع ہوئی لیکن ۱۹۹۲ء میں نذیر احمد صاحب کو کراچی پاکستان سے ایک بے نام مسودہ حاصل ہوا جس میں تین فرہنگیں شامل تھیں جن میں فرہنگ قواس کے پندرہ ایسے صفحات بھی شامل تھے جو اس سے پہلے کسی نسخہ میں موجود نہ تھے ۔ یہ بہت بڑی دریافت ہے ۔ فرہنگ قواس کے دیباچہ میں ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی لکھتے ہیں ۔

''فرهنگ قواس تالیف فخر الدین مبارک شاه غزنوی دراواخر سدهٔ هفتم ویا اوایل سدهٔ هشتم در هند بتکمیل رسید ۔ جناب استاد نذیر احمد نسخه ای خطّی این فرهنگ رادر کتابخانهٔ انجمن آسیایی ، کلکته یافتند ۔ این نسخه ناقص الطرفین بود ولی نظر به قدامت و اهمیت این فرهنگ ، استاد نذیر احمد همین نسخهٔ ناقص رابا مقدّمهٔ محققانه

وپاورقی های مفصل از بنگاه ترجمه و نشر کتاب، تهران در ۱۳۵۳/۱۹۷۴ء به چاپ رسا ندند۔

خوشبختانه تلاشهای علمی و تحقیقی استاد نذیر احمد منجر به کشف نسخه ای دیگر فرهنگ قواس در موزهٔ ملّی پاکستان، کراچی شد۔ این نسخه کامل است و استاد نذیراحمد حلامتن کامل فرهنگ قواس رابر اساس هر دو نسخه اماده نموده اند[۱]

اس فرہنگ کا سال تالیف متعین نہیں خود مؤلف نے بھی اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔ البتہ قارین سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سلطان علاء الدین خلجی کی حکومت ۱۲۹۵ء تا ۱۳۵۱ء میں پایا تکمیل کو پہنچی اس لحاظ سے اس کو فارسی کی قدیم ترین کتاب لغت تو قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس سے قبل پانچویں صدی ہجری (گیارہوی صدی عیسوی) میں اسدطوسی کی ''لغت فرس'' وجود میں آ چکی تھی اور اسی کو فارسی کی قدیم ترین لغت تسلیم کیا جاتا ہے لیکن اگر ہندوستان کے تناظر میں دیکھا جائے تو فرہنگ قواس ہی اولین لغت قرار پائے گی۔ پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں:

''فرهنگ قواس ظاهراً در او اخر سده هفتم یا اوائل سدهٔ هشتم هجری تألیف شد۔ نویسندهٔ آن فخر الدین مبارک قواس غزنوی یکی از گویند گان بزرگ دورهٔ علاء الدین خلجی (۶۹۵ء۔۷۱۶ه) پادشاه هندوستان بوده است۔ ازاین جهت است که ماحدس زده ایم که این فرهنگِ درهمین دوره نوشته شده باشد، بنابر این درمیان فرهنگ های مکشوف بعد از لغت فرس اسدی طوسی (فوت ۴۶۵ه) فرهنگ قواس، کهن تریں فرهنگ، فارسی می باشد[۲]

---

۱ فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، رامپور ۱۹۹۹ء ص دیباچہ

۲ فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، رامپور ۱۹۹۹ء، ص:۱

فرہنگ قواس میں الفاظ کو موضوع کے اعتبار سے درج کیا گیا ہے اس طرح بنیادی طور پر یہ پانچ حصوں میں منقسم ہے، ہر حصہ کو بخش کہا گیا ہے، پھر ہر بخش کی مزید تقسیم کی گئی ہے، اس تقسیم کی گونہ اور گونہ کی مزید تقسیم کو بہرا کا عنوان دیا گیا ہے۔

اس کی تالیف میں کسی خاص ندرت سے کام نہیں لیا گیا الفاظ کے معنی بیان کرنے میں تفصیل اور تشریح کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے صرف لفظ کے بدلے لفظ رکھ دیا گیا ہے البتہ سند کے طور پر اساتذہ کے اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ اس زمانے میں لغت نویسی کا عام انداز یہی تھا وضاحت کے لئے ذیل میں چند اندراجات نقل کئے جاتے ہیں، ان سے مندرجات کے عمومی انداز کا پتہ چل جائے گا:

یزدان : خدای تعالیٰ است، چنا نکه انوری گفته است:

ای زیزدان تاابد ملک سلیمان یافته

هر چه جسته جز نظیر از فضل یزدان یافته

حاشیه میں نذیر صاحب نے لکھا، ایزدو یزدان[1]

دادار:دهنده راگویند، خاقانی گفته است

بادت رغایات هنر بر عرش را یات خطر

درشانت آیات ظفر از فضل دادار آمده

حاشیہ میں پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں: باشد؛ لسان الشعراء دادار دهنده، زفان دهنده ونام خدائی تعالیٰ، قواس چاپی ''ظفر''

گرگر: نام خداست گرو گرنیز گویند، دقیقی گفته است

چو بیچاره کشتند وفریاد جستند

برایشان ببخشود یزدان گرگر

حاشیه میں فرس ۱۲۸ درلسان الشعرا گرگر و گرو گر نام خدائی

---

[1] فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، متن ص: ۸۔۹

غزة السماء ه عمت نعماء ه[۱]

پوری فرہنگ میں اسی طرح اختصار سے کام لیا گیا ہے حتیٰ کہ لفظ خسرو کے معنی بیان کرنے میں صرف اتنا ہی لکھ دینے پر اکتفا کرلیا کہ یہ ایک بادشاہ تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ کس ملک کا بادشاہ تھا تو بات زیادہ واضح ہو جاتی اور اختصار میں بھی فرق نہیں پڑتا جیسے خسرو: بادشاہ بود، خاقانی گوید:

در دری کـه خـاطر خـاقـانی آورد

قیـمت به بزم خسرو والا بر افگند[۲]

البتہ معانی کی سند کے طور پر مستند شعرا کے اشعار پیش کرنے سے اس میں کسی حد تک محققانہ شان پیدا ہوگئی ہے۔ جن شعرا کے کلام سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں مسعود سعد سلمان، سوزنی سمر قندی، سنائی، مغزی، خاقانی، انوری، عطار، ظہیر فاریابی وغیرہ شامل ہیں اس کے علاوہ بعض نسبتاً کم اہم شعرا کے اشعار سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ فرہنگ کمیاب تھی اور اہل علم کی دسترس سے باہر، اس لئے تشنۂ طباعت تھی۔ اس کے چند قلمی نسخے ہی مختلف کتابخانوں میں محفوظ تھے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ان تمام دستیاب نسخوں کی مدد سے، انتہائی محنت اور جانفشانی سے، ایک مستند اور معتبر نسخہ تیار کر کے اسے زیور طبع سے آراستہ کرایا اور اس میں ضروری حواشی وتعلیقات کو شامل کر کے اس کی افادیت میں مزید اضافہ کیا۔ دراصل موجودہ دور میں قدیم متون کی ترتیب وتدوین میں حواشی اور تعلیقات کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اصل متن میں بعض باتیں کلیتاً واضح نہیں ہوتی ہیں۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہوتا ہے کہ مصنف ان کی تشریح وتوضیح کو ضروری تصور نہیں کرتا یا یہ اصل موضوع اور اس کے مقصد تالیف کے دائرے سے باہر متصور ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ

---

۱ فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اول متن ص ۹

۲ فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اول ص ۵-۶

ان کے تشنہ توضیح رہنے کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ امور جنہیں آج ہم تشریح طلب سمجھ رہے ہیں انہیں مصنف کے عہد میں تشریح طلب نہ تصور کیا جاتا ہو، بعد میں امتداد زمانہ یا ماحول کی تبدیلی کے باعث ایک عام قاری کے لئے وہ نامانوس ہوگے ہوں اس لئے تدوین کے وقت ان کی تشریح وتوضیح ضروری ہوجاتی ہے اس سے اصل متن کے معانی ومفاہیم سمجھنے میں سہولت ہوجاتی ہے اور خود اصل متن کی افادیت اور معنویت میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد نے جتنے بھی قدیم متون، بشمول فرہنگ قواس، کی ترتیب وتدوین کی ہے ان میں عالمانہ انداز اور جس کثرت سے تعلیقات وحواشی کو شامل کیا ہے ان سے اصل متن کی معنویت اور افادیت میں اضافہ ہوا ہے۔

فرہنگ قواس کے شروع میں آپ نے ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں فرہنگ اور صاحب فرہنگ دونوں کے بارے میں مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے بعض محققین کی آراء سے اختلافات بھی کیا اور اپنے نقطۂ نظر کو بڑے مدلّل اور واضح انداز میں پیش کیا ہے اور بعض مقامات پر خود مؤلف فرہنگ کے بیانات کو بھی بعید از حقیقت ثابت کیا ہے۔ مثلاً فرہنگ کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے قواس قزوینی لکھتے ہیں کہ انہوں نے اس فرہنگ کو احباب کے اصرار پر تالیف کیا اور اس کی بنیاد شاہنامہ فردوسی پر رکھی۔

"روزی در انجمنی نشسته بودم، یاران همدل وهم منش گرد آمده بودند..... روزی خواندن کارنامه در دل ایشان راه یافت، شاهنامه که بهترین نامه هاست، پیش آودند..... دوستی روی بمن آوردو گفت..... مارا ازاین زبان بهره مند کن..... درپوزش رابستم وسخن را درسخن پیوستم .....پس از آن جوش گرفتند که آنچه زبان پارسی وپهلوی است، می باید که همه رایکجاکنی وترزفان بنویسی تاهر کس ازاین زبان بهره ای گیرد.....مرا چون از گفت او..... گریز نبود خشنود شدم و دربستوه واستوه رابر خودبستم وخاست منش واندیشه دل درآن پیوستم تا فرهنگ

نامه هارا باهم کنم۔ نخست شاهنامه را که شاهِ نامه ها ست، پیش آوردم واز سرتاپا بخانه فروخواندم؛ آنچه از سخن پهلوی بود همه راجداگانه برکاغذ بنوشتم ۔[۱]

اسی کی بنیاد پر حافظ محمود شیرانی جیسے بلند پایہ محقق اور عالم نے لکھ دیا کہ شاہنامہ کے مطلب کو سمجھنے کے لئے فرہنگ قواس کافی سودمند لغت ہے:

"درمطالعه شاهنامه ، فرهنگ قواس خیلی مؤثر و سود مند است[۲]

پروفیسر نذیر احمد نے اس بات پر اتفاق نہیں کیا ان کا کہنا تھا کہ قواس نے لغت خالصتاً شاہنامہ کو بنیاد بنا کر فارسی و پہلوی الفاظ کا انتخاب صرف شاہنامہ سے کیا، درست نہیں اور یہ کہ اس نے سند کے طور پر جو اشعار پیش کئے ہیں وہ شاہنامہ سے زیادہ رودکی اور سوزی سمرقندی کے دیوانوں سے لئے گئے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"ازاین عبارات واضح می شود که فخر قواس این فرهنگ رامخصوصاً برای شاهنامه فردوسی نوشته و به همین علت است که در بعضی مواردفرهنگ قواس را فرهنگ شاهنامه دانسته اند۔

برای مااین امر چند ان مهم نیست که فخر قواس شاهنامه را کاملاً خوانده یا خیر ،امادعوای مؤلف که او فهرست مفصلی شامل واژه های پهلوی وفارسی از شاهنامه تهیه نموده بپایهٔ تحقیق نمی رسد، زیرادر فرهنگ حاضر ابیات شاهد از دیوانهای رودکی وسوزنی بیشتر از شاهنامه نقل شده؛ بنابراین واضح است که قواس از این دوشاعر اخیر بیشتر استفاده کرده۔ همچنین استفادهٔ اواز گفته های عنصری ونظامی وخاقانی تقریباً بهمان درجه است که او از فردوسی استفاده کرده است۔"[۳]

---

۱ فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اوّل، مقدمہ مصحح ص ۵

۲ ماہنامہ مخزن، لاہور، مارچ ۱۹۲۹ء

۳ فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اول، مقدمہ مصحح ص ۶۔۷

پروفیسر نذیر احمد نے اپنے مقدمہ میں فرہنگ قواس کے منابع ومصادر پر بھی روشنی ڈالی ہے۔آپ کا کہنا ہے کہ اگر چہ خود مؤلف نے اس سلسلہ میں کچھ نہیں بتایا ہے۔تاہم اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا بنیادی مآخذ اسدی طوسی کی لغت فرس ہے جو پانچویں صدی ہجری (گیارہ صدی عیسوی) میں تالیف کی گئی تھی اور جسے فارسی کی قدیم ترین کتاب لغت ہونے کا شرف حاصل ہے۔آپ نے مزید یہ بھی واضح کیا ہے کہ فرہنگ کی ترتیب وتنظیم علامہ زمخشری کی کتاب پیشروادب یا مقدمہ الادب کے طرز پر کی گئی ہے۔لکھتے ہیں:

"اگرچه فخر قواس نه درد یباچه منابع خودراتذکر داده و نه درمتن کتاب هیچیک از کتاب های مورد استفاده را نام برده،امااو از لغت فرس اسدی استفاده کلی کرده، ودر ترتیب وتنظیم کتاب از کتاب پیشتر وادب یامقدمة الادب زمخشری پیروی کرده است۔ زمخشری در کتاب خود مندر جات رابه اعتبار مطالب در پنج بهره قسمت نموده است"[1]

اسی کے ساتھ نذیر احمد صاحب نے فرہنگ کے بعض تسامحات کی نشاندہی بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ سند کے طور پر جو اشعار اس میں درجہ کئے گئے ہیں ان میں زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا گیا ہے اور ان کو بلا تحقیق لغت فرس سے نقل کر دیا گیا ہے اس کے علاوہ فرس میں بعض الفاظ کے جو معنی غلط درج ہو گئے ہیں۔فرہنگ قواس میں بھی وہ اسی طرح نقل ہو گئے ہیں۔ان سب کی اصلاح نذیر احمد صاحب نے متن کے حاشیہ میں کر دی ہے۔لکھتے ہیں:

"بعضی تسامحات که در لغت فرس در بعضی موارد روی داده، درفرهنگ قواس نیز راه یافته است؛ مثلاً در پیروی فرس دربعضی جاهابیت شاهد غلط درج شده؛ در چند جای شعر شاهد که درفرس غلط درج شده بود، در فرهنگنامه با همان اشتباهات در آمده؛ دربعضی موارد

---

[1] فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اول، مقدمہ مصحح ص ۹

درفرس معنی غلط نقل گردیده، عیناً همان معنی مغلوط در فرهنگ قواس دیده می شود؛این همه اشتباهات در حاشیهٔ متن حاضر در جای خویش نشان داده شده است ، باید به آن مراجعه شود۔"[۱]

اس کے بعد اصل متن کی تدوین میں پروفیسر نذیر احمد نے انتہائی دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ اس کی حواشی میں آپ نے نہ صرف فرہنگ کے دستیاب نسخوں کے متنی اختلافات کی نشاندہی کی ہے بلکہ ہر لفظ کے بارے میں بھی یہ بتایا ہے کہ دوسری کتاب لغت میں ان کے کیا معنی درج ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے لغت فرس، فرہنگ زفان گویا، دستور الافاضل، فرہنگ رشیدی، لغات سروری، برہان قاطع، صحاح الفرس، ادات الفضلاء، موید الفضلا اور فرہنگ جہانگیری جیسی اہم اور مستند کتب لغات میں درج معانی ومفاہیم سے مقابلہ کیا ہے اور بعض مقامات پر فرہنگ قواس کے تسامحات کی نشاندہی بھی کی ہے۔ جیسے

فرهنگنامه	لغت فرس
زکاب: حبرراگویند بهرامی گفته است	زکاب: مداد وحبر باشد بهرامی گفت
جز تلخ وتیره آب ندیدم دراین زمین الخ	جز تلخ وتیره آب ندیدم بدان زمین الخ[۲]

(۲) فرہنگ زفان گویا وجہان پویا:

فارسی کی دوسری اہم لغت بدر ابراہیم کی فرہنگ ''زفان گویا وجہان پویا'' ہے اس کو ہفتہ بخشی بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے مندرجات کو بنیادی طور پر سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کے سال تالیف میں اختلاف ہے لیکن اتنی بات مسلم ہے کہ ہندوستان میں تالیف کی جانے والی یہ اولین لغات میں سے ہے۔ اس لغت کے نام اور مصنف کے بارے میں نذیر صاحب لکھتے ہیں:

---

[۱] فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اول، مقدمہ مصحح ص ۱۱۔۱۲

[۲] فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اول، مقدمہ مصحح ص ۱۱

"فرهنگ زفان گویا و جهان پویا مشهور بهفت بخشی تصنیف بدرالدّین" و خود در فرهنگ نام این کتاب زفان گویان و جهان پویان در جست، مثلاً

درمقدمه این عبارت بنظر می آید:

و نام این فرهنگ نامه زفان گویان و جهان پویان نهادم۔[۱]

مزید فرھنگ کے مؤلف کے بارے میں نذیر صاحب لکھتے ہیں:

"دربارۂ مؤلف زفان گویا هیچ ماخذی در دست نیست، و خود مصنف کتاب نیز راجع بخود و دربارۂ تاریخ کتاب هیچ اطلاعی فراهم نه نموده، امادر مقدمۂ کتاب نام مؤلف بدرابراهیم بنظر می آید"[۲]

پروفیسر نذیر احمد نے مقدمے میں لکھا ہے کہ فرہنگ زفان گویا و جہان پویا کے مؤلف کے بارے میں زیادہ اطلاع تو نہیں ملی لیکن کتاب کے مقدمہ میں مؤلف کا نام بدرابراہیم نظر آتا ہے۔ یہ لغت بھی تشنہ طباعت اور ہمارے محققین کی توجہ کی محتاج تھی اس کی جانب بھی نذیر احمد صاحب نے ہی نظر التفات کی اور متعدد قلمی نسخوں کی مدد سے اس کا ایک معتبر اور مستند نسخہ تیار کر کے خدا بخش لائبریری پٹنہ سے شائع کرایا۔ یہ دو مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ پہلی جلد ۱۹۸۹ء میں طبع ہوئی اور دوسری آٹھ سال بعد ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی، اس کی ترتیب وتدوین میں نذیر احمد صاحب نے تصحیح متن، تعلیقات اور حواشی کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا ہے جس میں فرہنگ کے مؤلف بدرالدین بن ابراہیم سے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں اور فرہنگ کی خصوصیات سے بحث کی ہے اور اس کے تسامحات کی نشاندہی بھی کی ہے۔ اس ضمن میں آپ کا فرمان ہے کہ اس فرہنگ کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کے مؤلف نے زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا ہے اور اکثر الفاظ کے معنی بلا تحقیق قدیم کتب لغات سے

---

۱ فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اوّل، مقدمہ ص ۱

۲ فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اوّل، مقدمہ ص ۴

اخذ کر لیے ہیں اور دوسرا نکتہ یہ کہ اس میں ''فرہنگ قواس' وغیرہ کے برعکس سند کے طور پر اشعار پیش نہیں کئے گئے ہیں۔ان امور کی بناء پر اس کی محققانہ حیثیت مجروح ہوگئی ہے۔لکھتے ہیں:

''نقایص زفان گویا: اگر چه نویسندهٔ زفان گویا در علوم لغت و زبان دستگاهی داشته اما او دربعضی موارد مطالب از فرهنگ های قدیمی بدون تحقیق نقل می کند وبنابرین او را محقق علم لغت وعلم زبان و کتاب اور اکتاب محققانه قرارنمی توان داد۔[۱]

مزید لکھتے ہیں:

مزایای زفان گویا: زفان گویا از فرهنگهائیکه از آن قدیم ترهستند مانند لغت فرس وفرهنگ قواس وصحاح الفرس ودستور الافاضل ضخیم تروشامل واژه های بیشتر می باشد''[۲]

تدوین متن کے سلسلہ میں آپ نے فرہنگ قواس، کی طرح فرہنگ زفان گویا میں بھی بکثرت حواشی وتعلیقات کا اضافہ کیا ہے اس میں مختلف قلمی نسخوں میں اختلاف قرأت یا الفاظ کی کمی وبیشی کی نشاندہی کے علاوہ دوسری فرہنگوں اور کتب لغات میں مندرج الفاظ کے معانی ومطالب سے زفان گویا میں بیان کئے گے معانی سے مقابلہ کر کے صحیح معنی اور مفاہیم کو واضح کیا ہے اور اسی کے ساتھ مؤلف فرہنگ (بدرابراہیم) کے تسامحات کی نشاندہی کر کے مستند حوالوں سے ان کی اصلاح بھی کردی ہے۔اس طرح اصل متن کی صحت کے ساتھ اس کی افادیت اور معنویت میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے۔

اس فرہنگ کی تاریخ تالیف کے بارے میں مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

''دربارهٔ تاریخ تالیف زفان گویا اطلاعی بهم نرسیده ،خوش بختانه در میان مآخذ بحر الفضائل نام زفان گویا دیده می شود وتاریخ تالیف بحرالفضائل ۸۳۷ هجری است چنانکه خود نگارندهٔ کتاب می آرد''[۳]

---

[۱] فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلداوّل، مقدمہ ص ۱۶

[۲] فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلداوّل، مقدمہ ص ۱۲۔۱۳

[۳] ایضاً ص ۶

اس فرہنگ کے منابع کے بارے میں پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں

"بدرابراهیم هیچ جابیان نه نموده که او از چه منابع فرهنگ خود راترتیب داده امادرمیان توضیحات بعضی واژه های نامهای سه چهارفرهنگ برده از آنجمله است لغت فرس اسدی ، فرهنگ فردوسی، فرهنگ فخر قواس،رسالهٔ نصیر، اماواضح است که بدرابراهیم نه فقط در همان مواردی که نامهای فرهنگها آورده ، از انها استفاده نموده بلکه درسراسر کتاب تاثیر آنها بوده است و در بعضی جایها مندرجات آنها راعیناً نقل نموده است؛ درمیان این فرهنگها نوسیندهٔ زفان گویا از دو فرهنگ یعنی اسدی و قواس بیشتر استفاده نموده است مثلاً ذیل واژه های اورمزد، پیله خشتجه ، رخش ،زند، فانه، قله، کلج، کبد، کهبد، لک ، نورده ، ورتاج، علیواز وغیرآنها عبارتها اسدی وزفان تقریباً یکسانست وازین جهت تاثیر این کتاب از تاثیر قواس بیشتر ی است"[1]

مزید فرہنگ کے مخطوطات کے بارے میں پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں:

"ازین فرهنگ دو نسخهٔ خطی مکشوف شده ،یکی درکتاب خانهٔ خدا بخش بانکی پور پتنه، دیگری در تاشقند که فقط شامل جزء اخراین فرهنگ می باشد۔

نسخهٔ بانکی پور شامل ۱۷۲ ورق است ، ازآنجمله سه برگ ۱۶۹ تا ۱۷۱ از کتاب دیگری است، هر صفحه۱۷ سطر دارد ،خطّ نسخ جلی روشن وخوانا،عناوین باجوهر سرخ ، روی واژه هاکه شرح شده خطّ ریز کشیده اند۔

---

[1] فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلداوّل،مقدمہ ص۸۔۹

نسخه تاشقند اوراق ۵۴ هر صفحه دارای ۱۸ سطر،خطّ نستعلیق،خاتمهٔ کتاب اینست "کتاب فرهنگنامهٔ زفان گویا وجهان پویا، بیست ویکم ماه جمادی الثانی ۱۰۴۳ بخطّ بندهٔ حقیر بی بضاعت عرب نسفی[۱]"

فرہنگ زفان گویا کی دوسری جلد نذیر صاحب نے نسخہ کراچی، پاکستان کی مدد سے تیار کر کے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ سے ۱۹۹۷ء میں شائع کرائی۔ جیسا کہ بیان کر چکا ہوں کہ زفان گویا کی پہلی جلد کتابخانہ خدا بخش، پٹنہ اور تاشقند میں موجود نسخوں کی مدد سے تیار ہوئی ہے جو صرف ایک بخش پر مشتمل ہے۔ جب کہ دوسری جلد، پاکستان سے حاصل مسودے اور دوسرے دو نسخوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔ اس جلد میں زفان گویا کہ بقیہ چھ بخشوں کی تصحیح کی گئی ہے۔ اس جلد کے بارے میں نذیر صاحب لکھتے ہیں:

"جلد اول اززفان گویا که هفت سال پیش در سال ۱۹۸۹ء میلادی از چاپ در آمده، شامل بخش اول فرهنگ بوده است ، واین بخش مشتمل است برالفاظ مفرد فارسی سره، جلد دوم فرهنگ شامل شش بخش همراه دو جزودیگر می باشد ، یکی مشتمل بر "کنایات" که فقط در نسخه تاشقند در جست ودیگری بعنوان "نهایت فرهنگنامه" فقط شامل نسخهٔ پتنامی باشد۔ چون هردو جز و منحصر بر یک نسخه بوده است ومنابع دیگر نیز دردسترس نیست، بنده از تصحیح واژهای هر دوجزو مطمئن نیستم، به علاوه آن بخش هفتم این جلد شامل لغات ترکی است، چون بنده ترکی نمی دانم ومنابع کافی نیز در دسترس نیست، تصحیح کلمات این بخش نیز اطمینان ندارم، از خوانندگان محترم استداعامی کن که هنگام برخورد خطاهابنده رامطلع فرمایند تا از نظر اتشان استفاده شد"۔[۲]

---

[۱] فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اوّل مقدمہ ص ۲۹۔۲۸

[۲] فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد دوم مقدمہ ص ۲۹

اس طرح اس جلد میں بھی مقدمہ مصحح کے علاوہ الفاظ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ دوسری اہم فرہنگوں میں ان کے کیا معنی درج ہیں اور آخر میں فہرست واژہ ہای پر مکمل کی ہے۔

(۳) دستور الافاضل:

فرہنگ قواس کی پیروی میں ہندوستان میں جو کتب لغات تالیف کی گئیں ان میں حاجب خیرات کی ''دستور الافاضل'' کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے اس کے سال تالیف کے بارے میں نذیر احمد صاحب مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

''دستورالافاضل فی لغات الفضائل که بنام دستورالافاضل شهرت دارد، یکی از قد یمترین فرهنگهای فارسی است که در هندوستان در دورهٔ محمد بن تغلقشاه (۷۲۵۔۷۵۲) درسال ۷۴۳ هجری باتمام رسیدهٔ[۱]''

نذیر صاحب نے اس اہم فرہنگ کو بھی دستیاب قلمی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا اس کی ترتیب وتدوین کا کام بھی بڑی محنت جانفشانی اور مہارت سے انجام دیا اور اس پر انتہائی مبسوط مفید اور پراز معلومات مقدمہ تحریر فرمایا اور لفظی اختلاف کے معانی ومطالب نیز صحت متن کے سلسلہ میں عالمانہ، محققانہ اور بیش قیمت حواشی سے فرہنگ کو مزین کر کے پہلی بار بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب، ایران سے شائع کرایا۔ نذیر احمد صاحب اس فرہنگ کے مصنف کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''نویسندهٔ دستورالافاضل بنام حاجب خیرات ورفیع معروف است۔ بظاهر در فقرهٔ حاجب خیرات اضافت ابنی است؛ وازین می توان حدس زد که نام پدرش خیرات بود۔

چنانکه معلوم است دربارهٔ زندگانی رفیع اطلاعی مفصل بهم نرسیده وتنها ماخذی که راجع بحیاتش یک کمی اطلاعی داده همین کتاب دستور الافاضل است که در مقدمه اش بعضی مندرجات سود مند

---

[۱] فرہنگ دستورالافاضل، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، جلد اوّل ص ۱۶

دربارۂ خود آورده است۔ از آنجابد ست می آید که رفیع از دهلی آمده در تلاش ممدوح ووسیلۂ زندگانی ازجایی بجایی میرفت۔ آخر لامر بقصبۂ (بیر) رسید و در آنجا چندی ساکن ماند دراین موقع یکی از صدور بنام شمس الدین محمد از آن قصبه دیدن نمود وحاجب خیرات بوسیله ای دردربار صدر مذکور که مرد فاضل وعلم دوست بود، راه یافت وازدست او نوازش ها دید۔ وبه پیشنهاد ممدوح خود رفیع همراه او بمستقرش که استاد آبادنام داشت، رفت ودر آنجاتدر یجاًدرسلک مقربان درگاه منتظم شد۔ روزی در مجلس آن صدر دربارۂ انحطاط علم لغت صحبت بود حاجب خیرات ذکر فخر الدین قواس نمود وفرهنگنا مۂ اورا بسیار مورد ستایش قرار داد۔ صدر مزبور قبول نمود امافرهنگنامۂ قواس رابسیار مختصر دانست۔ چون حاجب خیرات در علم لغت بهره ای داشت بنا بر خواهش ممدوح خود دستور الافاضل را اتمام نمود"۔[1]

فرہنگ کے عنوان کے بارے میں پروفیسر موصوف اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

"در مقدمه کتاب نام این فرهنگ دستور الافاضل فی لغات الفضا یل آمده ۔امادر خاتمۂ کتاب در قطعه دوبار نام کتاب دستورافاضل آمده۔ظاهراً بمنظور اختصار این عنوان رادر قطعه یعنی بحذف اضافت عربی آورده باشد۔[2]

---

[1] دستورالافاضل، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، مقدمہ ص ۹۔۱۰۔۱۱

[2] ایضاً ص ۱۵

مذکورہ فرہنگ کے مآخذ کے بارے میں مزید لکھتے ہیں:

حاجب خیرات از کتب نظم و نثر از گویندگان و نویسندگان زیر استفاده نموده که نامشان رادر مقدمه آورده:

ظهیر فاریابی؛ مجیر الدین بیلقانی؛ جمال الدین اصفهانی؛ کمال الدین اصفهانی؛ نظامی گنجوی؛ فردوسی طوسی؛ فخرالدین مبارکشاه؛ شرف الدین شفروه؛ مشرف الدین سعدی؛ هام تبریزی؛ سیف اعرج؛ عنصری؛ ناصر حسرو؛امام ناصری؛ خاقانی؛پس از شمر دن اسمای ایشان حاجب خیرات علاوه نموده۔[1]

فرہنگ کی ترتیب وتنظیم کے بارے میں پروفیسر موصوف یوں بیان کرتے ہیں:

"دستورالافاضل ترتیب القبائی دارد، هر حرف باب قرارداده شده وذیل هرحرف واژه هائیکه حرف اول آنها برطبق باب باشد به ترتیب تهجی آمده۔ امااین ترتیب چنانکه باید درست ومحکم نیست۔ چون این فرهنگ شامل‌واژه هائی عربی است بنابراین ابواب ث، ح، د، ص،ض، ط،ظ، ق وجود دارد۔ امااین ابواب خیلی مختصر است۔ اگرچه بعضی جایها اعراب رارعایت نموده است امانسخهٔ حاضر ازاین حیث نقصی زیاد دارد۔ در این فرهنگ تلفظ کلمه وشواهد شعری هیچ نیامده وبنا بر این دعوی مؤلف که اوفرهنگی ضخیم ترو بهترازفرهنگنامهٔ قواس نوشته، باطل می شود"۔[2]

مزید فرہنگ کے مختصات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دستورالافاضل از حیث قدامت چهارمین وقدیمترین لغت های

---

[1] فرہنگ دستورالافاضل، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، حصہ دوم مقدمہ ص ۱۵

[2] ایضاً ص ۱۶

مکشوف می باشد و سه لغت قدیمترازین ،عبارت انداز لغت فرس اسدی (تالیف قبل ۴۷۵) فرهنگنامهٔ قواس تالیف بعد ۶۹۰) وصحاح الفرس (تالیف ۷۲۷) یکی از مختصات این فرهنگ قدیم اینست که بواسطهٔ این کتاب بعضی از مسائل تصحیف در لغات فارسی روشن می شود۔ این فرهنگ شامل بعضی از کلمات ولغات است که در لغت فرس وصحاح الفرس شامل نیست ودراین کلمات یا در معنی آنها در فرهنگهای بعد تحریفی وتعییری دست داده۔ این تحریف وتعییر رااز روی دستور الافاضل می توان روشن کرد"[1]

اس فرہنگ کے نسخوں کے بارے میں پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

"چنانچه اطلاع داریم ازین فرهنگ نسخهٔ ای منحصر بفرد در کتابخانهٔ انجمن آسیای بنگال در کلکته (هندوستان) نگاهداری میشود؛ این نسخه دارای ۲۲ برگ وهر صفحه شامل ۲۲ سطر می باشد۔ اگرچه تاریخ ندارد امااز خط وکاغذ پیداست که پیش از قرن دهم استنساخ شده است۔نسخه صاف وخواناست امابعضی جایها افتادگی هادارد"[2]

(۴) نقد قاطع برہان:

پروفیسر نذیر احمد نے علم لغت اور فن فرہنگ نگاری سے متعلق جتنے بھی کام کیے ہیں وہ سب بلاشبہ انتہائی اہم اور قابلِ یادگار ہیں لیکن "نقد قاطع برہان" (مع ضمایم) کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ۱۹۸۵ء میں غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی سے شایع ہوئی، اس میں اصلاً محمد حسین تبریزی کی تالیف کردہ

---

[1] فرہنگ دستورالافاضل، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص ۱۶

[2] ایضاً ص ۳۶

''برہان قاطع'' پر مرزا غالب کے گوناگوں اعتراضات کا تفصیلی اور ناقدانہ جایزہ لیا گیا ہے۔

برہان قاطع فارسی زبان کی اہم اور بنیادی کتب لغت ہے۔ یہ ۱۰۲۶ھ یعنی ۱۲۵۲ء میں تالیف کی گئی اس میں بیس ہزار سے زائد فارسی الفاظ کے معانی درج ہیں۔

اس فرہنگ کے پیش گفتار میں پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں:

''نقد قاطع برہان غالب کی مشہور قاطع برہان کے بعض مندرجات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھنے کی ایک کوشش ہے اور جیسا کہ معلوم ہے ''قاطع برہان''، ''برہان قاطع'' تالیف محمد حسین تبریزی کی رد میں معرض وجود میں آئی، لیکن غالب کے بعض بیانات محل نظر تھے۔ زیر نظر کتاب میں انہیں بیانات کے سلسلے میں ایک تحقیقی معروضہ پیش کیا گیا ہے اور اس کوشش کی بنیاد قدیم اسناد کے تقابلی مطالعے پر ہے اور مجھے اس بات سے مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ متعدد قدیم فارسی فرہنگ میں فرہنگ قواس، دستور الافاضل، زفان گویا، بحر الفضائل وغیرہ کی روشنی میں پہلی بار اختلاف آرا مسائل پر تنقیدی نظر ڈالی جا رہی ہے اور میری معلومات کی حد تک ان لغات کا استعمال جو ہندوستان ہی میں مدون ہوئی ہیں۔ نہ صرف اردو بلکہ فارسی میں بھی اب تک کام نہیں ہوا ہے۔ ان کے مطالعے اور باہمی مقابلے سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ برہان قاطع پر مرزا غالب کے اکثر اعتراض درست نہیں، لیکن اس سے یہ استنباط غلط ہوگا کہ برہان قاطع ہر طرح کے عیوب سے پاک ہے۔ دراصل اس فرہنگ میں کچھ بنیادی خرابیاں راہ پا گئی ہیں۔ جو مصنف کی ایران قدیم کی تہذیب وزبان سے ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہوئیں''۔[۱]

بقول مؤلفِ فرہنگ ''برہانِ قاطع'' فرہنگ جہانگیری، مجمع الفرس، سرمہ سلیمانی اور صحاح الادویہ جیسی اہم فرہنگوں سے استفادہ کر کے تیار کی گئی ہے۔ اس لئے اس کے مستند ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس میں مختلف قسم کے خامیاں بھی راہ پا گئی ہیں جن کی بنا پر ہمارے ماہرین لغات نے اسے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ غالب نے بھی اس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے بہت

---

[۱] نقد قاطع برہان، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص الف۔ب

سے اعتراضات کتابی شکل میں ''قاطع برہان'' کے عنوان سے شائع کرائے۔ان اعتراضات کا منظر عام پر آنا تھا کہ ادبی حلقوں میں یہ بحث کا موضوع بن گئے۔غالب کی رد میں متعدد کتابچہ لکھے گئے، پھر ان کی تردید اور غالب کی حمایت میں چند رسالے تالیف کئے گئے لیکن ان تمام کتابچوں اور طولانی بحث کے باوجود یہ بات قطعی طور پر متعین نہ ہوسکی کہ حق بجانب کون تھا اور مرزا غالب نے جو اعتراضات کئے تھے وہ کہاں تک درست تھے۔اس طرح ایک خالص علمی اور لسانی بحث نے انتہائی افسوس ناک صورت اختیار کرلی۔

دراصل یہ ایک وقتی نوعیت کی بحث تھی۔اس لیے جلد ہی لوگوں کے ذہنوں سے محو ہوگئی۔ لیکن اصل مسئلہ اپنی جگہ برقرار رہا کہ غالب نے برہان قاطع پر جو اعتراضات لگائے تھے وہ کہاں تک درست تھے۔

ہمارے لئے یہ بات باعث مسرت ہے کہ پروفیسر نذیر احمد نے حتمی طور پر یہ مسئلہ حل کیا۔وہ عالمانہ نظر اور سائنٹفیک طرز فکر رکھتے تھے۔ان کا مزاج عادلانہ تھا۔وہ نہ کسی کی بے جا تعریف کرتے تھے اور نہ خواہ مخواہ ہدف تنقید بناتے تھے۔ان کی تنقید کبھی تنقیص کے حدود میں داخل نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ وہ غالب کی عظمت کے قائل ہونے کے باوجود ان کو لغزشوں اور کوتاہیوں سے مبرا نہیں مانتے۔وہ غالب کو عظیم شاعر، دانشور اور بے مثال ادیب وانشاء پرداز مانتے تھے۔لیکن اس کے ساتھ ان کا یہ بھی فرمان ہے کہ ان تمام صفات کے باوجود وہ فرہنگ نویسی کے مرد میدان نہیں تھے اس لئے اس میدان میں قدم رکھ کر انہوں نے اپنی بے پناہ صلاحیت اور افتاد طبع کے منافی کام کیا نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

''اگرچہ ''نقد قاطع برہان'' مرزا غالب کی ان کوتاہیوں کی حامل ہے جو برہان قاطع کے انتقاد کے ضمن میں ان کی طرف سے ہوئیں، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میرا مطمح نظر محض غالب کی تنقیص وتحقیر اور مرزا کے حریف صاحب برہان قاطع کا دفاع ہے، زیر نظر کتاب کے ضمیموں میں برہان قاطع کے بنیادی اسقام کی جس طرح صراحت کی گئی ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، رہا مرزا کا

معاملہ، تو وہ علم وفن کے اتنے بلند منصب پر فائز ہیں کہ فرہنگ نگاری کی خامیوں سے ان پر کوئی حرف نہیں آتا، وہ عظیم شاعر و دانشور، صاحب طرز انشا پرداز، بالغ نظر مورخ وادیب تھے، فرہنگ نویسی کا معاملہ الگ ہے، اس سلسلے میں نہ ان کے پاس مواد تھا اور نہ وہ منابع کی فراہمی میں سرگراں، وہ اس طرف اتنی توجہ بھی نہیں کرنا چاہتے تھے جو اس فن میں مہارت پیدا کرنے کے لیے لازمی ہے، ورنہ پوری کتاب قاطع برہان ان کی اعلیٰ ذہانت طباعی اور غیر معمولی فطری استعداد کی جیتی جاگتی تصویر ہے''۔[۱]

اس کے بعد مرزا غالب کے بارے میں مزید فرماتے ہیں:

''دراصل الفاظ کی متعدد شکلوں میں اصل اور صحیح لفظ کا تعین بڑے علم کا متقاضی ہے۔ قدیم ایران کی زبانوں سے واقفیت کے ساتھ ساتھ سنسکرت اور متعلقہ زبانوں کی شناسائی، فارسی لغات کا دقیق مطالعہ اور فارسی منثور ومنظوم متون سے کماحقہ آگاہی لازمی امر ہے، مگر غالب کو ان میں سے کسی میں درک نہ تھا..... مختصر یہ کہ برہان قاطع کے نقایص کی نشاندہی جن صلاحیتوں کا تقاضا کرتی تھی۔ غالب میں وہ صلاحیتوں نہ تھیں۔ اس بناء پر ان کے اکثر اعتراضات بے بنیاد ہیں''۔[۲]

اسی طرح پروفیسر نذیر احمد ''برہان قاطع'' کو بھی ہر طرح کے اسقام سے پاک اور اس کے مؤلف محمد حسین تبریزی کو تنقید سے بالاتر تصور نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں:

''اگرچہ مرزا غالب کے اکثر اعتراضات غلط ہیں، لیکن اس سے یہ اندازہ لگانا صحیح نہ ہوگا کہ برہان قاطع ہر طرح کے اسقام سے پاک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس فرہنگ میں بعض بنیادی خرابیاں ہیں لیکن غالب مسائل فرہنگ نویسی سے کماحقہ آگاہ نہ تھے۔ اس بنا پر ان نظر کی خرابیوں تک نہ پہنچ سکی..... برہان قاطع کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا مؤلف نقاد فن نہ تھا۔ اس لئے اس لغت میں رطب ویابس سب جمع ہوگیا۔''[۳]

غالب نے ''برہان قاطع پر مجموعی طور پر مختلف انداز سے ۱۸۴ اعتراضات کیے تھے۔ نذیر صاحب نے نقد قاطع برہان میں ان میں سے بیشتر اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور مختلف

۱۔ نقد قاطع برہان، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص ھ۔و

۲۔ ایضاً ص ۳

۳۔ ایضاً ص ۲۴۶

کتب لغات اور فرہنگوں کی مدد سے ان کی صحت اور عدم صحت کا تعین کیا ہے۔

اس کی وضاحت میں صرف ایک مثال کو پیش کر دینا ہی کافی ہوگیا۔ فارسی میں ایک لفظ ''قافلہ شد'' اس کے برہان قاطع میں جو معنی درج ہیں ان پر غالب نے اعتراض کیا ہے، نذیر احمد صاحب نے ان دونوں کو جرح وتعدیل کی کسوٹی پر پرکھا اور آخر میں اپنا فیصلہ صادر کیا۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

''قافلہ شد: بمعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت کہ کنایہ از فوت شدن پیغمبر باشد صلوات اللہ علیہ۔ (برہان)

غالب کا اعتراض یہ ہے کہ قافلہ شد کو لغت کیوں قرار دیا گیا، پھر شدن اور رفتن مترادف ہیں، اس کے معنی لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

تیسری بات یہ کہ ''قافلہ رفتن'' سے قافلہ سالار رفتن مراد لینا اور پھر کنایۂ سرورِ کائنات کی وفات فرض کرنا قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتا''۔[۱]

اس پر نذیر احمد صاحب کے خیالات ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

''اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ ادات الفضلا میں قافلہ شد ایک اندراج ہے جو 'ق - ذ' کے تحت درج ہوا ہے۔ شدن کے دو معنی 'ہونا' اور 'جانا' کے ہیں، برہان میں دوسرے معنی کی تخصیص غیر ضروری نہیں ہے۔ تیسری بات یہ کہ اگرچہ ادات میں برہان کی تفصیل موجود نہیں، لیکن اس میں قافلہ شد کے یہ معنی درج ہیں:

''قافلہ شد: ای انبیاء علیہ السلام رفتند واصحاب ومتابعان او رفتند''۔[۲]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ نذیر احمد صاحب نے برہان قاطع اور قاطع برہان کے تقابلی مطالعہ اور مختلف فرہنگوں کے حوالے سے اصل قضیہ کا حل تلاش کیا ہے اور ایسا کرنے میں کہیں بھی انصاف

---

[۱] نقد قاطع برہان، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص ۱۴۰

[۲] ایضاً ص ۱۴۰

اور توازن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے اور جہاں غالب کی کمزوریوں کا تذکرہ کیا ہے وہیں محمد حسین تبریزی کی خامیوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ نذیر صاحب نے جن کتب لغات سے الفاظ کے معنی نقل کر کے پھر ان کی روشنی میں فیصلے صادر کیے ہیں ان میں لغتِ فرس اسدی، صحاح الفرس، فرہنگ قواس، دستور الافاضل، ادات الفضلا، بحر الفضائل، زفان گویا، موید الفضلا، مدار الافاضل، فرہنگ جہانگری اور فرہنگ رشیدی جیسی اہم اور مستند کتب لغات کے نام آتے ہیں۔

پروفیسر نذیر احمد نے نقد قاطع برہان کے پہلے حصے میں غالب کے بیانات کو قدیم فرہنگوں کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے اور اس کتاب کے دوسرے حصے میں وہ تمام امور معرض بحث میں آئے ہیں جن سے بخوبی آشنائی کے بغیر فارسی فرہنگ نگاری کے اصول کی شناخت ممکن نہیں، یہ حصہ پانچ ضمیمہ جات پر مشتمل ہے، دساتیر پر ایک نظر، برہان قاطع، غالب اور صاحب برہان قاطع پر اتحاد نظر، غالب اور ذال فارسی، تصحیفات اور لغات فارسی وغیرہ۔

(۵) فرہنگ لسان الشعرا:

فرہنگ لسان الشعرا ہندوستان کی قدیم ترین فرہنگوں میں سے ایک ہے۔ یہ فرہنگ سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲۔۷۹۰ھ) کے دور میں لکھی گئی۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس فرہنگ کی تصحیح وترتیب کر کے خانہ فرہنگی جمہوری اسلامی ایران دہلی نو سے ۱۹۹۵ میں شائع کرائی۔ اس فرہنگ کے بارے میں نذیر صاحب پیش گفتار میں لکھتے ہیں:

"لسان الشعرا یکی از قدیم ترین فرهنگهای فارسی است که در دورهٔ سلطان فیروز شاه تغلق (۷۵۲۔۷۹۰ه) بادشاه هند، در همین کشور نو شته شده، در هندوستان فقط دو فرهنگ قدیمترین ازین فرهنگ، مکشوف شده است۔ یکی فرهنگ قواس تالیف فخرالدین مبارک شاه غزنوی که در زمان سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵۔۷۱۷ه) بپایان رسیده و به تصحیح راقم السطور در ۱۳۵۳ شمسی ازطرف بنگار ترجمه

و نشر کتاب، تهران انتشار یافته۔ دیگری دستور الافاضل تالیف حاجب خیرات دهلوی است که در سال ۷۴۳ھ در زمان سلطان محمد بن تغلق(۷۲۵۔۷۵۲)باتمام رسیده ویتوسط راقم السطور در سال ۱۳۵۲ شمسی ازجانب بنیاد فرهنگ ایران، چاپ و نشر یافته۔ به هر حال در ایران سه فرهنگ قدیم تراز لسان الشعرا وجود دارد۔ یکی لغت فرس تالیف اسدی طوسی (قرن پنجم هجری) ودیگری صحاح الفرس نخجوانی تالیف سال۷۲۷ھ وسومین معیار جمالی تالیف شمس فخری اصفهانی تالیف سال ۷۴۵ھ۔''[۱]

نذیر احمد صاحب نے دونسخوں یعنی کراچی اوراٹلی کی مدد سے اس فرہنگ کی تصحیح وترتیب کی ہے،جن نسخوں کی مدد سے اس نسخے کو تیار کیا گیا اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

''لسان الشعرا هنوز بچاپ نرسیده۔ وازاین فرهنگ دو نسخه مکشوف شده است۔ یکی شامل مجموعه ایست که در موزهٔ پاکستان کراچی نگهداری می شود ، وایں مجموعه ونیز نسخه لسان الشعرا در فهرست مخطوطات فارسی موزهٔ کراچی پاکستان نگاشتهٔ سید عارف نوشاهی مختصراً معرفی شده ۔ نسخه دیگرئ از لسان الشعراء در فلورنس ایتالیا موجود است، وخانم پاولا اور ستی(Ms Paola Orastti) پروفیسور فارسی در رُم در مقاله ای محققانه وبسیار عالی دربارهٔ فرهنگ و نسخه آنجا چاپ نموده است وسال گزشته درماه می بنابه خواهش اینجانب عکس نسخهٔ فلو رنس راه همراه مقالهٔ خود لطفاً برای من فرستاده است۔''[۲]

یہ فرہنگ مصنف نے لکھ کر اپنے دور کے بادشاہ یعنی سلطان فروز شاہ کے نام معنون کردی، فرہنگ کے مقدمے میں مصنف نے سلطان کی مدح میں ۱۸ شعر کہے تھے۔جن کو نذیر احمد صاحب

---

[۱] فرہنگ لسان الشعراء، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص ۱

[۲] ایضاً ص ۱۔۲

نے مقدمہ مصحیح میں شامل کیا ہے۔ اس فرہنگ کے مؤلف کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہے مگر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک شاعر تھا اور اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مؤلف عاشق تخلص کرتا تھا، نذیر صاحب لکھتے ہیں کہ:

"دربارۂ نویسندۂ لسان الشعرا هحیچ اطلاعی در دست نیست، فقط اینقدر معلوم است که او شاعر بود و عاشق تخلص نموده چنانکه ازیں بیت استنباط می شود:

دعاعاشق چنین گوید شب و روز

جهان هست باده شاه فیروز[1]

یہ فرہنگ بھی کم یاب تھی اور اہل علم کی دسترس سے باہر اس لیے تشنہ طباعت تھی۔ اس کے چند قلمی نسخے ہی مختلف کتابخانوں میں محفوظ تھے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ان دستیاب نسخوں کی مدد سے انتہائی محنت اور جانفشانی سے، ایک مستند اور معتبر نسخہ تیار کر کے اسے زیور طبع سے آراستہ کیا اور اس میں ضروری حواشی وتعلیقات کو شامل کر کے اس کی افادیت میں مزید اضافہ کیا۔ فرہنگ لسان الشعراء کے شروع میں آپ نے ایک مبسوط مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جس میں فرہنگ اور مولفِ فرہنگ کے بارے میں مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ آپ نے اس فرہنگ کے اصل متن کی تدوین میں انتہائی دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ اس کی خوشی میں آپ نے نہ صرف فرہنگ کے دستیاب نسخوں کے متنی اختلاف کی نشاندہی کی ہے بلکہ ہر ہر لفظ کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ دوسری کتب لغات میں ان کے کیا معنی درج ہیں۔ اس ضمن میں آپ نے زفان گویا، فرہنگ قواس، لغت فرس، برہان قاطع، جیسی اہم اور مستند کتب لغات میں درج معانی ومفاہیم سے مقابلہ کیا ہے جیسے

---

[1] لسان الاشعراء، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص ۳

آسه: وزن کاسه ، کشت وزراعت

قواس ۵۵، زفان ۳۶؛ دستور آسته وادات آسته معنی کشت وزراعت

آله: بالف ممدوده ضمّ لام ، عقاب

قواس ۵۸، دستور ۱۴، موید ۱:۹۷، مدار ۱:۲۲[1]

اس طرح مختلف کتب لغات سے مقابلہ کر کے الفاظ کے معنی کو بیان کیا ہے آخر میں مفید حواشی کے ساتھ انگریزی مقدمہ بھی تحریر فرمایا جس میں اس فرہنگ کے نسخوں اور مؤلف فرہنگ کے بارے میں اطلاع بہم پہنچائی ہے۔

پروفیسر نذیر احمد نے لغت نویسی پر بہت سارے مضامین بھی تحریر فرمائے ہیں جو مختلف رسالوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ اہمیت کے لحاظ سے ان تمام کا کوئی مقابلہ نہیں۔ ان مقالوں میں آپ نے بے حد مفید اطلاعات فراہم کی ہیں۔ آپ نے بہت سی اہم کتب لغات کے بارے میں مواد اکٹھا کیا ہے جس کے مطالعہ سے آپ کی باریک بینی اور ژرف نگاہی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے کتب لغات پر متعدد مضامین لکھے ہیں جن میں سے چند منتخب مضامین کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) فرہنگ قواس مولف فخر الدین مبارک شاہ غزنوی کا ایک جعلی نسخہ بھوپال میں [2]

فرہنگ قواس جو عام طور پر فرہنگ نامہ یا فرہنگ نامہ فخر قواس کے نام سے مشہور ہے، فارسی کی ایک فرہنگ ہے، اس کا مولف فخر الدین مبارک غزنوی ہے جس نے علاء الدین خلجی کے عہد میں (۶۹۵۔۷۱۹) یہ فرہنگ مرتب کی، اس کی اہمیت دو اعتبار سے ہے۔ اول یہ کہ لغت فرس اسدی (م: ۴۶۵ھ) کے بعد یہی فرہنگ دست یاب ہے، گویا باعتبار قدامت فارسی فرہنگوں میں اس کا دوسرا نمبر ہے۔ دوم یہ کہ یہ فرہنگ ہندوستان میں لکھی گئی، چنانچہ چند الفاظ کی تشریح کے ضمن میں ہندوستانی لفظ بھی درج ہو گئے ہیں۔

---

[1] فرہنگ دستور الافاضل، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ص ۷۸

[2] غالب نامہ، دہلی، جولائی ۱۹۹۳ جلد ۴ شمارہ ۲

ایشاٹک سوسایٹی بنگال کے کتب خانے میں محفوظ تھا، اس کی مدد سے ایک انتقادی متن مع توضیحی، حواشی اور تفصیلی مقدمے کے بنگاہ ترجمہ نشر کتاب تہران سے ۱۳۵۳ شمسی میں شائع کر دیا تھا۔ یہ کتاب خالص فارسی کی فرہنگ ہے اس میں عربی کے الفاظ شامل نہیں اس میں پانچ بخش ہیں بخش کو گونہ اور گونے کو مزید تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر شہر یار نقوی کی فارسی کتاب 'تاریخ فرہنگ نویسی پاک و ہند'' مطبوعۂ وزارت فرہنگ تہران میں بھوپال کے حمیدیہ کتب خانے کے ایک نسخے کا حوالہ درج ہے۔ اس کتاب کو چھپے ہوئے عرصہ ہوا چنانچہ اسی زمانے میں نذیر احمد صاحب نے نقوی صاحب کی کتاب پر تہران کے ایک مجلّے میں تبصرہ شائع کیا اس میں خصوصیت سے نقوی صاحب کے اس بیان کی کہ حمیدیہ کتاب خانے میں فرہنگ قواس کا نسخہ موجود ہے، تردید کی۔ پروفیسر نذیر احمد کے اعتراض کی بنیاد یہ تھی کہ ڈاکٹر شہر یار کی توضیح سے ثابت تھا کہ یہ فرھنگ عربی فارسی الفاظ پر مشتمل ہے، حالاں کہ فرہنگ قواس کا جو نسخہ ایشاٹک سوسایٹی کلکتہ میں ہے وہ خالص فارسی الفاظ کو حاوی ہے، اس میں عربی کے وہ الفاظ جو فارسی میں مشتمل ہیں، بالکل شامل نہیں، اس طرح نذیر صاحب نے جب خود حمیدیہ کتاب خانے کے نسخے کا مطالعہ کیا، تو معلوم ہوا کہ وہ عربی کا ایک ضخیم لغت ہے، یعنی اس میں جو الفاظ درج ہوئے ہیں وہ سب عربی کے ہیں، فارسی کے الفاظ سے یکسر صرف نظر ہوا ہے، البتہ توضیح فارسی زبان میں ہے، غرض اس نسخے میں اور فرہنگ قواس کے اس نسخے میں جو کلکتہ میں ہے، کوئی مناسبت نہیں۔ اس طرح نذیر صاحب نے اس مضمون میں دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ نسخہ کلکتہ جو نذیر صاحب کے اعتنا سے شایع ہو چکا ہے وہی فرہنگ قواس ہے۔ بھوپال کے اس نسخے کا عنوان فرہنگ قواس غلط ہے۔ کسی جعل ساز نے بعد میں جعل سازی کی ہے۔ اس پر غلط اندراج کر کے اس کو فخر الدین مبارک شاہ کے نام منسوب کر دیا ہے، اس طرح نذیر صاحب نے اس مضمون میں ڈاکٹر شہر یار کی کتاب ''تاریخ فرہنگ نویسی پاک و ہند'' کی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔

(۲) فرہنگ زفان گویا و جہان پویا[1]

زفان گویا و جہان پویا اوائل نویں صدی ہجری کی ایک فارسی فرہنگ ہے جو ہندوستان میں لکھی گئی، اگرچہ یہ فرہنگ بعض اعتبار سے نہایت اہم ہے، مثلاً سینکڑوں ''ہندوی'' کلمے فارسی الفاظ کی تشریح کے دوران اس فرہنگ میں شامل ہیں۔ اور اکثر فرہنگ نگاروں نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے لیکن بعد میں اس کے نسخے کمیاب ہو گئے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا جب کوئی نسخہ دنیا کے کسی کتاب خانے میں موجود نہ تھا، کچھ ہی عرصہ ہوا کہ اس کا ایک نسخہ خدا بخش اورینٹل لائبریری بانکی پور پٹنہ کے لیے خریدا گیا۔ پروفیسر نذیر احمد نے زفان گویا کا پہلا ایڈیشن اسی نسخہ کی مدد سے ایک انتقادی متن تیار کیا اس مضمون میں آپ نے زفان گویا کے کمیاب ہونے کی وجہ بیان کرتے ہو کچھ نسخوں کی دریافت کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس مضمون میں زفانِ گویا کے مؤلف، تاریخ تالیف، ترتیب و تنظیم، مآخذ وغیرہ سے تفصیلی بحث کی ہے۔ مضمون کے آخر میں اس فرہنگ کے خصائص، نقائص، طرز وروش زبان اور اس کے نسخوں کے بارے میں اطلاعات بہم پہنچائی ہے۔ آخر میں ایک گزارش کے ساتھ اس مفید مضمون کو مکمل کیا ہے۔ اس مقالے کا مطالعہ بے سود نہ ہوگا۔

(۳) فرہنگ تحفۃ السعادت اور لغت علمی[2]

ڈاکٹر شہریار نقوی نے تہران یونیورسٹی میں ''ہندوستان میں فارسی فرہنگ نویسی کا ارتقا'' پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا تھا جس کے بنا پر یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی تھی۔ یہ مقالہ بعد میں وزرت فرہنگ ایران کی طرف سے ۱۹۶۲م میں کتابی صورت میں شائع ہوا تھا۔ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ایران کے چوٹی کے فضلا و اساتذہ میں سے آقائے جمال الدین ھمائی، آقائے محمد حجازی، آقائے سعید نفسی، ڈاکر ذبیح اللہ صفا اور ڈاکٹر مقدم نے اس پر تصریفات لکھے لیکن ان فضلا کی ضمانت کے باوجود تاریخی و تحقیقی اغلاط کی کثرت کے بنا پر یہ کتاب اس معیار تک نہیں پہنچی جس کی مقتضی تھی۔

---

[1] غالب نامہ، دہلی، جنوری ۱۹۸۶ جلد ۷ شمارہ ۱

[2] مجلّہ علوم اسلامیہ، جون۔ دسمبر ۱۹۶۶

پروفیسر نذیر احمد نے اس کتاب کے ابتدائی حصہ کی غلطیوں اور کاتاہیوں سے متعلق ایک تفصیلی یادداشت تہران کے ایک سہ ماہی رسالے ''راہنمائی کتاب'' میں شائع کی ہے لیکن یہ یادداشت بھی تمام غلطیوں کو حاوی نہیں ہے۔ چنانچہ اسی سلسلے کی ایک فاحش غلطی کی توضیح اس مضمون میں کی گئی ہے۔

ڈاکٹر نقوی نے کتاب مذکورہ میں ''تحفۃ السعادت'' اور ''لغت علمی'' کو دو الگ کتابیں بتایا ہے جن کے دو مختلف مصنف تھے۔ لیکن نذیر صاحب اس سے اتفاق نہیں کرتے اس لئے انہوں نے اس مضامین میں مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ کتابیں دو نہیں بلکہ ایک کتاب جو دو نام سے مشہور ہے اور اس کا مصنف بھی ایک ہے۔ اس طرح نذیر احمد صاحب نے مضمون میں داکٹر نقوی کی کتاب کی بہت ساری غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کو درست کیا ہے۔ آپ نے اس مضمون میں مختلف فرہنگوں، یعنی فرہنگ ضمیری، فرہنگ دستور، فرہنگ فخر قواس، زفان گویا، دستور الفضلا، شرح مخزن اسرار، فرہنگ ابراہیمی وغیرہ سے تقابلی مطالعہ کر کے غلطیوں کو درست کیا ہے۔ اس طرح یہ مضمون کافی اہمیت کا حامل ہے۔

(۴) فرہنگ وفائی اور اس کا قدیم ترین مخطوطہ[1]

پروفیسر نذیر احمد نے اس مضمون میں فرہنگ وفائی کے بارے میں لکھا ہے۔

فرہنگ وفائی فارسی کی ایک اہم فرہنگ ہے مگر اس کے نسخے عام طور پر نہیں ملتے۔ البتہ اس کا ایک اہم مخطوطہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے کتاب خانے کے ذخیرہ آفتاب میں ذیل شمارہ ۳/۳۹ ف محفوظ ہے۔ فرہنگ مذکورہ ۹۳۳ھ میں لکھی گئی لیکن زیر نظر مخطوطہ ۹۴۱ھ میں احمد نگر میں مکمل ہوا اور اس سے قدیم کوئی مخطوطہ بظاہر کہیں نہیں ملتا۔

نذیر احمد صاحب نے اس مضمون میں فرہنگ وفائی اور اس کے علی گڑھ کے مخطوطہ کے بارے میں مکمل بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

حسین وفائی نے اپنی فرہنگ ''فرہنگ وفائی شاہ طہماسپ صفوی (۹۳۰ تا ۹۸۴ھ) کی

---

[1] مجلّہ علوم اسلامیہ ۸۷-۱۹۸۰، جلد ۱۳ شمارہ ۲-۱

حکومت کے چوتھے سال یعنی ۹۳۳ھ میں لکھی اور ایسے ایرانی بادشاہ کے نام معنون کیا۔

(۵) فرہنگ جعفری [۱]

فرہنگ جعفری فارسی بہ فارسی فرہنگ ہے۔ اس میں فارسی زبان کے ایسے الفاظ شامل ہیں جو فارسی الاصل ہیں، عربی الاصل الفاظ سے گریز کیا گیا ہے۔ البتہ صرف چند قلیل الاستعمال عربی الفاظ آخر میں جدا عنوان کے تحت ملتے ہیں۔

پروفیسر نذیر احمد نے اس مضمون میں فرہنگ جعفری کو اپنا موضوع بنایا اور اس سے مکمل بحث کی ہے اس فرہنگ کے مؤلف اور سالِ تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں:

فرہنگ کا مؤلف محمد مقیم تویسر کانی ہے جس نے ۱۰۴۰ھ میں یہ کام آٹھ مہینے میں مکمل کیا'' اتنی قلیل مدّت میں ایک ایسی فرہنگ کی تکمیل جس کی ترتیب بھی ایک نئے ڈھنگ کی ہو اور جس میں لغات کی تعداد ۸۵۱۰ ہو یقیناً بڑا کارنامہ ہے۔ اس کتاب کے الفاظ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہیں اور اس میں ۲۴ باب ہیں اور ایک ضمیمہ ہے۔

(۶) تصحیفات اور لغات فارسی [۲]

یہ مضمون کافی طویل ہے اور اس میں فارسی زبان کو سیکھنے میں کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کیوں، تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اس کے علاوہ لکھتے ہیں:

تحریف لفظی کا دوسرا نام تصحیف ہے اس سے مراد حرفوں اور نقطوں کی غلط خوانی اور غلط فہمی سے دوسرے لفظوں کی تشکیل ہے جیسے اکماک سے اکمال۔

فارسی زبان کی مخصوص خصوصیات سے جو پیچیدہ مسائل پیدا ہوئے ہیں ان کا حل کیا ہے، زبان کے ان پیچیدہ مسائل کے حل کرنے اور تصحیفات وتحریفات کی بڑھتی ہوئی روکو روکنے کا سب سے موثر آلہ فارسی لغات تھے۔ مگر بدقسمتی سے اس زبان میں لغت نویسی کا کام دیر سے شروع ہوا اور

---

[۱] مجلّہ علوم اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، جلد ۱۵ شمارہ ۲۔۱

[۲] مجلّہ علوم اسلامیہ، جون۔دسمبر ۱۹۶۷ جلد ۸، شمارہ ۲۔۱

اس پر ستم یہ ہوا کہ جو لغات لکھے گئے وہ ناقص، ادھورے اور اصولِ لغت نویسی سے مغائرت رکھتے تھے، اس لئے وہ تصحیفات وغیرہ مسائل کے حل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ فارسی کا سب سے قدیم لغت جو دریافت ہو سکا وہ ''لغت فرس'' تالیف اسدی طوسی ۴۶۰ھ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کی تالیف تک فارسی ادب پر تقریباً دو صدیاں گزر چکی تھیں۔

اس طرح نذیر احمد صاحب نے فرہنگ اسدی کی کچھ غلطیوں کو اجاگر کیا ہے اور اس فرہنگ کے علاوہ دوسری اہم فرہنگوں کا مطالعہ کر کے ان کی تفصیل مضمون کے آخر میں دے دی ہے اور ہر فرہنگ سے الفاظ کو مثال کے طور پر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے فارسی زبان کو نقائص کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مضمون ۶۸ صفحات پر مشتمل ہے جس میں فرہنگ نویسی کے تمام مسائل پر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

(۷) ہندوستان کا قدیم ترین فارسی لغت فرہنگنامۂ قواس مولفہ فخر الدین مبارک غزنوی [۱]

اس مضمون میں نذیر احمد صاحب نے فرہنگ قواس کے مصنف اور اس کا سالِ تالیف بیان کرنے کے بعد اس فرہنگ کے مندرجہ ذیل موضوعات سے بحث کی ہے انتساب، مطالب وترتیب کتاب، ماخذ فرہنگنامہ، خصوصیات، اس کے نسخوں، تکرار عبارت، ایک بڑا نقص، تجدید نظر اضافہ، فرہنگنامہ کے قدیم نسخوں کے حوالے وغیرہ۔ یہ مضمون بھی کافی طویل ہے اور ۵۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۸) فرہنگ نویسی فارسی [۲]

اس مضمون میں نذیر احمد صاحب نے ڈاکٹر شہریار نقوی کے کتاب ''ہندوستان میں فارسی فرہنگ نویسی کا ارتقا'' کے ابتدائی حصہ کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے متعلق ایک تفصیلی یادداشت پیش کی ہے۔ یہ کتاب اصل میں ڈاکٹر شہریار نقوی کا مقالہ تھی جس پر انہیں تہران یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی تھی۔ بعد میں یہ کتاب وزارت فرہنگ ایران کی طرف سے ۱۹۶۲م میں کتابی شکل میں شائع ہوگئی مگر اس میں بہت ساری غلطیاں رہ گئی تھی جن کو نذیر احمد صاحب نے اس

---

۱ فکر ونظر، جولائی ۱۹۶۵ء جلد ۶، شمارہ ۳

۲ راہنمائی کتاب، تہران ۱۹۶۴

مضمون میں اجاگر کیا ہے مگر مکمل نہ کر سکے بعد میں ایک اور مضمون جو مجلّہ علوم اسلامیہ میں چھپا تھا جس میں پوری کتاب کی غلطیوں کو درست کیا گیا ہے جس کی تفصیل پہلے دی جا چکی ہے۔

(۹) فرہنگ شیر خانی اور اس کا مؤلف [۱]

فرہنگ شیر خانی ایک قدیم فارسی لغت ہے، اس کے مؤلف کا نام شیر خان برمزید سور ملتا ہے، شیر خان دو اور فرہنگوں کا مؤلف ہے، ایک زبدۃ الفوائد دوسری مجمع الصنائع، فرہنگ شیر خان زبدۃ الفوائد کا غالباً اختصار اور فوایدالصنائع کا یقیناً اختصار ہے۔ آخر الذکر لغت کا کوئی نسخہ موجود نہیں البتہ زبدۃ الفوائد کا واحد نسخہ باڈلیان لائبریری اکسفورڈ میں محفوظ ہے، اس میں تحریر ہے کہ یہ لغت ۹۵۵ تا ۹۵۹ء میں مرتب ہوئی۔

اس کے بعد مؤلف کے حالات زندگی پر چند سطور تحریر فرمائی ہیں اور ساتھ میں فرہنگ کے نسخوں کے متعلق بحث کی ہے۔ آخر میں فرہنگ کے بارے میں کچھ مصنفین کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کو درست فرمایا ہے۔

(۱۰) برہان قاطع [۲]

برہان قاطع فارسی کی نہایت اہم اور متداول لغت ہے۔ اس کا مؤلف محمد حسین ابن خلف تبریزی متخلص برہان ہے۔ یہ فرہنگ ۱۰۶۲ ہجری میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں گول کنڈہ میں مرتب ہوئی، اس لغت کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

اولاً اپنے عہد تک سارے فارسی لغات میں یہ سب سے زیادہ ضخیم ہے، دوم کسی فرہنگ میں اتنے الفاظ شامل نہیں جتنے کہ اس لغت میں پائے جاتے ہیں۔ ثانیاً کسی میں ترتیب کا یہ ہنر نہیں ہے۔ ثالثاً اس میں الفاظ کے سارے معانی درج کیے ہیں، رابعاً اکثر الفاظ ضبط ہوئے ہیں

زیر نظر مضمون میں نذیر احمد صاحب نے غالب کی قاطع برہان کے اعتراضات میں کچھ سطور

---

[۱] غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۸۳ء جلد ۴ شمارہ ۲

[۲] مجلّہ علوم اسلامیہ، جون دسمبر ۱۹۶۹ء

لکھی ہیں اور پھر اصل فرہنگ برہان قاطع کی بعض بنیادی خرابیوں کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔

(۱۱) فارسی میں الفاظ کی تصحیح کا مسئلہ [۱]

اس مضمون میں عربی اور فارسی کے تلفظ پر چند سطور لکھنے کے بعد فارسی فرہنگوں کے بیان کی روشنی میں کچھ الفاظ کا مطالعہ اس غرض سے پیش کیا گیا ہے تا کہ اندازہ ہو سکے کہ الفاظ کی تحقیق کا معاملہ کیسا پیچیدہ ہے۔ جن فرہنگوں کی مدد سے الفاظ کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں:

فرہنگ قواس، دستورالافاضل، ادات الفضلا، زفان گویا، بحرالفضائل، شرفنامہ، موید الفضلا، مدارالافاضل، سروری، جہانگیری، برہان، رشیدی، ناصری، آنندراج، فرہنگ نظام، لغت نامہ، فرھنگ نویسی وغیرہ۔

۱۲ نقد قاطع برہان [۲]

اس مضمون میں نذیر احمد صاحب نے پہلے تو برہان قاطع کی خصوصیات بیان کی ہیں اور پھر اس کی خامیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ اصل میں یہ مضمون غالب کی کتاب قاطع برہان جو برہان قاطع کی تنقید میں لکھی گئی تھی کے اعتراض میں لکھا گیا ہے۔ مضمون میں چند متداول فرہنگوں سے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے، جن کی مدد سے برہان قاطع کا صحیح انتقاد ہو سکے۔ ذیل میں جن متداول فرہنگ کو استعمال کیا گیا ہے مندرجہ ذیل ہیں: لغت فرس اسدی، فرہنگ قواس، ضحاح الفرس، دستورالافاضل، میارِ جمالی، صحاح الادویہ، ادات الفضلا، زفان گویا، بحر الفضائیل، شرف نامہ منیری، مفتاح الفضلا، تحفۃ السعادہ، موید الفضلا، کشف اللغات، فرہنگ شیر خانی فرہنگ جہانگیری، سرمہ سلیمانی، مجمع الفرس، سروری، فرہنگ رشیدی، سراج اللغۃ، چراغ ہدایت، بہار عجم، غیاث اللغات، انجمن آرا ناصری، آنندراج اور فرہنگ نظام وغیرہ۔

یہ مضمون ۸۲۔۱۹۸۱ کے تین شماروں میں مکمل ہوا اور نذیر صاحب کی کتاب ''نقد قاطع

---

[۱] تحریر، دہلی ۱۹۶۸ جلد ۱، شمارہ ۲

[۲] غالب نامہ، جولائی ۱۹۸۱، جنوری اور جولائی ۱۹۸۲، جلد ۲ شمارہ ۲

برہان'' میں شامل ہے۔

۱۳ غالب فرہنگ نگار کی حیثیت سے [۱]

مرزا غالبؔ نہ صرف ایک نہایت بلند نظر شاعر و ادیب ہیں بلکہ بعض علوم وفنون میں بھی انہوں نے دستگاہ بہم پہنچائی تھی، انہیں میں سے لغت نویسی کا فن بھی ایک ہے۔ مرزا نے محمد حسین تبریزی کی فرہنگ ''برہان قاطع'' کی رد میں ایک کتاب ''قاطع برہان'' کے نام سے لکھی، اس میں انہوں نے محمد حسین کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے لیکن اس کو باقاعدہ فرہنگ کا درجہ اس وجہ سے نہیں دیا جاسکتا کہ اس میں صرف برہان کی غلطیاں بتائی گئی ہیں۔ الفاظ کے املا، تلفظ، معنی، طریق استعمال وغیرہ جو لغت نویسی کے تقاضے ہیں، ان سے قاطع برہان عاری ہے، بہر حال اسی کتاب سے مزار غالبؔ کے فنِ لغت نویسی سے دل چسپی اور اس کے پائے کا تعین کیا جاسکتا ہے اگر چہ قاطع برہان اعتراضات کی حامل ہے لیکن جہاں تہاں اس سے مؤلف کی فن لغت نویسی میں مہارت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اس طرح مضمون میں قاضی عبدالودود صاحب کے قاطع برہان پر لگائے گے اعتراضات کو بھی قلم بند کیا ہے۔ مضمون کے آخر میں نذیر صاحب نے قاطع برہان پر کچھ اعتراض تحریر فرمائے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غالب کی جولانی طبع کام نہ آئی، ان کے سارے اعتراض غلط ثابت ہوئے۔ چونکہ فارسی ادب کا انہوں نے دقیق مطالعہ نہیں کیا تھا اس لئے وہ برہان کی گرفت میں اکثر خود غلطیوں کے شکار ہو گئے۔

---

[۱] غالب نامہ، نئی دہلی جولائی ۱۹۸۴ء جلد ۵ شمارہ ۲

(۱۴) ایک اہم اور نادر فارسی خطی مجموعے کا انکشاف اور اس کا تعارف [۱]

یہ مضمون کراچی میوزیم کے ایک مخطوطہ پر ہے، جو دراصل پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے، جس میں فرہنگ قواس بھی شامل تھی اور یہ پانچوں کی پانچوں کتابیں تقریباً نایاب ہیں۔

زیرنظر مضمون میں نذیر صاحب لکھتے ہیں:

میں نے اب تک چار قدیم فارسی فرہنگیں شائع کی ہیں، یعنی فرہنگ قواس، دستور الافاضل، زفان گویا اور لسان الشعرا، ان میں سے کوئی بھی کسی ایرانی دانشور منجملہ استاد علی اکبر دہخدا اور دکتر معین کے علم میں نہ تھی، یہ محض خداوند قدس کا فضل ہے کہ ان کی شناخت اور اشاعت کی توفیق مجھ ناچیز کی قسمت میں تھی۔

بطور نتیجہ عرض کرنا چاہوں گا کہ کراچی مجموعے کا انکشاف فارسی کی ادبی فرہنگی تاریخ کی اہم دریافت ہے۔ ایک مجموعے میں چار نایاب روزگار نسخوں کا شمول جتنی اہمیت کا حامل ہے وہ اہل نظر پر پوشیدہ نہیں قواس کے کامل نسخے کے بنا پر ہندوستان کی سب سے قدیم اور معروف فرہنگ کی اشاعت فارسی ادبی تاریخ کا اہم واقعہ ہے۔

زفان گویا کا کامل نسخۂ گو موجود ہے، لیکن مجموعہ زیر بحث کے نسخے سے زفان کے متن کے انتقادی ایڈیشن میں کتنی آسانی پیدا ہوئی ہے، اس لحاظ سے اس نسخہ کی بے پناہ اہمیت ہے۔ حوض الحیات کے کسی نسخے کا مجھے علم نہیں۔ اس کا عربی ترجمہ چھپ چکا ہے اور اس کی شرح جو اکبر کے زمانے میں شاہ محمد غوث نے مرتب کی تھی، وہ بھی شائع ہو چکی تھی، مگر فارسی کا پرانا متن مفقود تھا۔ کراچی مجموعے کے ذریعے یہ قیمتی نسخہ بھی سامنے آ گیا ہے قابل ذکر بات ہے کہ جس موضوع پر حوض الحیات ہے اس کے سلسلے میں مشرق اور مغرب خاصی دل چسپی لے رہے ہیں، لیکن اب فارسی کے قدیم متن کے سامنے آنے سے اس پر بحث دوسرے انداز میں شروع ہوگئی۔ بہر حال اس لحاظ سے یہ نسخہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، مجموعے کا آخری جز فرہنگ لسان الشعرا ہے۔ اس فرہنگ کا فارسی کی فرہنگ نگاری کی تاریخ میں اہم رول رہا ہے، لیکن اس کے مفقود ہونے کی وجہ

---

[۱] رضا رامپور لائبریری جرنل، ۱۹۹۶، شمارہ ۳

سے یہ موضوع بھی تشنہ تھا۔ اس کا انکشاف فارسی کی ادبی تاریخ میں بے پایاں اہمیت کا حامل ہے۔ میرے مختصر سے تجربے میں مجھے کوئی ایسا قیمتی مجموعے نظر نہیں آیا جس کے سارے اجزا ایسے نادر اور نایاب ہوں جتنا زیر بحث مجموعہ کے ہیں۔

آخر میں حواشی دے کر مضمون مکمل کیا ہے۔

۱۵ غالبؔ کی ایک دل پسند فارسی فرہنگ، سرمۂ سلیمانی [۱]

تقی اوحدی کی اہم نثری تصنیف ''سرمۂ سلیمانی'' ہے، یہ فارسی فرہنگ ۱۳۶۴ شمسی میں آقای محمود مدبر کی تصحیح وحواشی کے ساتھ مرکز نشر دانشگاہ ہی کی طرف سے شائع ہوئی ہے، یہ گیارہویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی تھی جس کا ذکر غالب کی تحریر میں آیا ہے۔ زیر نظر مضمون میں نذیر صاحب لکھتے ہیں:

گیارہویں صدی کے اوائل کی ایک فرہنگ سرمۂ سلیمانی ہے جس کا ذکر غالبؔ کی تحریر میں آیا ہے۔ یہ فرہنگ اگرچہ ایران میں لکھی گئی، لیکن ہندوستان میں اس کی کافی شہرت ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں، اوّل یہ کہ اس کا مؤلف تقی احدی اصفہانی ہے، جو اوّل جوانی میں ہندوستان آیا اور یہاں اس نے ۱۰۲۲ تا ۱۰۲۴ء میں فارسی زبان کا شاید سب سے مشہور تذکرہ عرفات العاشقین آگرہ میں لکھا جو مغل بادشاہوں کا دارالخلافہ تھا۔ یہ جہانگیر بادشاہ کا دور تھا اور اس کے دور میں اس نے اپنا تذکرہ آگرہ میں تمام کیا، دوسری وجہ اس کی شہرت کی یہ تھی کہ برہان قاطعؔ جو فارسی کی کافی مشہور لغت ہے اور جو گول کنڈہ میں عبداللہ قطب شاہ کے دور میں لکھی گئی، غالب دہلوی نے اس لغت کی سخت تنقید کی، اور قاطع برہان کے نام سے ایک رسالہ برہان قاطع کی کوتاہیوں پر لکھا۔ غالبؔ کے دور میں انکے رسالہ کی بڑی شہرت اور اسی رسالہ کی وجہ سے برہان قاطع بھی کافی مشہور ہوئی۔

دراصل برہان قاطع کے مولف محمد حسین تبریزی نے اپنے مآخذ کی چار کتابوں کا نام لکھا یعنی فرہنگ جہانگیری، فرہنگ سروری، سرمۂ سلیمانی اور صحاح الادویہ، خلاصہ یہ کہ سرمۂ سلیمانی کا نام برہان قاطع اور قاطع برہان کے جھگڑے کی وجہ سے ہندوستان میں مشہور ہوا، غالبؔ نے اسی

---

[۱] غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۲۰۰۱ء، جلد ۲۲ شمارہ ۱

مناسبت سے سرمۂ سلیمانی کا نام سنا تھا اور اس سے ان کی دلچسپی بڑھ گئی تھی لیکن وہ اس سے استفادہ نہ کر سکے تھے البتہ اپنی بعض تحریروں میں اس کا نام لکھا ہے۔ نذیر احمد صاحب نے یہ مضمون دو نسخوں کی مدد سے تیار کیا ہے ایک محمود مدبری کی تصحیح کردہ سرمہ سلیمانی اور دوسرا دانشگاہ تہران کے نسخے کے عکس سے، آپ نے سرمہ سلیمانی کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں:

میں نے مناسب سمجھا کہ اس فرہنگ کو جو مؤلف برہان قاطع کے مآخذ میں تھی اور جس سے غالب کو بھی دلچسپی تھی۔ متعارف کروادوں۔

اس طرح اس مضمون میں سرمہ سلیمانی کا مکمل تعارف کرایا ہے اور آخر میں حواشی کے ساتھ مضمون مکمل کیا ہے۔

(۱۶) نقد فرہنگ غالب [۱]

غالب نے مطالعے کے دوران اپنی کتابوں کے حاشیے میں بعض مترادفات نقل کر دیے تھے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے حاشیے میں منقول سارے مترادفات ۱۲۶۳ھ میں حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کر لیے اور اس طرح ایک مجموعہ تیار ہوا جس کا نام انہوں نے ''فرہنگ غالب'' رکھا اس کتاب کے دو حصّے ہیں پہلا عربی و فارسی وغیرہ پر اور دوسرا اردو الفاظ پر مشتمل ہے، پہلا حصہ بڑا اور دوسرا چھوٹا ہے۔

زیر نظر مضمون میں نذیر صاحب نے اس کتاب پر تنقید کی ہے جو امتیاز علی خاں عرشی صاحب نے ترتیب دی تھی اور پھر مترادفات غالبؔ پر بھی تنقید کی ہے لکھتے ہیں:

راقم نے جب اس کتاب پر نظر ڈالی تو مجھے اس میں کافی کمزوریاں نظر آئیں، لیکن جہاں تک علم کا تعلق ہے۔ اب تک کسی نے اس کتاب پر تحقیقی نظر نہیں ڈالی، اس کی بنا پر کتاب کی غلطیاں بڑی تعداد میں موجود ہیں، غالب کے یہاں تو غلطیاں تھی ہی، مرتب نے بھی انہیں بالکل نظر انداز کر دیا ہے کہیں کہیں مختصر سے حواشی لکھے ہیں لیکن اکثر وہ غلط اور نا قابلِ قبول ہیں، راقم نے زیر نظر مقالے میں اصل کتاب کے مندرجات پر تحقیقی نظر ڈالی ہے اور اس کی بنیادی خامیوں کو اجاگر

---

[۱] غالب نامہ، نئی دہلی، جنوری ۲۰۰۲ء جلد ۲۳ شمارہ ۱

کیا ہے، یہ خامیاں خود غالب کی ہیں، لیکن ان خامیوں سے زیادہ خود مرتب کی خامیاں ہیں، کہیں کہیں انہوں نے مختصر سے حواشی لکھے ہیں۔ لیکن کتاب کے بنیادی، نقایص ان کی نظر میں نہ آسکے، راقم نے زیر نظر مقالے میں خود غالب کے نقایص کو اجاگر کیا ہے، لیکن مرتب کتاب جو سیکڑوں غلطیوں کے مرتکب ہوئے، ان کی طرف توجہ نہیں ہوسکی ہے اور حق بات تو یہ ہے کہ ان کی کوتاہیوں کو دور کیے بغیر کتاب کا مطالعہ بے سود رہے گا۔

(۱۷) بہمنیوں سے پہلے دکن کی ایک اہم تصنیف، فرہنگ دستور الافاضل[۱]

زیر نظر مضمون میں بہمنیوں اور ان سے پہلے کی ایک فارسی لغت یعنی فرہنگ دستور الافاضل کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، یہ فارسی کی ایک اہم فرہنگ ہے، جیسے حاجب خیرات دہلوی نے تصنیف کیا تھا۔ اس اہم فرہنگ کے بارے میں مقالہ لکھنے کے سبب نذیر احمد صاحب ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

کافی عرصے سے راقم حروف کے زیر مطالعہ فارسی لغت کا ایک مخطوطہ دستور الافاضل کا رہا، اس کے غائر مطالعے سے اس راز کی عقیدہ کشائی ہوئی کہ یہ فرہنگ بہمنی دور سے قبل دکن میں مرتب ہوئی، اس کتاب کا واحد اور کسی قدر ناقص مخطوطہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ راقم نے اس کا انتقادی متن مع ایک مفصل مقدمے کے دو سال قبل ۱۳۵۲ شمسی میں بنیاد فرہنگ ایران، تہران سے شائع کر دیا ہے، لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ باوجود اس علم کے کہ دستور الافاضل قصبہ استاد آباد میں مرتب ہوئی، میں اس امر کی طرف متوجہ نہیں ہوسکا تھا کہ یہ چند کتابوں میں ہے جو سلطنت بہمنی کی تاسیس سے قبل خطۂ دکن میں لکھی گئی تھی، اسی وجہ سے فرہنگ کا ذکر تاریخ دکن والے مضمون میں نہیں ہوا تھا۔ اس نقص کی تلافی کا خیال ان سطور کے لکھنے کا محرک ہوا۔

اس طرح زیر نظر مضمون میں دستور الافاضل کے مصنف اور اس فرہنگ پر ایک نئی اطلاعات بہم پہنچائی ہیں، جو معلومات کے لیے کافی سودمند ہیں۔

---

[۱] معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۷۷ء، جلد ۱۱۹ شمارہ ۱

حصّه (ب)

فارسی خطاطی و فنون

حصّہ (ب)

فارسی خطاطی وفنون

انسانی تخلیقی صلاحیتوں میں سب سے زیادہ اہم صلاحیت خط کی ایجاد تھی۔ جس کے ذریعہ تہذیب وتمدن کے معیار میں تاریخ ساز ترقی ہوئی۔ فرد اور سوسایٹی کے ربط باہمی اور تبادلۂ خیالات نے انسانی رشتوں اور ان کی ایجادات اور انکشافات نے روحانی اور مادّی ترقی میں نمایاں رول ادا کیا۔ قدیم تہذیبوں کی نشاندہی کرنے میں کتبات نے بے حد مدد کی۔ دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں مصر، میسوپوٹامیا (عراق) اور ہندوستان کی وادی سندھ کی تہذیبوں کا شمار ہوتا ہے، جہاں پُرشکوہ عمارتوں اور قدیم شہروں کے باقیات دریافت ہوئے ہیں، جن کی تہذیبی اور تمدنی ترقی کو سمجھنے میں ہجری کتبات، مٹی اور تانبے کی مہروں اور مٹی کے ظروف پر کندہ یا منقش تحریروں نے ماہرین قدیم آثار کی رہنمائی کی ہے ''مصروی کتبات تصویروں اور علامتوں سے لکھے گئے ہیں جیسے ایجپٹولوجسٹ (EGPTOLOGIST) پکٹوگرافی (PICTOGRAPHY) سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ تحریر اہرام مصر کے پتھروں پر منقش اور کندہ ہیں۔ ممی کے تابوت اور دفن شدہ ظروف اور اشیاء پر کثرت سے ملی ہیں۔ جن سے ہزاروں سال قبل کے تاریخی واقعات، حالات اور شخصیات، خاص طور پر فرعون مصر کی تہذیبی ترقی، عیش وطرب کے لوازمات، جسمانی زیورات اور سجاوٹی اشیاء کی دریافت ہوئی ہے۔''[1]

''سید احمد اپنی کتاب ''خط کی کہانی تصویروں کی زبانی۔ حصہ دوم میں خط کی تعریف کے سلسلے میں شیخ شمس الدین بن الاکفانی کی تصنیف ''ارشاد المقاصد'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

---

[1] خط کی کہانی تصویروں کی زبانی، سید احمد ۱۹۹۹ء، حصہ ا، ص پیش لفظ

''علم خط وہ ہے جس سے حروف مفردہ کی صورت اور ترکیب واضح ہوتی ہے اور دنیا میں یہی وہ علم ہے جو بغیر کسی اشارۂ لفظی ومعنوی کے اپنا مفہوم ادا کرتا ہے کیونکہ الفاظ صرف معنیٰ کو ذہن نشین کرتے ہیں اور خط سے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ الفاظ میں محض شیرینی ہے اور خط میں تصاویر کا حسن نمایاں ہوتا ہے۔ کاتب قلم کاغذ پر مصوّری کرتا ہے اور تصویر کشی کے مقابلے میں کتاب بھی ایک فن (ارٹ) ہے۔''[۱]

پرفیسر نذیر احمد کو خطاطی وفنون میں دل چسپی تھی اور اس کام میں وہ ماہر بھی تھے بہر حال انہوں نے خطّاطی پر کوئی کتاب تو تصنیف نہیں کی لیکن فنِ موسیقی پر کتاب نورس کا متن تیار کیا اور فنِ مصوّری اور خطّاطی پر متعدد مضامین لکھے۔

بقول پروفیسر ریحانہ خاتون (شعبۂ فارسی دانشگاہ دہلی):

''والد صاحب نے بیشمار تحقیقی وتنقیدی مقالے لکھے جو ہند اور بیرون ہند جیسے افغانستان، ایران، کویت، پاکستان وغیرہ کے رسایل میں شائع ہوئے۔ یہ مقالے اردو اور فارسی زبان میں، ادب، تاریخ، تہذیب، فن، خطاطی، لغات، طب اور موسیقی وغیرہ کے بارے میں اہم معلومات بہم پہنچاتے ہیں ان میں سے بہت سے مقالوں کا ترجمہ اردو فارسی پشتو، انگریزی اور روسی زبانوں میں ہو چکا ہے۔''[۲]

پروفیسر نذیر احمد نے چند مقالات میں فن خط نگاری اور کچھ مشہور خطاطوں کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ آپ نے مضامین میں خطاطی کے نمونہ بھی پیش کیے ہیں اور مصوری، موسیقی پر بھی چند مضامین لکھے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) ابراہیم عادل شاہ کا درباری خطاط، شاہ خلیل[۳]

ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸۔۱۰۳۷ھ) بیجاپور کی عادل شاہی حکومت کا جلیل القدر

---

۱ خط کی کہانی تصویروں کی زبانی، سید احمد ۱۹۹۹ء، حصہ ۲، ص ح

۲ کارنامہ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون، ص ۱۱۴

۳ نذرِ ذاکر، مرتبہ، تاراچند، نئی دہلی ۱۹۶۸ء

فرمانروا گزرا ہے اس کا دور علمی وادبی ترقی کے لحاظ سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس کے عہد میں فنونِ لطیفہ میں جو نمایاں ترقی ہوئی اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں کم ملے گی۔ سلطان خود مختلف فنون میں غیر معمولی کمال رکھتا تھا۔ موسیقی میں وہ ایک طرزِ خاص کا موجد تھا، جس کی بنا پر اس کی تصنیف کردہ کتاب نورس فنِ موسیقی کی عالمانہ تصنیف شمار ہوتی ہے۔ خطاطی میں بھی اس نے کافی دستگاہ بہم پہنچائی ہے۔ سالار جنگ میوزیم، حیدر آباد میں اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن کریم کی دو سورہ: سورۂ مائدہ اور سورۂ انعام محفوظ ہیں۔

اس مضمون میں پروفیسر نذیر احمد شاہ خلیل اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میں نے سلطان ابراہیم کے دور کے سات خطاطوں کا ذکر کتاب نورس کے دیباچے (ص ۳۷ تا ۳۹) میں کیا تھا، اور ان میں سے بعض کی خطاطی کے نمونے بھی شائع کیے تھے۔ اس دور کے خطاطوں میں سب سے اہم شاہ خلیل اللہ ہے۔ مگر کتاب نورس کی ترتیب کے وقت تک اس کی خطاطی کے نمونے دستیاب نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بعد مجھے اپنے دوست محمد جمال شریف صاحب کے توسط سے شاہ خلیل اللہ کی مرتب کی ہوئی کتاب نورس کے ۶ منتشر اوراق مل گئے۔ سطورِ ذیل کے ذریعے اس خطاط کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان قیمتی اوراق کا تحفظ مقصود ہے۔''[۱]

پروفیسر نذیر احمد مذکورہ مضمون میں لکھتے ہیں کہ شاہ خلیل سے متعلق ہماری معلومات کے تین مآخذ ہیں۔

(۱) فتوحات عادل شاہیہ تالیف فزونی استر آبادی: اس کا مؤلف ابراہیم عادل شاہ کے بیٹے محمد عادل شاہ کے دربار کا مورخ تھا۔ اس نے ۱۰۵۱ ہجری میں یہ کتاب لکھی، جو عادل شاہی خاندان کی اہم تاریخ تصور کی جاتی ہے۔ مؤلف ایک مدّت تک بیجاپور میں رہا ہے، اس وجہ سے شاہ خلیل اللہ سے متعلق اس کی اطلاعات مستند ہیں۔

(۲) عالم آرائے عباسی تالیف اسکندر منشی: اس کتاب کا مؤلف شاہ عباس کا درباری مورخ تھا اس نے دو جلدوں میں شاہانِ صوفیہ کی تاریخ لکھی ہے، جلد اوّل ۱۰۲۵ ہجری تک اور جلد دوم وفات شاہ عباس تک کے واقعات پر مشتمل ہے اگرچہ اسکندر منشی نے صراحت نہیں کی ہے، لیکن

---

[۱] نذر ذاکر، نئی دہلی ۱۹۶۸ء، مقالہ پروفیسر نذیر احمد ص ۴۲۳

ظنِ قوی ہے کہ اس کی ملاقات شاہ خلیل اللہ سے ہوئی ہوگی اور اس نے شاہ سے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ غالباً اسی سے سن کر تحریر کیا ہوگا۔

(۳) سہ نثر ظہوری: اس کے تیسرے حصّے میں ظہوری نے ارکانِ دولت عادل شاہی کے ذیل میں اس خطّاط کی بے حد تعریف کی ہے۔ ظہوری اور خلیل اللہ ایک ہی دربار سے وابستہ تھے؛ اس بنا پر سہ نثر کے بیان کو بڑی اہمیت ہے لیکن اس میں شاہ خلیل اللہ کے حالاتِ زندگی کے متعلق کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ فزونی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ خلیل اللہ ہرات کے ایک گھرانے کا فرد تھا۔ مگر اسکندر منشی کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ خراسان کی ولایت باخرز کے ایک ممتاز خانوادۂ سادات کا چشم و چراغ تھا۔ چونکہ اسکندر منشی کی شاہ خلیل سے ملاقات ہونے کا بخوبی امکان ہے، اس بنا پر اس کا بیان قابل ترجیح ہے۔ چونکہ باخرز ہرات کے نواح میں واقع ہے اس لئے ممکن ہے اس نے ہرات کی اہمیت اور شہرت کی بنا پر خلیل اللہ کا ذکر اس کی نسبت سے کر دیا ہو۔

فزونی نے لکھا ہے کہ خلیل اللہ اوّل جوانی میں شاعبّاس اعظم (۹۹۵ء۔۵۷۳ھ) کے دربار سے منسلک ہوگیا اور بظاہر فنِ خطّاطی میں اسے بادشاہ کی استادی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

عادل شاہی دربار میں خلیل اللہ کی بڑی قدر دانی ہوئی اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ سلطان ابراہیم کا معتمد علیہ ہوگیا۔ چنانچہ بادشاہ نے اسے سفیر بنا کر عباس کے دربار میں روانہ کر دیا فتوحات عادل شاہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شاہ عباس نے خلیل اللہ کے نام دعوت نامہ بھیجا تھا۔ مگر عالم آرائے عبّاسی میں ۲۷ ویں سال جلوس یعنی ۱۰۲۲ھ کے ذیل میں درج ہے کہ دکن کہ تینوں سلطنتوں یعنی عادلشاہی قطب شاہی اور نظام شاہی نے شاہ ایران کے پاس اس غرض سے اپنے اپنے سفیر بھیجے تھے کہ وہ جہانگیر پر دباؤ ڈالے تاکہ مغل بادشاہ ان سلطنتوں کی تسخیر کا ارادہ ترک کر دے۔

اس مقالے میں نذیر احمد صاحب نے شاہ خلیل اللہ کے خطوط کے نمونے پیش کئے ہیں جن کی تعداد ۱۱ ہے اور پھر ابرہیم عادل شاہ کے خط کا نمونہ اور ساتھ میں سلمان خطّاط کے خط کا نمونہ پیش کر کے ان سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔

(۲) نادر العصر استاد احمد معمار قلعہ دہلی و روضہ تاج محل کے خاندان کے متعلق بعض اضافے [۱]

یہ مضمون استاد احمد معمار کے خاندان کے متعلق ہے۔ پروفیسر موصوف تحریر فرماتے ہیں

''استاد احمد شاہجہاں عہد کا ممتاز ترین مہندس اور معمار تھا اس کے توسط سے اس دور کی مشہور عمارتیں وجود میں آئیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ قلعہ دہلی اس کے کمال صناعی کا نتیجہ ہے اور بعض معتبر علما روضۂ تاج محل کو بھی اس کے کمال کی یادگار بتاتے ہیں۔ اس کے اور اس کے خاندان کے متعلق کافی لکھا جا چکا ہے۔ مگر ابھی لکھنے کی گنجائش باقی ہے۔ اب تک استاد احمد کے خانوادے کا آخری فرد جس کا نام بالیقین اور تسلسل کے ساتھ معلوم ہو سکا ہے وہ مرزا محمد علی تھے۔ مجھے اس کے بیٹے زین العابدین عرف مکھو کا نام معلوم ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بعض اور معلومات دستیاب ہو گئی ہیں۔''

اس طرح زیر نظر مضمون میں استاد احمد معمار کے خانوادے کے آخری فرد اور کچھ دوسری شخصیات کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) نادر العصر استاد احمد معمار تاج محل کے خاندان کے مصنفین کے مخطوطے علی گڑھ میں [۲]

یہ مضمون بھی استاد احمد معمار کے بارے میں ہے اس میں نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

''استاد احمد معمار تاج کی حیثیت سے جس شہرت کا حامل ہے وہ محتاج بیان نہیں، سنہ ۱۹۳۳ء سے استاد احمد اور اس کے خاندان کے بارے میں برابر لکھا جا رہا ہے۔ اورینٹل کالج میگزین کے فروری ۱۹۵۹ء کے شمارے میں راقم نے اس خاندان کے متعلق بعض نئی باتیں لکھی تھیں اور مئی ۱۹۵۹ء کے شمارے میں پروفیسر محمد شفیع نے استاد احمد کے بیٹے لطف اللہ مہندس کی بعض نئی کتابوں کا تعارف کرا کے ہماری معلومات میں بیش بہا اضافہ کیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتابخانے میں اس خانوادے سے متعلق کچھ مواد موجود ہے جس کا ذکر وقتاً فوقتاً ہوا ہی ہے، مگر بعض بیان میں کچھ غلطیاں بھی رہ گئی ہیں۔ ذیل کی سطور میں اس سلسلے کے چند خطی نسخوں کا تعارف دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔''

---

[۱] اورینٹل کالج میگزین، پاکستان، فروری ۱۹۵۹ء، جلد ۳۵، شمارہ ۲

[۲] اورینٹل کالج میگزین، پاکستان، مئی ۱۹۶۰ء، جلد ۳۶، شمارہ ۳

اس طرح اس مضمون میں مندرجہ ذیل چند خطی نسخوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ رسالہ احمد معمار، رسالہ لطف اللہ مہندس، رسالہ امامہ الدین ریاضی، رسالہ ابوالخیر، رسالہ محمد علی وغیرہ۔

(۴) معمار تاج محل کے خانوادہ کا ایک اہم رکن یعنی امادالدین حسین ریاضی بن لطف اللہ مہندس [۱]

پروفیسر موصوف مذکورہ مضمون میں لکھتے ہیں:

''روضہ تاج محل فنِ تعمیر کا شاہکار ہے، مگر یہ ہماری بدنصیبی تھی کہ ایسی عجائب روزگار ومحیر العقول عمارت کے معمار وطرّاح کی شخصیت پر عرصے تک تاریکی کا زبردست پردہ پڑا ہوا تھا۔ مدتوں ہندوستان اور غیر ہندوستانی مورخوں میں اس کے بارے میں سخت اختلاف تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ روضۂ تاج کا معمار علی مروان خان تھا تو بعض اس کی تکمیل کا سہرا ایک فرانسیسی معمار کے سر بندھتے تھے، کچھ اس کو ایک اطالوی صناع کی کاریگری کا نمونہ قرار دیتے تو چند ایسے بھی تھے، جو اسے استاد عیسیٰ کے فن کا کمال بتاتے تھے۔ بہر حال تحقیقات کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں تک کہ قاضی محمود بنگلوری کو لطف اللہ مہندس کا دیوان دستیاب ہوگیا۔ جس کے مصنف کی شخصیت کے باقاعدہ تعین کے لئے قاضی صاحب موصوف نے اسے مولانا سیّد سلیمان مرحوم کے پاس بھیج دیا۔ مولانا نے اس پر بڑی محنت وعرق ریزی کی اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ مہندس مذکورہ نادرالعصر استاد احمد کا فرزند تھا۔ دیوانِ مہندس سے اس کا کافی ثبوت بہم پہنچ گیا کہ روضۂ تاج اس نادرالعصر کے کمال معماری کا نمونہ ہے۔ دیوان میں ایک مثنوی ہے اس میں کل ۳۳ ابیات ہیں جو معارف ج ۳۷ ص ۲۵۸ تا ۲۶۰ پر منقول ہیں۔''

مذکورہ مضمون میں نذیر صاحب نے اس موضوع سے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ آپ کی دلچسپی کا ثبوت تذکرہ باغستان کی دریافت ہے جو اس مضمون میں شامل ہے، اس کا مؤلف امادالدین حسین ریاضی بن لطف اللہ مہندس بن استاد احمد ہے۔ اس تذکرے کے توسط سے اس خانوادہ کے چند افراد کے حالات پر تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ مضمون میں امادالدین ریاضی کے تفصیلی حالات پیش کیے ہیں، اور ساتھ میں تذکرہ باغستان کی مدد سے دوسرے لوگوں کے بارے

---

[۱] اردو ادب، علی گڑھ، مارچ ۱۹۵۵، ج ۲، ش ۳

میں جو بھی اضافہ ہوا، اُسے بھی درج کر دیا ہے۔ یہ مضمون انگریزی زبان میں اسلامک کلچر، حیدر آباد کے اکتوبر ۱۹۵۷ء کے شمارے میں بھی شائع ہوا ہے۔

(۵) مغل مصور فرخ بیگ [۱]

یہ مضمون جہانگیری دربار کے شاہی مصور فرخ بیگ کے متعلق ہے۔ فرخ بیگ کا ایک معاصر مصور مولانا فرخ حسین ابرہیم عادل شاہ کے دربار میں بیجاپور میں تھا، آخر الذکر کی بنائی ہوئی ابراہیم عادل شاہ کی تصویر نذیر احمد صاحب نے ۱۹۵۵ء میں اسلامک کلچر کے شمارے میں شائع کی تھی۔ اسی درمیان ایک انگریز فاضل رابرٹ اسکلٹن نے فرخ بیگ پر ایک عالمانہ مضمون شائع کیا جس میں فرخ بیگ کی بنائی ہوئی ساری تصویروں کی روشنی میں نہ صرف اس کی مصوّری کے کمال پر تنقید تھی بلکہ انہیں تصویروں سے اس کی زندگی بھی مرتب کی گئی تھی، موصوف کے نزدیک فرخ بیگ اور فرخ حسین ایک ہی شخصیت تھے، نذیر احمد صاحب کو اس سے اختلاف تھا، چنانچہ نذیر احمد صاحب نے اسلامک کلچر ۱۹۶۱ء کے شمارے میں یہ مضمون شائع کیا جس میں موصوف کے نظریے کی تردید کی گئی ہے، اس مضمون کے بعد موصوف نے اپنے نظریہ پر نظر ثانی کی اور فرخ بیگ حسین کو فرخ بیگ سے الگ شخصیت قرار دیا۔ یہ مضمن انگریزی زبان میں تھا، پروفیسر کبیر احمد جائسی صاحب نے اردو میں ترجمہ کر کے ''تاریخی اور علمی مقالات''[۲] میں شامل کیا ہے۔

---

[۱] اسلامک کلچر، حیدر آباد، ۱۹۶۱ء

[۲] تاریخی اور علمی مقالات، مترجم، کبیر احمد جائسی، اکتوبر ۱۹۷۶ء

(6) The Re-use of Architectural Calligraphy from a Shah Jahani Mosque of Delhi.[1]

اس مضمون کو سورۂ الفجر اور اس کے انگریزی ترجمے سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد کے بارے میں اجمالی تعارف کرواتے ہوئے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ آگرہ تاج محل کی جامع مسجد کے نقشہ پر تیار کی گئی ہے۔ مضمون میں سرسید احمد خاں کا جامع مسجد کے سلسلہ میں تعارف اور اس مسجد کے مصوّر کا ذکر کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

" The Aligarh Mosque was Completed in 1915 during the stewardship of Newab Mohammed Ishaq Khan, Seventeen Years after the death of sir Syed Ahmad Khan.But the above stated inscription is much older and the class containing the Inscription were brought from Delhi. here Perhaps these were fixed in the door way of Akbarabadi Mahal Mosque"

(۷) استاد احمد معمار تاج محل کے بارے میں کچھ نئی معلومات [۲]

زیر نظر مضمون استاد احمد معمار کے بارے میں کچھ نئی معلومات کے مآخذ پر مبنی ہے۔ مضمون لکھنے کا محرک نذیر احمد صاحب یوں بیان کرتے ہیں:

''استاد احمد معمار تاج کی حیثیت سے کافی مشہور ہو چکے ہیں، لیکن ان کے بارے میں کافی معلومات دستیاب نہیں، اگرچہ ان کے بیٹوں اور بعض پوتوں کے بارے میں تاریخوں اور تذکروں میں کافی اشارے ملتے ہیں، مگر استاد احمد کے متعلق خاموشی ہی خاموشی ہے، یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ان کے باپ دادا کون تھے اور وہ کس خاندان سے تھے، ان کے وطن کے بارے میں نقطۂ نظر کا اختلاف بھی ملتا ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر بیگلے کے توسط سے ایک نئے مآخذ کا پتہ چلا، اس کے ذریعے استاد احمد کے بارے میں بعض نہایت سودمند معلومات فراہم ہوئیں۔ یہ مآخذ ایک قرآن مجید کی شکل میں ہے جو بمبئی کے ایک جواہرات کے کاروبار کرنے والے تاجر کے پاس ہے۔ تاجر یہ نسخہ علیحدہ نہیں کرنا چاہتا، لیکن اس نے اس کے عکس کی اجازت دی اور اسی قرآن مجید کے

1. Indo Iranica September and December 1993

۲ غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی ۱۹۹۱ء، جلد ۱۲ شمارہ ۳

چھ صفحوں کا عکس بیگلے صاحب نے راقم حروف کو دیا، انہیں صفحوں میں جو اطلاع درج ہے، وہ نئی ہے یہی نئی اطلاعات ان سطور کے لکھنے کا محرک ہوئیں۔''

مذکورہ مضمون میں پروفیسر نذیر احمد نے ان چھ صفحوں کے عکس کے ساتھ نئی اطلاعات قلم بند کی ہیں اور بتایا ہے کہ استاد احمد معمار کے نامور بیٹے لطف اللہ مہندس نے قرآن مجید کے ایک نسخے کے حاشیے میں استاد احمد کے باپ کا نام ''برخوردار'' لکھا ہے۔

(8) FARRUKH HUSSAIN, The Royal Artist at The Court of Ibrahim Adil Shah II and his Paintings.[1]

یہ مضمون ابراہیم عادل شاہ دوم کے درباری مصوّر فرخ حسین کے بارے میں ہے۔ فرخ حسین عادل شاہ دوم (۱۶۲۷۔۱۵۸۰ء) کے دربار میں بڑی عزت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

" Amongst the sovereigns of the Deccan Ibrahim Adil Sha II Who ruled over the dominion of Bijapur from 1580 to 1627, ia s very Interesting Personality. Being a man of varied tastes, He was Passionately devoted to various branches of fine arts. Including music, Poetry, Painting etc.

زیر نظر مضمون میں ظہوری کے خیالات عادل شاہ سے متعلق قلم بند کیے گئے ہیں، اس کے بعد فرخ حسین کا تعلق عادل شاہ سے کب اور کہاں قایم ہوا اور اس نے عادل شاہ کے دربار میں کتنا اہم مقام حاصل کیا زیر بحث رہا ہے۔ مضمون کے آخر میں فرخ حسین کی چند پینٹنگ کو بطور نمونہ پیش کر کے ان سے مکمل بحث کی گئی ہے۔

(۹) استاد احمد معمار تاج کے خانوادے کے بارے میں کچھ مزید اطلاعات [۲]

نذیر احمد صاحب نے استاد احمد پر ایک مضمون غالب نامہ کے جولائی ۱۹۹۱ء کے شمارے میں لکھا ہے

1.Islamic Culture Hyderabad, Vol 30, No.1 Jan 1956.

۲ رضا لائبریری جرنل، ۱۹۹۵ء، شمارہ ۴

جس کے بعد مزید اطلاعات اس مضمون میں بہم پہنچائی ہیں، لکھتے ہیں:

''استاد احمد معمار لاہوری، تاج محل کی حیثیت سے کافی معروف ہے، لیکن خود اس کے بارے میں ہماری اطلاعات بہت محدود ہیں، اس کے نامور بیٹے لطف اللہ مہندس نے قرآن مجید کے ایک نسخے کے حاشیے میں استاد احمد کے باپ کا نام برخوردار لکھا ہے اور یہی نام مہندس کی مثنوی ''سیرت رسول'' کے ایک شعر میں بھی پایا جاتا ہے۔ راقم حروف نے اس موضوع پر ایک مختصر سا مقالہ غالب نامہ جولائی ۱۹۹۱ء میں شائع کیا تھا اور اس میں قرآن مجید کے ان اوراق کا عکس بھی شامل کیا گیا تھا، جن سے استاد احمد کے باپ کے نام کے بارے میں یہ قیمتی اطلاع درج تھی۔ کتاب خانہ رضا رامپور میں مہندس کا ایک رسالہ علم قیافہ پر ہے۔ اس کا ذکر فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی ج ۱، ص ۴۶۹ پر ہوا ہے، اس میں بھی استاد احمد کے باپ کا نام برخوردار ملتا ہے، یہ نام اس فقرے میں ہے:

''لطف اللہ مہندس بن احمد معمار لاہوری ابن برخوردار''

مذکورہ مضمون میں مزید زین العابدین کی کتاب ''برہان المثلہ'' کے رام پور رضا لائبریری کے ایک نسخہ کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں لکھتے ہیں:

''زین العابدین صاحب تصنیف بڑی شخصیت کا مالک تھا۔ حال ہی میں اس کی ایک کتاب ''برہان المثلہ'' رام پور رضا لائبریری میں مکشوف ہوئی ہے''

یہ کتاب ایک مختصر سے مقدمہ اور ۱۲ ابواب مختصر پر مشتمل ہے اور ہر باب میں چند فصیل ہیں۔ باب کو ''بیت'' کہا گیا ہے۔ اس میں لوگوں کے سوالوں کے جواب زندگی کے روزمرہ مسائل سے متعلق مختصر طور پر دیئے گئے ہیں اور یہ سارے جواب علم نجوم کی روشنی میں دیئے گئے ہیں اس لحاظ سے یہ کتاب نجوم سے تعلق رکھتی ہے۔

مضمون میں کتاب کے ۱۲ ابواب اور مقدمہ سے مکمل بحث کی گی ہے، آخر میں اس کی اہمیت اور سن تالیف کے بارے میں لکھا گیا ہے

اس کتاب کے مصنف کا تعلق استاد احمد معمار تاج محل کے خاندان سے ہے اس کی وجہ سے معمار تاج محل کے علمی خانوادے کی علمی یادگار میں ایک مفید اضافہ ہوا ہے۔

نذیر احمد صاحب نے فن موسیقی پر مبنی کتاب نورس کا متن تیار کر کے شائع کیا، جس پر آپ کو ملک

وبیرون ملک میں کافی شہرت حاصل ہوئی۔

(10) Ti'murid manuscripts of Artistic and Historical Value in Indian Collections.[1]

اس مضامین میں ''ہندوستان میں مغلیہ عہد کے مصوّر اور تاریخی اہمیت کے حامل مخطوطات'' کے بارے میں تفصیل فراہم کی ہے۔ ہندوستان میں تیموری عہد کے ان مخطوطات سے متعلق یہ مقالہ ہے جو مصوّری، خطّاطی یا تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مضمون پروفیسر نذیر احمد نے سمرقند میں منعقدہ بین الاقوامی سمینار ۱۹۶۹ء میں پڑھا تھا۔ جس کو خدا بخش لائبریری نے اپنے جرنل میں شریک اشاعت کرلیا۔ مقالہ میں اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں سینکڑوں ایسے مخطوطات ہیں جن کا دوسرا نسخہ دنیا میں کہیں دستیاب نہیں ہے۔ جن کے مطالعہ کے بغیر قرون وسطیٰ کی سیاسی، ثقافتی وادبی اور تہذیبی وتمدنی تاریخ نامکمل رہے گی۔

چار حصوں پر مشتمل اس مقالہ کے حصہ اوّل میں ان نسخوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے جو مصوّری اور گرافک آرٹ کے نمونے ہیں۔ اس فہرست میں دسویں و گیارہویں صدی ہجری کے چند ممتاز خطّاطوں اور ان کی خطّاطی کے نادر نمونوں سے روشناس کراتے ہوئے اس کے ایشائے مرکزی اور خراسان سے ہندوستان ہجرت کر کے ہندوستان آنے کا بیان شامل ہے۔ مثلاً اظہر، علی الخطیب، سلطان علی مشہدی، سلطان محمد بن نور اللہ اور شاہ محمد وغیرہ۔ اس فہرست میں بیس خطاطوں کا ذکر آیا ہے۔

مقالہ کے دوسرے حصے میں مصنفین کے دستخط کی تحقیق وجستجو کا حاصل پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ کے تیسرے حصے میں فنِ خطّاطی پر تصنیف کی گئی کتابوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور چوتھے حصے میں قابلِ توجہ اور اہم تاریخی مخطوطات کا ذکر آیا ہے اور ان نسخوں کی محتویات اور مضامین کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

---

1. Kudabaksh Journal Vol. 1996

کتاب نورس مصنفہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ۔۱۰۳۷ء)

یہ کتاب پروفیسر نذیر احمد نے بھارتیہ کلا کیندر، دانش محل، امین الدولہ پارک لکھنؤ اتر پردیش سے اپریل ۱۹۵۵ء میں شائع کرائی، اس کتاب کی تصحیح وتدوین میں نذیر صاحب نے غیر معمولی محنت، صبر، باریک بینی اور تحقیقی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے، اس تخلیقی کام سے آپ کو ابدی شہرت حاصل ہوئی۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ۔۱۰۳۷ء) عادل شاہی خاندان کا ایک جلیل القدر فرماں روا تھا۔ اگر چہ اپنے چچا علی عادل شاہ کے بعد ۹ سال کی عمر میں اس کو تخت مل گیا۔ لیکن اس کی فطری قابلیت کے جوہر ابتدا ہی سے ظاہر ہونے لگے۔ اس کے عہد میں بیجاپور علم وادب کا بڑا مرکز ہو گیا تھا۔ چنانچہ علمی ترقی کے لحاظ سے اس بادشاہ کا شمار ہندوستان کے ممتاز بادشاہوں کی فہرست میں ہوتا ہے۔ ابراہیم عادل کی سرپرستی میں اس کے درباری علماء وفضلا نے مختلف علوم وفنون پر کافی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ بادشاہ خود بھی علم وفن میں مہارت رکھتا تھا۔ کم سنی ہی سے اس کو تاریخ سے بے حد دلچسپی تھی۔ فارسی زبان پر قدرت کم عمری میں حاصل ہو گئی، اس زبان میں بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتا تھا۔ موسیقی سے رغبت کا یہ عالم تھا کہ نوآباد شہر نورس پور کا ایک محلّہ موسیقی دانوں ہی کا تھا جن کی تعداد ہزار تھی۔ بادشاہ شاعری کا بھی بے حد دلدادہ تھا۔ موزوں طبیعت پائی تھی۔ فارسی اور دکنی دونوں میں مشق سخن کرتا۔ فارسی کے شعر تو دستبرد زمانے سے محفوظ نہ رہ سکے لیکن دکنی زبان کا ایک بلند پایہ کارنامہ کتاب نورس موجود ہے۔

''کتاب نورس'' دکنی نظم میں علم موسیقی سے متعلق ایک مختصر کتاب ہے، اس میں کچھ راگ راگنیوں کی تصریح صرف اس قدر ہے کہ ایک راگ یا راگنی کو عنوان قرار دے کر اس کے ماتحت بادشاہ کے نظم کئے ہوئے گیت درج ہیں۔ ہر گیت موضوع کے اعتبار سے مختلف ہے، اس لحاظ سے کتاب میں مسلسل مضمون کی تلاش بے سود ہے، کتاب مذکورہ کے دس نسخے تھے جس میں نذیر احمد صاحب نے ۹ نسخے حاصل کر کے مذکورہ کتاب کا متن تیار کیا ہے، ان نسخوں میں ۱۷ راگوں کے ذیل میں کل ۵۹ گیت اور ۱۷ دُہرے ملے ہیں۔ نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں:

''اب تک کتاب نورس کے صرف چند نسخوں کا علم تھا، تلاش وجستجو کے بعد مجھے دس نسخوں کا پتہ چلا جن میں نو نسخوں کی نقل میں نے حاصل کر لی ہے۔ صرف پروفیسر آغا حیدر حسن صاحب کا نسخہ نہ مل سکا، میں نے ان

سے دوبارہ ملاقات کی اور انہوں نے اپنے قیمتی اوقات نسخہ مذکور کی تلاش میں صرف کئے، مگر وہ کسی ایسی جگہ جا پڑا کہ اتنی جلدی اس کا ملنا ممکن نہ ہوا، مگر بقول پروفیسر صاحب کے وہ نسخہ بہت بعد کا ہے اور اس سے بہت قدیم نسخے مجھے دست یاب ہو چکے ہیں، اس لئے اس کے نہ ملنے کا زیادہ افسوس نہیں ہوا۔ کتاب نورس کا متن نو نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔''[۱]

مذکورہ کتاب کے شروع میں نذیر صاحب نے اپنے احباب کا شکریہ ادا کیا ہے جس کی مدد سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ کتاب کے تعارف میں نسخوں کو حاصل کرنے میں کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، تفصیل سے لکھا ہے، مذکورہ کتاب میں ایک طویل مقدمہ تحریر فرمایا ہے جس میں سلطنت بیجاپور کی ثقافتی اور سیاسی تاریخ اور ان واقعات پر لکھا ہے جو سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مساعی کے نتیجہ میں اہم ثقافتی تبدیلیوں کا موجب بنے تھے۔ سلطنت بیجاپور میں علم وادب اور فنون لطیفہ کے فروغ کے علاوہ نئے نئے شہر اور قصبات تعمیر ہوئے جس سے عام خوشحالی بڑھی علاوہ ازیں ''نورس'' کے مقدمے میں مختلف فنون کے ماہرین کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ یہ ماہرین ہندوستان کے مختلف حصوں کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی سلطان کی شہرت سے متاثر ہو کر بیجاپور آئے تھے۔

مذکورہ کتاب مفصل مقدمے اور گیتوں کے انگریزی ترجمے اور حواشی کے ساتھ ۱۹۵۶ء میں سنگیت ناٹک اکادمی کی طرف سے شائع کی گئی ہے، نورس کے انگریزی ترجمہ سے نذیر احمد صاحب اور ''کتاب نورس'' کی مقبولیت یورپ اور امریکہ میں عام ہوگئی، کیونکہ وہاں ہندوستانی کلاسیکی موسیقی پر ریسرچ کرنے والے اسکالرز کو نورس سے استفادہ کرنے کا موقعہ ملا تھا۔

مذکورہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ اس پر ہندوستان کے بڑے بڑے نقادوں نے تبصرے لکھے، یہ کتاب اتنی اہم تھی کہ کرناٹک اردو اکادمی بنگلور نے ۱۹۹۸ء میں اردو میں پھر شائع کی۔ یہ کتاب علم موسیقی پر اپنی نوعیت کی بہت ہی اہم کتاب ہے، اس کتاب کا محفوظ رہنا بہت ہی ضروری ہے تاکہ علم وفن کے شایقین اس سے استفادہ کر سکیں۔

مذکورہ کتاب اور دوسرے فنون پر نذیر احمد صاحب نے چند مضامین لکھ کر مختلف رسالوں میں شائع

---

[۱] کتاب نورس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، بھارتیہ کلا کیندر، دانش محل، لکھنؤ ۱۹۵۵ء، ص ا

کرائے ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) کتاب نورس مصنفہ ابراہیم عادل شاہ ثانی [۱]

زیرنظر مضمون میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کے حالات اور اس کے درباری شعراء، مصنّفین، مورخین کے بارے میں چند سطور تحریر فرمائی ہیں۔ ابراہیم عادل شاہ کی دلچسپی کے بارے میں نذیر صاحب فرماتے ہیں:

''دکنی زبان سے ابراہیم عادل شاہ، کو جس قدر دلچسپی تھی اس کا زندہ ثبوت خود اس کی ذاتی تصنیف کتاب نورس ہے، اس کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ نہ صرف دکنی بلکہ سنسکرت برج بھاشا اور سب سے بڑھ کر ہندو دیو مالا پر اس کو پوری طرح عبور حاصل تھا۔''

مذکورہ مضمون میں کتاب نورس پر تفصیلی گفتگو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کی گئی ہے، کتاب کا عنوان، تاریخ تصنیف، کتاب نورس کا دیباچہ، کتاب نورس کا ترجمہ، کتاب نورس کی زبان، کتاب نورس کی ادبی اہمیت وغیرہ۔

(۲) کتاب نورس کے مخطوطات [۲]

اس مضمون میں کتاب نورس کے نسخوں کی تلاش اور ان کو حاصل کرنے کے وسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔ زیرنظر مضمون میں بتایا ہے کہ اس کتاب کے دس نسخے تھے جن میں نو نسخے انہوں نے حاصل کر لیے دسواں نسخہ کسی وجہ سے دست یاب نہ ہوسکا۔ مگر وہ نسخہ باقی نونسخوں سے کافی بعد کا تھا جس کے نہ ملنے سے کوئی افسوس ظاہر نہ کرتے ہوئے دستیاب نونسخوں سے کتاب کا متن تیار کیا گیا۔

زیرنظر مضمون میں ان نونسخوں کی تفصیل دے دی گئی ہے۔

(۱) نسخۂ کتاب نورس، مملوکہ دفتر دیوانی و مال Central Records office، حیدرآباد، دکن

(۲) نسخۂ کتاب نورس، سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، دکن

(۳) نسخۂ کتاب نورس، مملوکہ پروفیسر حسین علی خاں، حیدرآباد، دکن

(۴) نسخۂ دوم کتاب نورس، مملوکہ سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، دکن

(۵) نسخۂ کتاب نورس، پرنس آف ویلز میوزیم، ممبئی

---

[۱] معارف، اعظم گڑھ، اپریل تا جون ۱۹۵۲ء

[۲] معارف، اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۵۲ء

(۶) نسخہ کتاب نورس، حیدرآباد میوزیم، حیدرآباد، دکن

(۷) نسخۂ کتاب نورس، کتاب خانہ خدا بخش خاں، بانکی پور، پٹنہ

(۸) نسخۂ کتاب نورس، کتاب خانہ رام پور (رضا لائبریری)

(۹) نسخہ سوم، سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد، دکن

(۴) کچھ کتاب نورس کی بابت[1]

یہ مضمون اسلامک کلچر کے جنوری ۱۹۵۶ء کے شمارے میں کتاب نورس پر ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب کی طرف سے لکھے گئے تبصرے پر ہے مذکورہ مضمون کی وجہ نذیر احمد صاحب یوں لکھتے ہیں:

''کتاب نورس مصنفہ ابراہیم عال شاہ کو میں نے اپریل ۱۹۵۵ء میں اردو میں شائع کیا۔ ابھی اس کو شائع ہوئے چند ہی روز ہوئے تھے کہ مجھے ایران آجانا پڑا، اس وقت تک اس پر صرف دو ایک تبصرہ ہوئے تھے، جو کافی حوصلہ افزا تھے، دوستوں نے ضرورت سے زیادہ ہمت افزائی کی، لیکن ایران چلے آنے کے بعد مجھے کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ اس پانچ چھ ماہ میں اس کے متعلق کس کس قسم کے خیالات کا اظہار ہوا۔ اتفاق سے اسلامک کلچر حیدرآباد کے شمارہ ماہ جنوری ۱۹۵۶ (ج ۳۰ نمبر ۱) میں میرا ایک مضمون شائع ہوا، جو ایران میں سفارت ہند کے توسط مجھے مل گیا، اسی شمارہ میں کتاب نورس پر ایک طویل تبصرہ بھی دیکھنے میں آیا جو باریک ٹائپ کے ۶ کالموں پر مشتمل ہے، تبصرہ نگار بھی بڑی حیثیت کے مالک اور اردو کے چوٹی کے ادیب ہیں، یعنی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور صاحب جن کا نام نامی سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے، مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میری حقیر سی چیز ایسے حضرات کے لیے جالب توجہ ہوئی، لیکن تبصرہ پڑھنے کے بعد مایوسی ہوئی، اس کی وجہ یہ نہیں کہ تبصرہ نگار کے نزدیک میری سعی نامشکور رہی، بلکہ انہوں نے جو کچھ لکھا بڑی عجلت سے لکھا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اس مختصر سی کتاب کو بھی غور سے پڑھنے کی زحمت نہیں گوارہ کی، اگر وہ غور سے پڑھ لیتے تو ان کی بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جاتیں اور مجھے دوبارہ ان کی طرف توجہ کرنے کی زحمت نہ کرنا پڑتی، ایک بات کا افسوس اور بھی ہے کہ اس کتاب پر تبصرہ لکھتے وقت ڈاکٹر صاحب موصوف کو چند اور چیزوں پر نظر رکھنے کی ضرورت تھی۔''

---

[1] معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۷ء نمبر ۳ جلد ۷۷

زیرنظر مضمون میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب کے تبصرے کو اردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا گیا ہے تا کہ ناظرین کو فیصلہ کرنے اور کسی خاص نتیجے پر پہنچنے میں آسانی ہو۔ ترجمہ کے بعد اس پر نذیر احمد صاحب نے مزید تبصرہ کیا ہے۔ یہ مضمون مارچ اور اپریل ۱۹۵۳ء کے دو شماروں میں مکمل ہوا ہے۔

(5) The Lahjat-e- Sikander Shahi, A uniqe book on Indian Music of the Time of Sikander Lodi (1489-1517A.D)[1]

"Sikander Lodi was the Most illustrious of all the rulers of the Lodi dynasty. Upon the death of his father Bahlol. in A.H 894 A.D 1489, he was crowned king and ofter a secessfull distinction. He was a telented monarch and in Personal Attainments few rulers could compare with him"

زیرنظر مضمون میں سکندر لودھی کے دور میں تصنیف کی گئی موسیقی کی کتاب لہجاتِ سکندر شاہی پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے سکندر لودھی کو موسیقی سے خاص رغبت تھی۔ اس لئے یہ کتاب سائیجی الکابلی نے فارسی میں تصنیف کر کے بادشاہ کے نام معنوں کر دی۔ مذکورہ کتاب سات باب اور باب کو مزید فصل میں بانٹ دیا گیا ہے۔ نذیر احمد صاحب نے مضمون میں اس کتاب پر تفصیل سے لکھا ہے اور آخر میں کتاب کے Preface اور نسخوں پر بھی اطلاعات بہم پہنچائی ہے۔

(۶) گلزار ابراہیم و خوان خلیل [۲]

سہ نثر ظہوری کو اپنے مخصوص و منفرد طرز کی وجہ سے جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ فارسی کی صرف چند کتابوں کے حصہ میں آئی ہے لیکن غیر معمولی شہرت کے باوجود اس کی تاریخی حیثیت بڑی حد تک مشکوک و مجہول ہے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ یہ تین چھوٹے چھوٹے نثر کے رسالے ہیں جن کا دیباچے وغیرہ سے کسی قسم کا لگاؤ نہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سہ نثر کتاب نورس کے تین دیباچوں کا مجموعہ ہے لیکن یہ خیال بہت بعد کی پیداوار ہے، اردو ادب کے مرتب بظاہر سب سے پہلے اس غلط فہمی کے شکار ہوئے۔ نذیر احمد

1. Islamic Culture,Hyderabad, April July 1954 Vol.28

۲ معارف، اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۵۲ء، جلد ۶۹، شمارہ ۳

صاحب مولفین کے ایک تیسرے گروہ سے متفق ہوئے ہیں جس کا ماننا تھا کہ سہ نثر ظہوری تین دیباچوں کے مجموعے ہیں پہلی نثر کتاب نورس کا دیباچہ ہے، دوسری گلزار ابراہیم کا اور تیسری خوان خلیل کا، کتاب نورس کا مصنف ابراہیم عادل شاہ ثانی ہے اور گلزار ابراہیم اور خوان خلیل ظہوری اور ملک قمی کی دو مشترکہ تصنیف ہیں جن کی حیثیت دو بیاضوں کی ہے۔

زیر نظر مضمون میں گلزار ابراہیم اور خوان خلیل کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے تا کہ سہ نثر کی تاریخی حیثیت صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکے۔

(۷) اردوشہ پارے پر ایک نظر [۱]

''اردوشہ پارے'' ڈاکٹر زورؔ کی مشہور تصنیف ہے۔ زیر نظر مضمون اس کتاب کی جلد اوّل طبع ۱۹۳۰ء پر ہے۔ جس میں ابراہیم عادل اور محمد عادل کے ادبی کارناموں کے سلسلے میں چند فروگذاشتیں پائی جاتی ہیں۔ اس مقالے میں ان کے ازالے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۸) غالب اور ظہوری [۲]

ظہوریؔ ابراہیم عادل شاہ دوم کا درباری شاعر تھا اس نے ہندوستان میں شاعری کے علاوہ نثر نگاری میں بھی مہارت حاصل کی اور بحیثیت نثر نگار زیادہ مقبول رہا، اس کی شاعری کی شہرت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ غالبؔ ظہوری کے کلام کی قدر کرتا تھا اور اپنے کلام میں اس کی تعریف کی ہے۔ مذکور مضمون میں غالبؔ کی شاعری پر ظہوریؔ کا کتنا اثر تھا مثالوں سے واضح کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ ظہوریؔ نے حقیقی معنوں میں مرزا کے ادب وانشا پر سب سے گہرا اثر ڈالا ہے۔ مرزا کو اس سے بے حد عقیدت تھی اور وہ اس کو اپنا حقیقی استاد اور رہبر تسلیم کرتے تھے۔

ویسے تو پروفیسر نذیر احمد نے مختلف موضوعات پر بہت ساری کتابوں کے متن تیار کئے اور سیکڑوں مضامین شائع کئے، مگر فنِ موسیقی پر کتاب نورس کو ایک اعلیٰ مقام حاصل ہوا، فن موسیقی پر لکھے گئے مضامین بھی

---

[۱] معارف، اعظم گڑھ، مئی اور جون، ۱۹۵۲، جلد ۶۹، شمارہ ۶۔۵

[۲] اردو ادب، علی گڑھ، جولائی تا دسمبر ۱۹۵۲ء، جلد ۳، شمارہ ۴۔۳

کافی سود مند ہیں، اس کے علاوہ خطاطی اور مصوری پر بھی بہت سے مضامین لکھ کر شائع کرائے جو مختلف رسالوں میں بکھرے پڑے ہیں، مجھے جو مضامین دست یاب ہوئے ان کی تفصیل دے دی ہے۔ یہ مضامین بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں اور اپنے آپ میں وسعی مواد سمیٹے ہوئے ہیں، جن کا مطالعہ کرنے سے کافی معلومات حاصل ہوسکتی ہے۔

☆☆☆

حصّه (ج)

تذکره نویسی در هند

حصّہ (ج)

تذکرہ نویسی در ہند

''تذکرہ نویسی'' پروفیسر نذیر احمد صاحب کے دلچسپی کے موضوعات میں سے ایک خاص موضوع رہا ہے۔ ''فارسی تذکرہ نویسی کی نقل سے اردو تذکرہ نویسی نے ابتدائی منزلیں طے کیں۔''[۱] تذکرہ بہ حیثیت نوع ادب ایک پیچیدہ اور نازک صنف ہے۔ اس کی مشکلات اور پر پیچ ذمہ داریاں اس قدر زیادہ ہیں کہ اس میں کامیابی حاصل کرنا صرف اعلیٰ درجے کے تذکرہ نگاروں کا کام ہے اور عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔

درحقیقت تذکرہ اپنی ساخت کے اعتبار سے ایک مرکب نوع تصنیف ہے۔ وہ اجزاء جن پر ایک تذکرہ عموماً مشتمل ہوتا ہے تین ہیں۔ قدیم زمانے میں تذکروں کو عموماً اصلاح ذوق اور تنقید کلام کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ کچھ تذکرے ایسے بھی تھے جن کا مقصد سارے بڑے بڑے شعراء کے حالات زندگی اور ان کا منتخبہ کلام پیش کرنا تھا۔ بعض تذکرہ نویس تذکرے کو ''لٹریری ہسٹری'' بنا کر اس کو تاریخ کے مرتبے پر پہنچانا چاہتے تھے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ تینوں گروہ اپنے اپنے جداگانہ مقاصد کے باوجود ڈھنگ تذکرہ نویسی کا ہی قائم رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ جدید اصطلاحات کی رو سے ان کے تذکروں میں بیاگرافیکل ڈکشنری (قاموس) لٹریری ہسٹری (تاریخ ادب) اور لٹریری کرٹسزم (تنقید ادب) کے عناصر سہ گانہ یک جا مجتمع ہو جاتے تھے۔ یہ فرق کہ کون سا تذکرہ کس خاص مقصد سے لکھا گیا ہے صرف کتاب کے عام میلانات سے ہی ظاہر ہو سکتا ہے۔ ورنہ مندرجہ بالا تینوں حیثیات اس طرح لاینفک طور پر باہم ملی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان پر الگ الگ تنقید ناممکن ہو جاتی ہے۔

تذکرہ نویسی کی اس خصوصیت کو عیب کہئے یا خوبی یہ اپنے اپنے معیار اور اصول کی بات ہے لیکن معترضوں کے بہت سے اعتراضات کی اصل بنا یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے رجحان طبع کے مطابق تذکرے پر نظر ڈالتا ہے۔

---

[۱] شعرائے اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، مصنف ڈاکٹر سید عبداللہ، یونین پرنٹنگ پریس دہلی، ص ۹

کوئی اس کو جامع اور مفصل دیکھنا چاہتا ہے کوئی اس میں عمدہ اور بہ کثرت انتخاب کا متلاشی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس میں لٹریری ہسٹری کے انداز پر ادوار کی تاریخیت موجود ہونا چاہئے کسی کا یہ ارشاد ہے کہ سیرت کی دقیق باریکیاں دکھلا کہ ہر تصویر کو ہو بہو اور مکمل بنانا چاہئے۔ کوئی یہ خواہش کرتا ہے کہ کاش تذکروں میں تنقید ہوتی۔ غرض ہر فرد تذکروں میں اپنے اپنے میلان کی جستجو کرتا ہے اور اس کے علاوہ باقی پہلوؤں کو عموماً نظر انداز کر دیتا ہے۔'' واقعہ یہ ہے کہ تذکرۃ الشعرا کو سب سے پہلے ''سیرت'' ہونا چاہئے اور پھر لٹریری ہسٹری اسی طرح اس کا خالصتہً کتاب النقد ہو جانا بھی درست نہیں۔ تذکرہ فن سیرت کی ایک شاخ ہے۔ دنیا میں ''ہیرو'' لاکھوں کروڑوں میں سے صرف چند آدمی ہو سکتے ہیں۔ مگر انسانی تہذیب کی ترقی اور تعمیر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں افراد حصہ لیتے ہیں وہ سب اس بات کا استحقاق رکھتے ہیں کہ دنیا ان کے نام اور کام سے تفصیل نہ سہی بالا جمال ہی روشناس ہو۔ بیاگرافیکل ڈکشنری اسی ضرورت جزئیات کا انتخاب اس کے لوازم میں سے ہے اس کی ترتیب اتنی آسان اور عملی قسم کی ہونی چاہئے کہ متلاشی بغیر کسی دقت کے مطلوب تک پہنچ جائے اس بنا پر اس کے لیے ''تہجی ترتیب'' سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔

پروفیسر نذیر احمد نے تذکرہ علمائے بلخ کا ترجمہ اردو میں کیا ہے جس کا مؤلف شیخ الاسلام صفی الدین ابوبکر عبداللہ بن عمر بن داؤد واعظ بلخی ہے۔ اس نے یہ تذکرہ عربی میں تالیف کیا لیکن اس اصل عربی متن کا کوئی نسخہ اب موجود نہیں۔ البتہ اس کا فارسی ترجمہ محفوظ رہ گیا ہے، اس کے مترجم عبداللہ محمد بن حسین بلخی نے بلخ کے حکمران ابوبکر عبداللہ کے ایما پر ۶۷۶ھ میں بلخ ہی میں اس کو فارسی کا جامعہ پہنایا۔ فضایل بلخ کا اردو میں ترجمہ اور تلخیص کرنے کا سبب نذیر صاحب کتاب کے مقدمہ میں یوں بیان کرتے ہیں۔

''فضایل بلخ کے متعارف کرنے کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں راقم حروف حکیم سنائی غزنوی کے سمینار منعقد کابل ۱۷/اکتوبر تا ۲۳/اکتوبر) میں شرکت کی غرض سے کابل گیا۔ سمینار کے خاتمے پر میری خواہش بلخ کی سیاحت کی ہوئی چنانچہ سمینار کے ارباب حل وعقد نے میرے سفر کا انتظام کر دیا۔ ہم ۲۴/اکتوبر کو ایک کار سے وزارت کلتور کے ایک رکن کے ہمراہ روانہ ہوئے، دوپہر کے بعد برف باری ہوئی موسم سخت ہو گیا ظہر کے بعد ہم لوگ مزار شریف پہنچے، موسم سخت ہونے کی وجہ سے ہم اس وقت بلخ نہ جا سکے حالانکہ وہاں سے تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت باقی تھی اور وہاں شام کو جاتے بھی تو واپس مزار شریف ہی

آتے اس لئے کہ ٹھہرنے کی سہولت تو مزار شریف ہی میں ہے۔ رات مزار شریف میں گزاری صبح مزار شریف کے اخبار کے نمایندہ کے ساتھ ہم لوگ بلخ روانہ ہوئے اور ۸ بجے وہاں پہنچ گئے۔ شہر بالکل اجڑ چکا ہے وہ آباد شہر جس میں صفی الدین واعظ بلخی مؤلف فضایل بلخ کے زمانے میں ۱۸۴۸ مساجد، ۴۰۰ بڑے کالج، ۹ سو بڑے مدرسے، پندرہ سو مفتی ہوں آج ایک جھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے اور جس کی پرانی یادگاروں میں صرف تین چیزیں باقی ہیں مزار عکاشہ جو شہر سے تقریباً سات کلومیٹر مشرق میں ہے، مسجد نہ گنبد جو چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کی یادگار ہے گنبد خواجہ پارسا جو ۸۶۷ ہجری میں تعمیر ہوا، قلعہ جو شہر کے مشرق میں تھا کھنڈر کی شکل میں دکھائی دیتا ہے بہر حال افغانستان سے واپسی پر بلخ کی خرابی کا دل پہ اثر باقی رہا اسی دوران کتاب ''فضائل بلخ'' مطالعے میں آئی، پہلے اس پر ایک مضمون لکھنے کا خیال ہوا بعد میں رائے بدل گئی اور پوری کتاب کی تلخیص زیادہ سودمند نظر آئی، چنانچہ چند روز کی کوشش سے یہ کام پورا ہو گیا اور اس طرح قارئین کرام کی خدمت میں اسلامی تاریخ کے چند عبرت ناک صفحے پیش کرنے کا موقع ملا۔

جیسا کہ معلوم ہے ''فضائل بلخ'' کا اصل عربی نسخہ مفقود ہے، فارسی ترجمہ موجود ہے، مترجم نے لکھا ہے کہ بلخ کی عام زبان فارسی دری تھی، فارسی ترجمے کی اصل غایت اس سے استفادہ کرنے والوں کے حلقہ کے بڑھانے کی تھی۔ ہندوستان میں آج فارسی زبان کی کتاب سے استفادہ کرنے والے کہاں؟ اردو زبان ہی فضائل بلخ کے پیغام کو عوام تک پہنچانے کا وسیلہ ہے۔''[۱]

اس طرح نذیر احمد صاحب نے فضائل بلخ کی تلخیص میں چند چیزوں کا لحاظ رکھا ہے اوّل یہ کہ صاحب ترجمہ عبداللہ محمد بن حسین بلخی کی زندگی سے متعلق کوئی واقعہ رہ نہ جائے البتہ حکایتوں وغیرہ سے اکثر صرف نظر کیا گیا ہے، دوم صاحب ترجمہ کی روایت کردہ کئی احادیث ہیں ان میں سے محض ان کو لیا گیا جو زیادہ مشہور ہیں، سوم یہ کہ جن احادیث کا ترجمہ دے دیا گیا ہے ان میں اگر کہیں عربی یا فارسی کے اقوال درج ہوئے ہیں تو وہ بھی اردو میں منتقل کر دیئے گئے ہیں۔ چہارم حوشی میں حسب ذیل امور کی توضیح کی گئی ہے۔

(۱) جن شخصیات کا متن میں ذکر آیا ہے ان کے بارے میں مختصر یادداشت حاشیہ میں درج کر دی گئی ہے۔

(۲) صاحب ترجمہ کی زندگی کے اکثر منابع درج کر دئے گئے ہیں تا کہ اگر کوئی ان پر کام کرنا چاہے تو

---

[۱] تذکرہ علمائے بلخ، مترجم، پروفیسر نذیر احمد، اردو ترقی بورڈ، نئی دہلی، ستمبر ۱۹۸۹ء، ص ۹۔۱۰

وہ آسانی سے کام شروع کرسکتا ہے۔

(۳) روایات حدیث کے بارے میں مختصر مگر ضروری معلومات درج کردی گئی ہیں۔

(۴) احادیث کے منابع کا ذکر کردیا گیا ہے تاکہ علمی کام کرنے والے روایت کے اختلاف کو آسانی سے ملاحظہ کرسکیں۔

(۵) تاریخی اور جغرافیائی امور کی بھی ایک حد تک نشاندہی کردی گئی ہے۔ان سے مطالعے میں دلچسپی پیدا ہوگئی اور مطالعہ کرنے والوں کے ذوق انتقادی کو تسکین حاصل ہوگئی۔

(۶) جن کتابوں کا ذکر متن میں آیا ہے ان کے بارے میں مختصر اطلاعات درج کردی گئی ہیں۔

(۷) متن میں ذکر کی گئی کتابوں پر جو یادداشتیں ہیں ان سے اندازہ ہوگا کہ اسلامی علوم پر کام کرنا کس قدر مشکل امر ہے۔

(۸) شخصیات پر جو یادداشتیں ہیں ان سے معلوم ہوسکے گا کہ اسلامی علوم کے ایسے خادم گزرے جو تاریخ انسانیت کے لیے وجہ افتخار ہیں۔

(۹) اسلامی علوم وتاریخ سے متعلق سیکڑوں واقعات کو اختصاراً یکجا کردیا گیا ہے تاکہ اوسط درجے کے آدمی کو آسانی سے استفادہ کا موقع مل سکے۔

فضائل بلخ ایک مقدمہ (مفتح الکتاب) تین فصل، فصل اوّل ''فضائل بلخ''، فصل دوم ''شمائل بلخ'' اور فصل سوم تذکرۂ علماے بلخ پر مشتمل ہے۔

اس طرح نذیر احمد صاحب کی دن رات کی محنت سے تذکرہ علماء بلخ ترجمہ ہوکر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان نئی دہلی سے پہلا اڈیشن ۱۹۸۹ء میں اور دوسرا ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔

پروفیسر نذیر احمد کو اردو فارسی شعراء کے تذکروں سے دلچسپی رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کئی نادر ونایاب تذکروں پر مضامین لکھ کر شائع کروائے جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) فارسی کے چار نایاب تذکرے[۱]:

پروفیسر نذیر احمد نے اس مضمون میں مندرجہ ذیل چار نایاب تذکروں کو روشناس کرایا ہے۔

(۱) نظم گزیدہ مولفہ ناظم تبریزی (۲) سفینہ بیخبر (۳) شام غریبان مولفہ شفیق (۴) مردم دیدہ حاکم لاہوری۔ مضمون کے اعاز مین نذیر صاحب لکھتے ہیں:

''اورینٹل کالج میگزین کے فروری ۱۹۲۷ء کے شمارے میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب نے فارسی ادب کی تاریخ کے سلسلے سے تذکروں کی ایک طویل فہرست سے روشناس کرایا تھا، جس پر پروفیسر محمد شفیع نے ایک بڑی تعداد کا اضافہ کیا تھا آخر میں پروفیسر مذکور نے گیارہ ایسے تذکروں کا ذکر کیا تھا جن کا نام تو ملتا ہے مگر کسی نسخے کا علم نہ تھا، ان گیارہ مجہول تذکروں میں سے ایک یعنی تذکرۂ بے نظیر مؤلف عبدالوہاب بعد میں الہ آباد یونیوسٹی سے شائع ہوگیا، انہی میں سے چار تذکروں کو اس مضمون میں روشناس کرایا جارہا ہے۔''

(۱) نظم گزیدہ: اس کے مؤلف کا نام خواجہ محمد صادق ناظم تبریزی اور وطن تبریز تھا۔ وطن سے نکل کر استر آباد اور وہاں کچھ دن سکونت اختیار کی، پھر عباس آباد اصفہان میں مستقلاً سکونت پذیر ہوگیا۔

ناظم نے اس تذکرے پر بڑا وقت اور توجہ صرف کی تھی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عباس کے دربار میں اس کی رسائی تھی اور اسی کے حکم سے اس نے اس تذکرہ کی داغ بیل ڈالی تھی، مگر شاہ عباس کی زندگی میں تمام نہ ہوسکا مرنے کے بعد مکمل ہوا۔

ناظم کا یہ تذکرہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی لٹن لائبریری میں محفوظ ہے مگر یہ مخطوطہ پورے تذکرہ کا جزو دوم ہے، دراصل اس تذکرہ میں مصنف نے ابتدائے شاعری سے اپنے زمانہ تک تمام شاعروں کے حالات درج کئے تھے۔ اس کے دو جزو تھے اول شعرائے متقدمین پر مشتمل تھا اور جزو دوم شعرائے متاخرین و معاصرین پر مشتمل تھا۔

اس تذکرہ میں ۲۲۸ شاعروں کے حالات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہیں۔

(۲) سفینہ بیخبر: اس کا مؤلف میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی ہے۔ سفینہ بیخبر شعراء کا بہت مختصر تبصرہ ہے اور اس کا ایک نسخہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اس میں کاتب کا نام اور سنہ کتابت تو درج نہیں ہے لیکن

---

[۱] معارف، اعظم گڑھ، جنوری تا جون ۱۹۵۷ء جلد ۱۰ شمارہ ۱

اسی نسخے کے ساتھ بیخبر ہی کی ایک سات صفحوں کی نثر بعنوان بحرِ طویل شامل ہے جس پر کاتب کا نام اور سنہ کتابت درج ہے۔ تذکرہ کے پہلے شاعر خود مؤلف کے والد میر سید لطف اللہ اور آخری شاعر یکتا ہے۔

(۳) شام غریباں: دکن کے مشہور مصنف لچھمی نراین شفیق کی یادگار ہے۔ شفیق ۱۱۵۷ھ میں پیدا ہوا ابتدا میں فارسی عربی کی تعلیم پائی، کم عمری سے شعر گوئی کا شوق ہو گیا، علاّمہ آزاد بلگرامی کی صحبت و تعلیم نے اس پر جلا کی اس کی کتابوں میں شام غریباں کے علاوہ گل رعنا ہندوستان کے فارسی شاعروں کا تذکرہ ''چمنستان شعراء'' اردو شاعروں کا تذکرہ (بزبان فارسی) تصویر جانان اور معراج نامہ وغیرہ مثنویاں موجود ہیں ۱۲۱۵ھ کے بعد وفات پائی۔

یہ تذکرہ ان فارسی گو شاعروں کے حالات پر مشتمل ہے جو ایران سے ہندوستان آئے، اگر چہ بہت مختصر ہے مگر بڑے کام کا ہے اور اس تذکرے میں ۱۱۵ شاعروں کے حالات بالترتیب ہیں۔

(۴) مردم دید: اس کا مؤلف عبدالحکیم حاکم لاہوری ہے، وہ شاد مان خان اوزبک کا لڑکا تھا محمد شاہ کے عہد میں اس کو حاکم بیگ کا خطاب ملا تھا خود مؤلف نے اپنے تذکرہ میں جو تفصیل بیان کی ہے کہ اسے شاعروں کے دواوین کے مطالعے سے بڑی دلچسپی تھی چنانچہ دوران مطالعہ میں پچاس ہزار اشعار کا ایک انتخاب (انتخاب حاکم) کے نام سے کر ڈالا بعد میں خیال ہوا کہ اس میں شعراء کے حالات شامل کر کے ایک تذکرہ بنالیا جائے مگر اس کی صورت نہ نکل سکی ۱۱۷۱ھ میں حاکم اپنے مرشد کی ملاقات کے لئے رائے بریلی آیا اور پھر وطن واپس چلا گیا۔ وہاں چھ ماہ قیام کرنے کے بعد کشمیر گیا وہیں حج کا خیال پیدا ہوا چنانچہ کچھ دنوں کے قیام کے بعد حج کے لیے روانہ ہو گیا۔ ۱۱۷۵ھ میں واپس آیا ''قبول خدا می شود حج ما'' سے تاریخ نکلتی ہے، اسی دیباچہ میں ایک خاصی طویل مثنوی ہے جس میں سفر کے حالات کی تفصیل ہے ۱۱۷۵ھ میں اورنگ آباد آیا اور تکیہ محمود شاہ میں جانے کا اتفاق ہوا یہاں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے ملاقات ہوئی اور خان آرزو کے تذکرہ مجمع النفائس کو دیکھنے کا موقع ملا اس وقت پرانی آرزو تازہ ہو گئی اور تذکرہ مردم دیدہ لکھا۔

اس تذکرہ کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے کتاب خانے میں موجود ہے اور ایک نسخہ حبیب گنج کے کتاب خانہ میں بھی موجود ہے۔

(۲) معمار تاج کے خاندان کے ایک رکن امادالدین ریاضی کا تذکرہ باغستان[1]

اس مضمون میں امام الدین کے تذکرہ باغستان پر تفصیل سے لکھا ہے آپ نے اس مضمون میں اماد الدین کے حالات اور دیگر کارناموں کے بعد تذکرہ باغستان کے بارے میں لکھا ہے کہ تذکرے کا پہلا حصہ جو ۳۳۸ صفحے کا اور اس میں پانچ باغ (Chapters) تھے، غایب ہیں، جو مکمل سوانح نگاری کا کام تھا اور اس کا دوسرا حصہ جو ۴۹۶ صفحے پر ہے اور اس کے سات باغ (Chapters) ہیں وہ موجود ہے۔ مضمون میں تذکرے کے سات باغ (Chapters) پر تفصیل سے لکھا ہے اور اس کی اہمیت اور خامیاں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مخطوطہ کے وسائل بھی بیان کر دیئے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"The Baghestan:-

It is an exhaustive biographical work. The first part of which comprising 338 folios, and consisting of five Baghs (Chapters) is missing. The second part comprising 496 folios and seven of whch is given below"

The Important of the Tadhkira Baghistan:- The book is a great value in respect of the following points

(1) Such Tadhkiras as Contain biographical notices of poets, Sufis, Divines, Astronomers, Astrologers, Interpreters of dreams etc are rare in Persian

(2) It supplies usefull material for the cultural history of the times of Shahjahan and Aurangzab.

The defeilts of the Baghistani:-

(1) The scholers have not been dealt with strictly in chronlogical order.

The Ms of the Baghistan:-

(1) The MS copy of this Book which was Purchased for the Lucknow University (Tagore) library"

مضمون کے آخر میں مصنف کے کردار، تعلقات اور وفات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

---

[1] اسلامک، کلچر حیدرآباد، ۵۷۔۱۹۵۶ء شمارہ ۳۱۔۳۰۔

(۳) تذکرہ لباب الباب، تالیف محمد عوفی کا ایک اہم مخطوطہ [۱]

اس مضمون میں پروفیسر نذیر احمد تذکرہ لباب الباب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''لباب الالباب'' فارسی شعرا کا قدیم ترین تذکرہ ہے اور بعض وجہ سے اہم ترین بھی ہے۔ اسکی اہمیت کے پیش نظر مشہور مستشرق۔ ای۔ جی براؤن نے اس کی دوسری جلد ''متون تاریخی فارسی'' ۱۹۰۳ء میں بڑے اہتمام سے شائع کی اور پہلی جلد مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کی شرکت میں اس کے تین سال بعد لندن سے ہی شائع ہوئی، مگر تذکرہ مذکور کے نسخوں کی قلت اور زیر استعمال نسخوں کے نقائص کے بنا پر مطبوعہ نسخے میں کافی جگہیں خالی پڑی رہ گئی ہیں، پروفیسر براؤن کو بڑی تلاش کے بعد لباب الالباب کے صرف دو نسخوں کا پتہ چل سکا، ان ہی دو نسخوں کی مدد سے انہوں نے اپنا متن تیار کیا۔''

پروفیسر نذیر احمد نے اس مضمون میں تذکرہ لباب الالباب کے مؤلف اور اس کی سنِ تالیف کا ذکر کیا ہے اور پھر ڈاکٹر براؤن نے جن نسخوں کی مدد سے اپنا متن تیار کیا تھا، اس کی تفصیل تحریر فرماتے ہوئے ان نسخوں کے مآخذ کا ذکر کیا ہے۔ یہ مضمون تذکرہ لباب الالباب کے بارے میں معلومات کے لیے کافی سودمند ہے۔ یہ مضمون فارسی میں قند پارسی جلد دوم تہران میں بھی شائع ہوا ہے۔ مضمون کا ترجمہ ڈاکٹر حسن عباس نے کیا ہے۔

(۴) تذکرہ حلاصۃ الاشعار اور عرفی ونظیری کے مختلف دور کی زندگی اور کلام پر ایک نظر [۲]

اس مضمون میں نذیر احمد صاحب نے تذکرۂ حلاصۃ الاشعار کے بارے میں چند سطور تحریر فرمائی ہیں، ساتھ میں نظیری اور اس کے دیوان میں شامل غزلیات، ترکیب بند، رباعیات اور دیوان کے نسخوں سے مکمل بحث کی ہے۔ اس مضمون میں نظیری کے دیوان سے چند غزلیں بطور نمونہ پیش کی ہیں جو کسی نسخے میں موجود ہیں اور کسی میں غایب۔

(۵) خلاصۃ الاشعار مؤلف تقی الدین محمد کاشی [۳]

خلاصۃ الاشعار وزبدۃ الافکار کا مؤلف میر تقی الدین محمد ابران کے مشہور شہر کاشان میں ۹۴۶ھ کے قریب پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام شرف الدین علی حسینی تھا۔ ذکری تخلص کرتا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کو زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

---

۱ معارف، اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۵۵ء، جلد ۷۶ شمارہ ۳

۲ معارف، اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۶۰ء جلد ۸۶ شمارہ ۲۔۳

۳ معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۵۲ء جلد ۷۱ شمارہ ۶

زیر نظر مضمون میں پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں۔

''خلاصۃ الاشعار فارسی شعرا کا عام تذکرہ ہے جس میں ابتداء مؤلف کے زمانے تک کے ۶۶۴ فارسی شعراء کے حالات مع انتخاب کلام درج ہیں، ان کے علاوہ ایک طویل فہرست بطور ضمیمہ ان معاصر شعرا کی ہے جنہوں نے کتاب کی تکمیل کے وقت اپنے کلام کا نمونہ بھیجا تھا، بانکی پور کے مخطوطہ میں ان تمام شعرا کے علاوہ ۲۵۰ دوسرے شعرا کے کلام کا نمونہ بھی ہے۔ تذکرہ مذکورہ چند اعتبار سے فارسی تذکروں میں سب سے اہم ہے۔''

اس طرح نذیر احمد صاحب نے اس مضمون میں تذکرے کی اہمیت میں دس دلائل پیش کر دی ہیں، اخر میں مقدمہ کتاب کے بارے میں چند مفید سطور تحریر فرمائی ہیں۔

(۶) تذکرہ خلاصۃ اشعار وزبدۃ الافکار، مولف تقی الدین محمد کاشی کے چند مخطوطے ایران کے کتاب خانوں میں[1]

خلاصۃ الاشعار فارسی شعراء کا نہایت اہم تذکرہ ہے، جس کے مؤلف تقی الدین محمد نے اول ۹۷۹ھ میں اس کی داغ بیل ڈالی اور ۶ سال کی محنت شاقہ کے بعد ۹۸۵ھ میں اس کی پانچ جلدیں مکمل کیں، مؤلف نے اس کے بعد بھی اپنا کام جاری رکھا اور ۸ سال بعد ۹۹۳ھ میں ایک حاتمے کا اضافہ کیا، جس میں معاصرین کے حالات جغرافیائی ترتیب سے درج کیے۔

پروفیسر نذیر احمد نے اس مضمون میں تذکرہ خلاصۃ الاشعار کی تفصیل دینے کے ساتھ ساتھ اس کے اجزایہ پر روشنی ڈالی ہے۔ مضمون کے آخر میں اس تذکرہ کے پانچ رکن کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس تذکرہ کی اہمیت کے پیش نظر معارف ہی کے شمارہ نومبر ۱۹۵۲ء میں مقالہ لکھا اس تین سال کے عرصے میں اس کے متعلق کچھ اور مفید معلومات جمع ہوگئیں اور کچھ نئے مخطوطات کا پتہ چلا، اکتوبر ۱۹۵۵ء میں ایران جانا ہوا وہاں بھی اس تذکرے کے کچھ خطی نسخوں کا سراغ مل گیا۔ اس لیے ان کے متعلق چند سطور اس مضمون میں لکھ دی ہیں۔''

---

[1] معارف، اعظم گڑھ، جون ۱۹۵۶ء

(۷) تذکرہ میخانہ کا ایک اہم مخطوطہ [۱]

زیر نظر مضمون میں نذیر احمد صاحب نے تذکرہ میخانہ کے ایک نامکمل نسخے کا ذکر کیا ہے جو آپ کو تہران میں کتاب خانہ ملی ملک میں ملا تھا۔ مضمون میں پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

''تذکرہ میخانہ فارسی کے بہترین تذکروں میں سے ہے، اس کا مؤلف مرزا عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی ہے جس نے ۱۰۲۸ ہجری میں جہانگیر کے عہد سلطنت میں پٹنہ میں اسے مکمل کیا اور جس کو پروفیسر شفیع نے نہایت اہتمام سے ایک مقدمہ، حواشی اور تتمہ حواشی کے ساتھ ۱۹۲۶ ہجری میں شائع کر دیا ہے اس تذکرہ کے مخطوطے کمیاب ہیں۔ یورپ کے کتاب خانوں کی فہرست میں اس کا ذکر نہیں ملتا صرف میونک کی فہرست (ص ۳۷) میں دیوان عرفی کے ایک نسخہ میں ''احوال عرفی شیرازی از میخانہ عشاق عبدالنبی'' نقل ہوا ہے۔ پروفیسر محمد شفیع صاحب نے ہندوستان میں سے اس کے دو نسخے حاصل کیے، اور انہیں کی مدد سے مطبوعہ نسخہ کا متن تیار کیا۔ ان میں سے ایک خود ان کا ذاتی نسخہ ہے، دوسرا رام پور کے کتابخانے (رضا لائبریری) میں محفوظ ہے۔ یہ دونوں نسخے بہت قدیم ہیں اور مصنف کی زندگی میں ہی ان کی کتابت ہوئی، ممکن ہے کہ مؤلف کی نظر سے بھی گزر چکے ہوں، مولانا شبلی مرحوم نے شعر العجم میں اس سے مدد لی ہے۔ چونکہ شعر العجم میں منقول عبارتیں دونوں موجودہ نسخوں سے مختلف ہیں اس سے پروفیسر شفیع کا قیاس ہے کہ اس کا ایک اور نسخہ ہندوستان میں موجود ہوگا۔ خوش قسمتی سے اس تذکرہ کا ایک نامکمل نسخہ تہران میں کتاب خانہ ملی ملک میں میری نظر سے گزرا۔''

اس طرح مضمون میں نسخوں کے تعارف کرانے کے بعد کچھ شعرا کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ یہ مضمون اورینٹل کالج میگزین کے نومبر ۱۹۵۶ء اور مئی ۱۹۵۷ء کے شماروں میں جاری رہا اور مئی ۱۹۵۷ء کے شمارے میں علی گڑھ کے نسخے کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس طویل مضمون کے آخر میں تذکرہ میخانہ کے نسخوں میں کچھ غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

---

[۱] اورینٹل کالج میگزین، پاکستان، نومبر ۱۹۵۶ء، ج ۳۳، ش ۱، ۲، ۳

(۹) قدیمی ترین نسخہ مصباح الھدایہ، تالیف عزّ الدین محمد کاشانی [۱]

زیرنظر مضمون میں نذیر احمد صاحب نے تذکرہ مصباح الھدایہ کے قدیم ترین نسخے کا تعارف کرایا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

"قدیمی ترین نسخهٔ خطی از مصباح الهدایه در کتابخانهٔ در گاه یسیر محمد در احمد آباد استان گجرات ، نگهداری می شود بنده همین نسخه رازیلاً معرفی می کنم: در فهرست خطی کتابخانه در مجموعه ای دو کتاب ذیل شماره ۱۴۵۸۰ دیده می شودجمع ۲۷۸ برگ،هرصفحه ۱۵ سطوردارد ، خط نستعلیق قدیم مائل به نسخ روشن و خوانا،برگ اول اضافه بعد ،اماسرورق موجود است۔"

اس کے بعد مضمون میں ابتدااور خاتمہ پر گفتگو کی گئی ہے اور آخر میں نسخہ کا عکس بھی پیش کیا ہے۔

(۱۰) عہد جہانگیری کا ایک اہم مصنف وشاعر یعنی تقی اوحدی اصفہانی صاحب عرفات العاشقین [۲]

مذکورہ مضمون میں پروفیسر نذیر احمد لکھتے ہیں:

"تقی اوحدی دسویں اور گیارہویں صدی کا ایک اہم مصنف ہے جس نے فارسی نظم ونثر میں اپنے کمال کی بہت سی یادگار چھوڑیں،مگر بدقسمتی سے اس کی ساری تصنیفات دستبرد زمانے کی نذر ہوگئیں،صرف ایک تذکرہ عرفات العاشقین باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی اس حد تک نادر ونایاب ہے کہ اس کے صرف ایک نسخہ کا اب تک پتہ چل سکا ہے،مگر یہ تذکرہ اتنا اہم ہے کہ اسے فارسی ادب میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے اور محض اسی کتاب کی بدولت تقی کا نام مدتوں روشن رہیگا ، اس تذکرہ کی اہمیت کے پیش نظر مصنف کے حالات وواقعات کو یکجا کردیا گیا ہے۔"

زیرنظر مضمون تقی اوحدی کے نسب وخاندان ، وطن ،والد، پیدائش،ابتدائی تعلیم وتربیت ،سفر، قیام شیراز وا صفہان وغیرہ ،سفر ہند،حرکت از اصفہان وشیراز ءقیام لاہور وآگرہ وگجرات ، وفات ،معاصرین سے تعلقات کے

---

[۱] قند پارسی ، دہلی نو ،شمارہ ۱۰ زمستان ۱۳۷۴ھ۔ش

[۲] معارف،اعظم گڑھ،جنوری اور فروری ۱۹۵۶ء جلد ۷۷ شمارہ ۱۔۲

موضوعات سے بحث کی گئی ہے، معاصرین میں آقا تقی معزالدین محمد، عرفی شیرازی، سحر کاشانی، محتشم کاشی، معیث محوی وغیرہ کے تعلقات کے بارے میں لکھا ہے یہ مضمون فروری ۱۹۵۶ء کے شمارے میں جاری رہا، اس شمارے میں تقی اوحدی کی تصنیفات یعنی مثنویات اور سرمۂ سلیمانی اور عرفات العاشقین کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مذکورہ مضمون میں عرفات العاشقین کی سنِ تالیف، اس کی اہمیت اور نسخوں کے بارے میں اطلاعات بہم پہنچائی ہے مضمون کے آخر میں تقی اوحدی کے اشعار کے نمونے بھی پیش کر دیئے ہیں۔

مضمون میں نذیر احمد صاحب مزید لکھتے ہیں:

''تقی اوحدی بڑا پر گو شاعر اور زبردست مصنف تھا۔ جس نے تیس ہزار کے قریب اشعار لکھے، اور متعدد نثری تصنیفات یادگار چھوڑیں جن میں سے بیشتر کا نام تک مٹ چکا ہے، خوش قسمتی سے کعبۂ عرفات میں مصنف نے اپنی تصنیفات کی مکمل فہرست دیدی تھی، جس کو مؤلف گلدستہ نے بعینہٖ نقل کر دیا ہے۔''

یہ مضمون انگریزی میں اسلامک کلچر جون، ۱۹۵۸ء کے شمارے میں بھی شائع ہوا ہے۔

پروفیسر نذیر احمد نے فارسی تذکروں پر مفید کام کیا ہے۔ آپ نے تذکرہ علمائے بلخ کتاب جس محنت ومشقت سے تیار کی ہے وہ کسی عام محقق کے بس کی بات نہیں ہے، مزید جتنے مضامین تحریر فرمائے کافی اہمیت کے حامل ہیں، ان تمام مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل دینے کی اشد ضرورت ہے تا کہ یہ قیمتی مواد محفوظ رہے اور علم کے شایقین کو استفادہ کا موقعہ مل سکے۔

باب چہارم

پروفیسر نذیر احمد، بحیثیت حافظ شناس

باب چہارم

پروفیسر نذیر احمد بحیثیت حافظ شناس

پروفیسر نذیر احمد ایک وسیع النظر دانشور، ایک باشعور ادیب، ایک بالغ نظر نقاد، ایک منفرد محقق اور ایک معروف ایران شناس کا نام ہے۔ کثرتِ مطالعہ اور فکر وشعور کی تربیت نے انہیں اس انداز کا مالک بنادیا کہ فکر وفن کی پرکھ یا تمیز ان کی ذات کا حصّہ بن گئیں۔ اسی کا کرشمہ ہے کہ فکر وفن کے سمندر سے گوہر نایاب نکال لانا کچھ انہیں کا حصہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ان کی فکر واگہی کی شہرت برصغیر کی حدود سے نکل کر دنیا کے مختلف گوشوں تک پہنچ چکی ہے۔ مشرق ومغرب یکساں طور پر ان کے وجدان وعرفان سے فیض یاب ہورہے ہیں۔ کئی زبانوں پر مکمل دسترس کے باعث کئی کتابوں کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کر چکے ہیں آپ بے شمار تحقیقی، علمی وادبی مقالے فارسی، انگریزی اور اردو میں قلم بند کر چکے ہیں جو دقت نظری اور وسعت مطالعہ کے آئینہ دار ہیں۔ متعدد کتابیں بھی آپ نے تصنیف وتالیف کی ہیں ان کی تالیفات محققانہ تلاش وجستجو اور حسن تدوین کا نادر نمونہ ہیں۔ دیوان حافظ کا ایک قدیم ترین نسخہ جو ۸۲۴ھ کو کتابت کیا گیا تھا، کی دریافت ایک ایسا کارنامہ ہے، جس نے شہرت کے دربار میں آپ کی جگہ مخصوص کردی، اس نسخے کو گورکھپور سے حاصل کر کے آپ نے نہایت محنت وعرق ریزی سے تصحیح کی اور پھر ڈاکٹر جلالی نائنی کے اشتراک سے ایران سے شائع کیا۔ یہ نسخہ اُس وقت تک کے موجودہ تمام نسخوں سے مکمل اور معتبر قرار پایا، فارسی دنیا پر آپ کا یہ احسان عظیم ہے جس کا اعتراف ایرانیوں نے بھی فراخ دلی سے کیا ہے اور آپ کو حافظ شناس اور ایران شناس جیسے خطابات سے نوازا ہے۔

''۱۹۸۸ء کو یونسکو نے سالِ حافظ قرار دیا تھا۔ نذیر احمد صاحب نے حافظ کے قدیم ترین مخطوطات

کشف کیے اوران کو مرتب کر کے شائع کرایا، ان کے اس کام کی اہمیت وعظمت کا اعتراف کرتے ہوئے خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو (ہند) نے آپ کو حافظ شناس کا خطاب عطا کیا اور یہ تحریر پیش کی۔

سمینار بزرگداشت حافظ شیرازی

بنام خدا

استادار جمند

جناب پرفسور نذیر احمد

بپاس خدمات از زندۂ جناب عالی بزبان فارسی وخصوصاً تحقیقات ممتد در زمینہ حافظ وحافظ شناسی این لوح یادبود تقدیم حضور میگردد۔

سید محمد حسن شاہنگیان

رایزن فرہنگی

Seminar on HAFIZ -E- SHIRAZI

Dec 25 to 27 1988"[1]

پروفیسر نذیر احمد کو حافظ شناس کا خطاب ملنے پر ان کے احباب نے اظہار خیال اس طرح کیا ہے۔

پروفیسر امیر حسن عابدی:

''نذیر احمد صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ دیوان حافظ کے اس قلمی نسخے کی تلاش ہے جو مع مقدمے کے قدیم ترین نسخہ کہا جائے گا۔ اس کی بازیافت میں انہوں نے جتنی زحمتیں اٹھائیں ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ تہران میں یہ نسخہ تیرھویں مرتبہ چھپ چکا اور بے حد مقبول ہوا ہے۔''[۲]

پروفیسر محمد حسن:

''دیوان حافظ کا ایک نادر ونایاب مخطوطہ انہوں نے گورکھپور کے کسی گمنام سے کتب خانے سے حاصل کیا اور یہ نسخہ ایسا نایاب اور اہم تھا کہ ایران میں بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور وہاں سے شائع کیا گیا۔''[۳]

---

۱ کارنامہ نذیر، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون ص ۴۶

۲ ایضاً ص ۵۵

۳ ایضاً ص ۶۰

انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا میں پروفیسر نذیر احمد کے مرتب کئے ہوئے نسخوں کے بارے میں لکھا ہے:

"Nazir Ahmed as a critical edition of the Ghazaliyat Hafiz, New Delhi 1989, Nazir Ahmad: Diwan -i- Hafiz New delhi1988b; Nazir Ahmad as Gazalita-e-Hefez der Asas-e-Majmu -aya-Latayef-o-Safina-ya-Zarayaf New Delhi 1991

Nazir Ahmed, Nazari der Diwan-e-hafez cap-e Doktor Kanlari, Iran.name 7, 1367/1988-89 PP126-41

The ghazals wer published by Nazir Ahmed 1988a. With facsile reproduction of the relevent folios Ahmed's conclusion on the eviden of this manuscript and another an thology from the same Period (Probably that made for exkandar soltan see below) In which ghazals are in to recensions, alphabetical and non alphabital (allthough the original recension was probably non alphabetical PP5-6) clearly rests on the assumption of the sigle "Original" on which later copyists draw and Ignores the possibility of multipls sources of alphabatical or non alphabitical ordering bring a matter of choice.

477 page 2 Para: Diwen of Hafaz 357 Ghazal and 13 qataat arranged Alphabitically Nazir Ahmed who Published the Ghazal 1988b)"[1]

پروفیسر نذیر احمد نے حافظ پر جتنا کام کیا ہے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ نے دیوانِ حافظ کے قدیمترین نسخوں کو دریافت کر کے مرتب کیا اور ان پر مضامین قلم بند کئے۔ آپ کے مرتب کردہ نسخوں اور ان پر لکھے گئے مضامین کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) دیوان حافظ (فارسی) براساس نسخہ ۸۲۴ھ، انتشارات آستان قدس، تہران ۱۹۷۱ء

دیوان حافظ کا یہ نسخہ ۸۲۴ کا کتابت کیا ہوا ہے اس نسخہ کی دو خصوصیات نہایت اہم ہیں۔

(۱) اس میں ایک دیباچہ شامل ہے جو کسی بھی قدیم نسخے میں موجود نہیں ہے اور دیوان حافظ مرتبہ قزوینی میں شامل مقدمے سے مقابلے پر معلوم ہوا کہ آخر الذکر میں کافی الحاق ہے۔

(۲) اس میں غزلوں کی تعداد صرف ۴۳۵ ہے، اس کے باوجود اس کی بعض غزلیں اور قطعے نسخۂ قزوینی میں نہیں بلکہ ان حصوں میں موجود ہیں جن کو قزوینی نے الحاق قرار دے کر دیوان سے خارج کر دیا ہے، اس نسخے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قزوینی کی الحاق غزلوں میں بعض اصیل غزلیں بھی شامل ہیں۔

1. Encyclopaedia Iranica, Volume XI, GIONI HAREMI, Ed by EHSAN YARSHATER Page No 478/483

پروفیسر نذیر احمد نے ۸۲۴ھ کے نسخہ کو دریافت کر کے ایڈیٹ کیا اور اس میں ایک مفید مقدمہ تحریر فرمایا مقدمہ میں آپ نے دیوانِ حافظ کے بارے میں لکھا ہے۔

"دیوان خواجه حافظ شیرازی که اینک دردسترس صاحبدلان و سخن شناسان دانشمند قرار می گیرد بر اساس قدیمی ترین ، اصیل ترین و شاید صحیح ترین نسخه ایست که تاکنون بدست آمده است۔

ازسال ۱۷۹۱ میلادی که نخستین باردیوان حافظ۔ غزلسرای بزرگ سدهٔ هشتم هجری۔ در کلکته چاپ شد تاکنون یکصدو هشتاد سال می گذردو از آن پس تابه امروز ازروی نسخه های حطی وچاپی دهها بار دیوان حافظ درکشور های : ایران، هند ، مصر ، ترکیه ، وغیر آنها بچاپ رسیده است اما هنوزیک متن انتقادی کامل از دیوان خوجهٔ شیرازانتشار نیا فته وتحقیقات ادیبان ایرانی و حافظ شناسان خارجی درین زمینه ناتمام مانده است"[۱]

پھر مقدمہ میں مذید لکھتے ہیں۔

دراین مقدمه نامی از محمد گل اندام۔ که در برخی از نسخ جدید، جامع دیوان حافظ شناخته شده است ۔دیده نمیشود۔

محتوای دیوان حافظ شامل ۴۳۵ غزل ، ۱۸ قطعه و ۲۶ رباعی است، اماهیچ قصیده، ترکیب بندو ساقی نامه ای رادر برندارد بدین سان از لحاظ محتوا از اکثر نسخه های بعدی کمترست،لیکن برخی از غزلها وادبیات درین نسخه یافته می شود که در نسخهٔ قزوینی موجود نیست ۔از ویژگی های این نسخه۔ که در هیچیک از نسخ دیگر دیده نمی شود آنست که غزل معروف: "حال دل باتو گفتنم هوس است" باردیف "چه خوش است" ضبط شده ومحتمل است که در ابتدا ردیف اصلی غزل

---

[۱] دیوان حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، تہران ۱۹۷۱ء، ص مقدمہ

چنین بوده است۔

نکتهٔ جالب دیگر به تاریخ وفات حافظ ارتباط می یابد که درمتن مقدمه ۷۹۱ هجری نوشته شده ولی درقطعهٔ تاریخ وفات وی، سال ۷۹۲ اشعار گردیده است تصور این که جامع دیوان حافظ یا کاتب درین خصوص اشتباه کرده است، باتوجه به نزدیکی وی به زمان حافظ بعید می نماید۔ دورنیست که شاعر بزرگ مادر اخرین روز ذی الحجهٔ سال ۷۹۱ هجری قمری چشم از جهان فروسبته و در نخستین روز محرم سال ۷۹۲ هجری در دل خاک مصلی آشیان گرفته باشد۔"[۱]

یہ نسخہ غزلیات، قطعات، رباعیات اور مفردات پر مشتمل ہے۔ اس نسخے کے آخر میں تاریخِ تحریر موجود ہے جو خلخالی کے قدیم ترین نسخے سے تین سال قدیم ہے۔ اس نسخے کی بازیافت سے فارسی ادب میں گرانقدر اضافہ ہوا۔ یہ نسخہ نہ صرف اپنی قدامت بلکہ اس میں شامل مقدمے کی بنیاد پر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

(۲) غزلیات حافظ (براساس نسخہ مورخ ۸۱۳ھ.ق) سلار جنگ میوزیم، حیدآباد، مرکز تحقیقاتِ فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی ۱۳۰۹ھ۔

یہ مختصر نسخہ ۴۷ غزلیات پر مشتمل ہے اور اس کی کتابت ۸۱۳ ہجری میں ہوئی ہے۔ اس طرح یہ نسخہ بھی کافی قدیم ہے۔ یہ نسخہ پروفیسر نذیر احمد نے سلار جنگ میوزیم حیدر آباد سے حاصل کیا اور تصحیح کر کے مرکز تحقیقات فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو سے ۳۰ / اکتوبر ۱۹۸۸ء کو شائع کرایا، یہ نسخہ کافی اہمیت کا حامل ہے اور علم و ادب کے شایقین کے لئے سودمند بھی، اس تصحیح کیے ہوئے دیوان میں پروفیسر موصوف نے مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں نسخہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"درموزهٔ سالار جنگ حیدر آباد (هند) مجموعه ایست بشمارهٔ، نظم فارسی ۳۶/ ۲۲۸۹ (فهرست مخطوطات فارسی ج ۶ ص ۳۷۔۳۹) شامل ۴۷ غزل حافظ۔ این مجموعه در مّحرم ۸۱۳ه رونویس شده، بنابرین این رابا ید یکی از منابع

---

[۱] دیوانِ حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، تہران ۱۹۷۱ء ص مقدمہ

بسیار قدیم راجع باشعار حافظ قرار دادو بهمین علت عکس این غزلها همراه متن انتقادی آنها درین رساله چاپ می شود۔ ناگفته نماند که درتصحیح متن غزلهای حافظ این مجموعه تاکنون بکار برده نشده۔"[۱]

مزید مقدمہ میں اس نسخہ کی چند خصوصیات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

(۱) درین نسخه تفریق میان دال وزال که دران دوره در ایران معمول بوده، برقرار داشته نشده، اما کلمهٔ خدا بصورت "خذا" درج شده۔ بظن غالب این نسخه دریکی از خطه ها رونویس شده باشد که آنجا تفریق میان دال وزال در نظرنمی داشتند، مثلاًدر ماورا النهر یا بعض جایهای خراسان که بنا بگفتهٔ سمش قیس رازی در المعجم فی معاییر اشعار العجم ،درین منطقه ها این تفریق نه کر ده اند۔ درهند وستان نیز ذال معجمه اکثر بکار برده نمی شد۔

(۲) در جمع بستن کلمات غیر ذوی العقول مختوم بهای غیر ملفوظ پس از خذف ها علامت جمع (ها) افزوده شده ، واین صورت دران دوره ها خیلی متداول بوده، مانند مژدها (مژده ها)،میوهای بهشتی(میوه های بهشتی) ۔"[۲]

۳۔ چ۔گ بصورت ج۔ک نوشته شده؛ اماپ،و، ژ بهمین صورت نگاشته شده

نسخے میں شامل ۴۷ غزلیات کی اہمیت کے بارے میں پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

اهمیت ۴۷ غزل که شامل مجموعه مؤرخ ۸۱۳ھ باشد، از جهاتی چند است، مثلاً

(۱) چنانکه معلوم است این غزلها ترتیب تهجّی ندارد، ازین واضح می شود که نسخهٔ دیوان که از آن این غزلها انتخاب شده ترتیب الفبائی ندا شته ودر همین

---

[۱] غزلیاتِ حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی ۱۹۸۸ء ص ۱

[۲] ایضاً ص ۳

دوره مجموعهٔ دیگری تهیه شده که غزلهایش بترتیب تهجی نقل شد، بنابرین واضح است که دیوان حافظ بدو نوع ترتیب یافته، یکی بترتیب الفبائی و دیگری بدون این ترتیب۔ این هم ممکن است که ترتیب اول الفبائی نبوده وبعد ازان نسخه ای تدوین شده که ترتیب تهجی داشته؛ باید علاوه نمود که فقط غزلیات همین مجموعه ترتیب الفبای نداشته بلکه مجموعهٔ لطائف و سفینهٔ ظرائف از سیف جام هروی که در اواخر قرن هشتم تادهٔ اول قرن نهم تالیف شده وشامل ۱۲۷ غزل از خافظست که آنها نیز ترتیب الفبائی ندارد۔ خلاصه اینکه این غزلها وغزلهای شامل مجموعهٔ لطایف درتصحیح وتدوین دیوان انتقادی حافظ سهم فراوان می دارد، واین اطلاع برای محققان دیوان حافظ موجب خوشحالی وشادمانی خواهد گردید۔

۲ اگرچه همهٔ غزلیات در نسخهٔ قزوینی شاملست، امابعضی ابیات شامل این نسخه را علامه قزوینی الحاقی قرار داده۔[۱]

اس طرح پروفیسر نذیر احمد نے قزوینی کے الحاقی قرار دئے گئے کلام کی تصحیح کی اور ترتیب وتنظیم کر کے شایع کرایا اس دیوان میں پروفیسر موصوف نے انگریزی میں بھی دیباچہ لکھا ہے جس میں نسخہ میں الحاقی قرار دیے گئے کلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"All the forty seven Ghazals, though available in the popular Diwan compiled by Mirza Muhammad Qazwani, contain a few scattered verses not included in the above collection and even some other compilations. One example will suffice for the present, Mirza Muhammad Qazwini has deleted the following line on the ground that it is available only in the later mss. and totally absent from the earlier ones.

---

[۱] غزلیاتِ حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء ص ۵

آنکه چون غنچه لبش راز حقیقت ننهفت

ورق خاطر ازین نکته محشّامی کرد

All these ghazals are available in a Mss. dated 813 A.H one of the two or three earliest sources of Hafiz's Ghazals, they have been collected and critically edited here for the first time. In order that the scholars of Hafiz may be able to utilize them meaningfully. The photographic printing of the ghazals is also appended here."[1]

نذیر احمد صاحب کے تصحیح کئے ہوئے نسخہ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں اصل نسخہ کا عکس بھی موجود ہے۔

(۳) دیوان حافظ (براساس نسخۂ مورخ ۸۱۸ ہجری) کتاب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن (ہند) دہلی نو ۱۹۸۸ء

یہ نسخہ ۸۱۸ ہجری میں کتابت کیا گیا ہے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اس نسخہ کو کتاب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن سے حاصل کیا اور تصحیح کر کے مرکز تحقیقات زبان فارسی خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو سے ۱۹۸۸ء میں شائع کرایا۔ اس نسخہ میں غزلیات کے علاوہ قطعات اور رباعیات بھی شامل ہیں۔ نسخہ قزوینی کے الحاقی قرار دیئے گئے کلام میں سے بعض کو شامل کیا ہے۔ اس نسخہ میں فارسی مقدمہ اور انگریزی مقدمہ تحریر کیا ہے فارسی مقدمہ میں اس نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"در کتابخانۂ آصفیه حیدر آباد دکن (هند) که اکنون بنام حکومت آندهراپردیش کتابخانه مخطوطات شرقی وادارۂ تحقیقات، عابد، حیدر آباد شهرت دارد، نسخه ای قدیمی از دیوان حافظ نگهداری می شود که درسال ۸۱۸ه رونو یس شده بود، بعبارت اخری این نسخه یکی ازدو سه قدیمترین نسخۂ باشد که در کتابخانه های جهان موجود ند۔"[۲]

---

[۱] غزلیاتِ حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی ۱۹۸۸ء، ص مقدمہ

[۲] دیوانِ حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی ۱۹۸۸ء، ص ۱

اس نسخہ کی تصحیح وترتیب کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

" تصحیح و ترتیب نسخهٔ دیوان حافظ (نسخهٔ اصفیه) بنابر وجوه زیر بعمل آمده:

اوّل اینکه تا این موقع ازین نسخه که از بعض جهاتی یکی از مهمترین نسخ دیوان می باشد، مورداستفاده کاملی نشده حال آنکه تقریباً بیست وهشت سال پیش بنده این نسخه را معرّفی نموده بودم۔

دوم اینکه معلوم می شود که دیوان خواجه که باهتمام محمد قزوینی ودکتر قاسم غنی چاپ شده وبشماریکی از معتبر ترین نسخ می باشد، از اعتبارساقطست زیراکه چندین منظومات واشعار متفرق اصیل خواجه را از ان خارج نموده اندو نیز این امرواضح میشود که بنای الحاقی قراردادن منظومات که شامل نسخهٔ خلخالی نیست از صواب دور است۔

سوم اینکه نسخهٔ انتقادی دیوان حاضر باید در دسترس دانشمندان باشد ودرتصحیح وترتیب وتحیه دیوان کاملی از خواجه مورد استفاده قرار یابد۔

نسخهٔ آصفیه شاید درمیان نسخ قدیمی ازین لحاظ خیلی مورد توجّه باشد که هیچ ورق افتادگی نداردو ترتیب اوراق هم بجامانده؛ خط ریز است وروشن وخوانا ،وسراسر نسخه ازیک کاتب، یک قلم، ویک جوهراست۔

چهارم اینکه واضح میشود که فقط قدامت نسخه نباید موردمناط قرار بیاید زیرا که نسخهٔ آصفیه باوجود اینکه بسیار قدیم است از غلط های فاحش کتابت عاری نیست وبطور عموم از نسخهٔ شخصی بنده که در سال ۱۰۵۵ هجری یعنی تقریباً دوونیم قرن بعد رونویس شده بهتر نیست بلکه نسبت به نسخهٔ اخیر اشتباهات بیشتر می دارد۔

پنجم یکی از خصایص و دستنویس اینست که در اغلب مقطع هااز نام ممدوح صرف نظر شده، وازین می توان حدس زد که دردیوان این شاعر وقتاً فوقتاً حک واصلاح شده اما معلوم نیست که این تجّدید نظر خود از طرف شاعر بوده یااز طرف کاتب یا شخصی دیگر۔

ش شم نسخه آصفیه فقط دارای ۳۵۷ غزل است، یعنی از لحاظ عدۂ غزلیات از نسخه قزوینی ونسخۂ گورکهپور کوتاه تراست؛ همچنین از لحاظ عدۂ ابیات غزلها نیز از هردو نسخۂ فوق تفاوت دارد۔ ازین دو امرواضح می شود که تعین غزلیات وابیات هر غزل در تصحیح کلام حافظ یکی از دشوار ترین کار تحقیقی است۔"[۱]

یہ دیوان غزلیات، قطعات، رباعیات اور مفردات پر مشتمل ہے اس دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عربی اشعار اور آیات قرآنی کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

(۴) غزلہای حافظ (مجموعۂ لطایف وسفینہ ظرایف از سیف جام ہروی ہمعصر حافظ) خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو ۱۹۹۱ء

دوسو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۹۱ء میں خانہ فرہنگ اسلامی جمہوری ایران، دہلی نو کی طرف سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں پروفیسر موصوف نے مجموعۂ لطایف وسفینۂ ظرایف (نسخہ لندن) میں درج حافظ کے ایک قصیدے اور ۱۲۶ غزلیات کی تدوین کرنے کے علاوہ حاشیے میں دیوانِ حافظ کی چند معتبر اشاعتوں، مثلاً قزوینی، گورکھپور، افشار کی مدد سے اختلافِ متن بھی بیان کیا ہے۔ حافظ کا یہ کلام مرتب کرتے وقت کابل یونیورسٹی کے دانش کدہ ادبیات فیکلٹی آف آرٹس میں موجود مجموعۂ لطایف وسفینہ ظرایف کے نسخے سے بھی استفادہ کیا گیا۔ کیونکہ نسخۂ کابل کے شروع کے صفحات درست حالت میں ہیں، لہٰذا مرتّب کو پہلی بار اس کی مدد سے کتاب اور مصنف کے اصل نام کا سراغ ملا اور اسی کے داخلی شواہد کی بنیاد پر ہی درست سالِ تألیف کا تعین ممکن ہوا۔ ان کے مطابق مؤلف نے ۷۶۲۔۷۶۳ھ/ ۱۳۶۱۔۱۳۶۲ء میں اس کام کا آغاز کیا اور

---

[۱] دیوانِ حافظ، مرتّبہ، پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء، ص ی، ک، ل، م

۸۰۴ھ/۱۴۰۱-۱۴۰۲ء تک اس پر کام کرتیار رہا۔ بلکہ اس کے بعد بھی اس پر نظر ثانی اور اضافات کیے ہیں۔

یہ مجموعہ فیروز شاہ تغلق کے زمانے سے ۸۰۲ھ کے کچھ عرصہ بعد تک تیار ہوتا رہا اس میں حافظ کی ایسی غزلیں موجود ہیں جو کسی بھی قدیم نسخہ میں نہیں ہیں۔ غزلیں حروف تہجی کے اعتبار سے مدون نہیں ہوئی ہیں۔ ترتیب وقرات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ غزلیں کسی قدیم اور معتبر نسخے سے نقل ہوئیں جو پہلی روایت کی نمایندہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس کتاب کے آغاز میں نذیر صاحب فرماتے ہیں۔

"غزلها ی حافظ که در اینجا چاپ میشود از مجموعه ای چیده شده که بنام مجموعهٔ لطایف و سفینهٔ ظرائیف ترتیب داده شده بود، جامع این نسخه دانشمندی بود بنام سیف جام هروی که این مجموعه رادر هندوستان درمدّت زیاد تهیه نموده، این اطلاع خود ازین مجموعه بدست میآید، بظاهر چنان معلوم میشود که مرتب نسخه ترتیب نسخه خود را در دوره سلطان فیروز شاه تغلق سومین سلطان خانواده تغلقان هند که از ۷۵۲ تا ۷۹۰ حکمرانی نموده۔"[1]

مزید مجموعہ کی تفصیلات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"از تفصیلات بالا واضحست که سلطان سکندر که در مجموعهٔ لطائف مذکور است غیراز سلطان سکندر پادشاه بنگاله که بافیروزشاه تغلق گاهی خصومت وگاهی صلح می نمود شخصی دیگر نه بود بنا بر این شکی نیست که سیف جام هروی کار ترتیب مجموعهٔ لطایف درعهد فیروز شاه تغلق پس از سال ۷۶۰ که بر لکهنوتی حمله نموده بود، شروع نموده نکته دیگری که درتعین تاریخ شروع نمودن ترتیب مجموعه لطائیف کمکی میدهداینست که درین مجموعه ذکری از مهم تهته شده وچون این مهم پس از فتح لکهنوتی متعقباً مذکور است وخود از کتب تاریخ برمیاید که فیروز شاه تغلق پس از سال ۷۶۲ برپادشاه تهته که به لقب

---

[1] غزلہائے حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۱

جام شهرت داشت حمله نموده"[۱]

مزید لکھتے ہیں۔

"سلطان مبارک شاه باوجود دعائے درازی حکومت وزندگانی او از سیف جام هروی پس ازیک سال و چند ماهه فرمانروائی در سال ۸۵۴ ه رحلت نمود۔

بنابر این واضحست که سیف جام هروی بدون تردید تاسال ۸۵۴هجری در ترتیب وتنظیم کتاب خود مشغول بود وبظن قوی بعد ازین تاریخ نیز در کتاب تجدید نظر واضافه کرده است، خلاصه اینکه مجموعهٔ لطایف درمیان مدت زیاد بپایان رسیده واین مدت چندی بعد ازسال ۸۶۲_۸۶۳ شروع شده وتا ۸۰۴ه ادامه داشته وبعد از این تاریخ تجدید نظر نیز شده باشد۔

بنابر این میتوان گفت که این مجموعه یکی از قدیمترین مآخذ برای اشعار حافظ میباشد باید چند امور دربارهٔ این مجموعهٔ لطایف علاوه نمود، در فهرست مخطوطات فارسی موزه برطانیه نام این مجموع دستور الشعرا قرار داده شده ودانشمند ومحقق هندوستان پرفسور محمود شیرانی نیز که بیشتراز همه این مجموعه راموردمطالعه خود قراردا ده این مجموعه رااقلاً دو باردستور الشعرا گفته۔"[۲]

(۵) دیوان حافظ ایاصوفیا ترکی کے نسخہ پر منحصر، تہران، ایران ۱۳۷۰ھ.ش

یہ مختصر نسخہ صرف ۳۸ ورق پر مشتمل ہے۔ اس کی کتابت ۸۱۲ھ اور ۸۱۷ ہجری کے درمیان ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ نسخہ گورکھپور سے قدیم ہے۔ یہ نسخہ اسکندر مرزا پسر عمر شیخ مرزا کے دور میں لکھا گیا تھا۔ اس کے بعض مخطوطات دیوان مرتبہ قزوینی سے خارج ہیں۔ اس سے مزید اس قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ قزوینی کے الحاقی قرار دئے گئے کلام میں بعض اصیل کلام بھی شامل ہے۔ اب دیوان حافظ مرتبہ پروفیسر نذیر احمد کے دیوان میں غزلوں کی تعداد ۴۳۵ سے بڑھ کر ۴۸۱ ہوگئی ہے۔

---

[۱] غزلہائے حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۷

[۲] ایضاً ص ۱۱

پروفیسر نذیر احمد نے متعدد رسالوں میں دیوانِ حافظ سے متعلق مضامین لکھ کر شائع کرائے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) چند نکتہ در بارۂ اشعار الحاقی در دیوان حافظ [۱]

پروفیسر نذیر احمد نے اس مضمون میں میرزا محمد قزوینی اور خلخالی کے تصحیح کیے گیے دیوانِ حافظ میں الحاقی قرار دیئے گیے اشعار کے متعلق لکھا ہے اس مقالہ میں نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

"علامه میرزا محمدقزوینی مدتی در جستجوی نسخه ای قدیمی و معتبر ازدیوان حافظ بود وسرانجام نسخهٔ معروف به نسخهٔ خلخالی رایافت که در سال ۸۲۷ هجری یعنی تقریباً سی وپنج سال پس از وفات حافظ استنساخ شده بود۔ وی آن را قدیم ترین نسخهٔ موجود از دیوانِ حافظ شمرد وبر پایهٔ ان یک چاپ انتقادی از دیوان حافظ انتشار داد ودر مقدّمهٔ آن نوشت که این نسخهٔ خطی راکه در سنه ۸۲۷ هجری کتابت شده، عجالةً تا نسخه ای قدیم تر از آن به دست نیامده، باید قدیم ترین نسخ موجوده تاریخ دار دیوان حافظ دردنیا محسوب داشت۔ لهندا من خود را ملتزم ومقید کردم که در خصوص کمیت اشعار حافظ، یعنی از لحاظ عدّهٔ غزلیات وعدّهٔ ابیات هر غزل ، فقط وفقط همان نسخه رااساس کار خود قرار دهم وهرچه رادرآن نسخه موجود است۔ ازغزلیات ومقطعات ومثنویات ورباعیات، به طور کامل وبدون هیچ زیاده ونقصان چاپ کنم و هرچه درآن نسخه موجود نیست، خواه غزلیات مستقل و خواه ابیات متفرقهٔ بعضی غزلها یا غیر زلک، انهارا مطلقاً کا لعدم انگاشته وبه کلّی ازآن صرف نظر نمایم؛ زیر اکه این نسخه خطّی،نسخه ای کامل است وانتخابی از اشعار حافظ نیست، پس هرچه

---

[۱] قند پارسی، دہلی نو، دسمبر تا مارچ ۲۰۰۴ء شمارہ ۱۶

دراین نسخه نیست به احتمال بسیار قوی بلکه تقریباً به نحو قطع ویقین الحاقی واشعار دیگر ان است که بعد هادر دیوان خواجه داخل کرده اند۔"

اس طرح زیرنظر مضمون میں پروفیسر نذیر احمد نے مرزا قزوینی اور خلخالی کے مرتب کئے گئے دیوان اور دیگر نسخوں سے تفصیلی بحث کی ہے اور ساتھ میں وہ اشعار بھی دیئے ہیں جو نسخہ قزوینی اور خلخالی میں الحاقی قرار دیئے گئے ہیں۔

(۲) ذکر نسخۂ خطّی دیوان حافظ مکتوبہ ۸۲۴ھ[۱]

پروفیسر نذیر احمد نے اس مضمون میں نسخہ ۸۲۴ھ کے متعلق لکھا ہے جس کو آپ نے ایڈیٹ بھی کیا ہے۔ مضمون میں لکھتے ہیں:

"دیوان حافظ باتصحیح وتحقیق ومقدمهٔ دکتر جلالی نائینی ودکتر نورانی وصال اخیراً در سال ۱۳۷۲ شمسی براساس نسخه های ۸۳۱، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۴، ۸۲۷ چاپ شده است ۔در مقدمهٔ این دیوان ذیل معرفی نسخ ومنابع از نسخهٔ دیوان حافظ متعلّق به خانوادهٔ سبز پوش گور کهپور چنین یاد شده است:

این نسخه متعلّق به کتابخانه خانوادهٔ هاشمی سبز پوش در شهر گورکهپور هند است۔ نسخهٔ مذکور درماه ذی الحجّه سنه ۸۲۴ هجری کتابت شده و دارای مقدمهٔ جامع دیوان است؛ ولی دست کم یک صفحه از اوّل مقدّمهٔ جامع دیوان حافظ ساقطست، این نسخه نیز بخشی ازیک مجموعه است که متن آن به دیوان شیخ اجل سعدی شیرازی اختصاص دارد ودر حاشیه منظومه جمشید وخورشید سلمان ساوجی ودیوان حافظ ودیوان جلال عضد ومنتخب دیوان کمال خجندی تحریر شده است، دیوان حافظ در حاشیه ورق ۴۵، ۱۴۰ به نگارش در آمده است،

---

[۱] قندے پارسی، نئی دہلی، شمارہ ۱۴، دسمبر ۲۰۰۰ تا مارچ ۲۰۰۱

این مجموعه به خط نستعلیق و به شیوهٔ خاص قرن نهم است..... کاتب نسخه دردو جانام خود را ذکر کرده است، نحستین در ورق ۱۴۰ درپایان دیوان خواجه و دیگر درپایان مجموعه و آخر انتخاب دیوان کمال خجندی۔"

اس طرح مذکورہ مضمون میں نسخہ ۸۲۴ سے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے اور اس کو حاصل کرنے کے بارے میں چند سطور تحریر فرمائی ہیں۔ مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں:

"خلاصهٔ کلام این است که اگر اینجانب این قدر کوشش و جستجو نمی کردم دنیای فارسی از این نسخهٔ نفیس محروم می ماند۔ عکس نسخه ای که آقای جلالی نائینی حالا دارند، همان عکس است که بنده به ایشان اهدا نموده بودم و باید عرض شود که دکتر علی اصغر حکمتِ عکس از این نسخه نگرفته بودند۔"

(۳) حافظ شیرازی کے دو قدیم ترین مآخذ[1]

اس مضمون میں نذیر صاحب نے حافظ اور سمنانی کے تعلقات کے متعلق معلومات کے ماخذ یعنی سید اشرف سمنانی کی تصنیف لطائف اشرفی اور مکتوبات اشرفی کے بارے میں تفصیل سے تبصرہ کیا ہے اور حافظ کے متعلق ان دونوں کتابوں کو اہم ترین مآخذ قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"فارسی شاعروں میں حافظ کو جو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی وہ کم شاعروں کے حصے میں آئی ہے۔ عوام اور خواص سب کو اس عظیم شاعر سے یکساں رغبت وعقیدت ہے۔ مگر صدیوں کی ایسی مقبولیت کے باوجود حافظ کے متعلق جو بھی معلومات ہیں وہ سب کی سب محتاج تنقیح ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے معاصرین کی تحریروں میں اس شاعر کے متعلق اطلاعات درج نہیں یا یوں کہئے کہ جن معاصرین نے حافظ کے متعلق لکھا ہوگا ان کی تحریریں ہم تک نہیں پہنچیں۔ ایران میں بھی اب تک اس کے کسی قدیم اور ہم عصر مآخذ کا پتا نہیں چلایا جاسکا ہے صرف حافظ گل اندام کا مقدمہ ہے مگر وہ بھی الحاق سے پاک نہیں اور اسی بنا پر اس پر بھی پوری طرح بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ آج کی صحبت میں اس عظیم شاعر کے

---

[1] فکر ونظر، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۰ء جلد ۱

اہم ترین ماخذ کا تعارف کرایا جائے گا۔

سید اشرف جہانگیر سمنانی (م۔ ۸۰۸ھ) جن کا مزار ضلع فیض آباد کے ایک قریہ کچھوچھ میں ہے آٹھویں صدی ہجری کے ان مقدس بزرگوں میں تھے جن کے فیوض و برکات ہندوستان کے طول وعرض میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سمنان کے شاہی خاندان کے ایک رکن اور عرصے تک سمنان کے سلطان بھی رہ چکے تھے۔ جوانی ہی میں سلطنت سے دستکش ہوگئے اور مرشد کی تلاش میں ہندوستان پہنچے اور پنڈوہ (بنگال) کے قطب حضرت علاء الدین کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ پھر ان کے خلیفہ بھی ہوئے اور روح آباد (کچھوچھ) میں مستقل طور پر قیام فرمایا۔ اس درمیان کئی بار ممالک اسلامی کی سیاحت کی اور حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ اس طویل سیر وسیاحت کے دوران میں جس کی مدت تیس سال سے کم نہیں حضرت اشرف جہانگیر شیراز بھی تشریف لائے اور منجملہ اور بزرگوں کے خواجہ حافظ شیرازی سے بھی ملاقات کی۔ رفتہ رفتہ ان دونوں بزرگوں میں گہری دوستی ہوگئی اور برابر صحبتیں بھی ہوتی رہیں۔ ان صحبتوں میں اکثر تصوف کے رموز واسرار پر گفتگو ہوتی۔ سید اشرف جہانگیر نے اپنی تحریروں میں حافظ کا اکثر وبیشتر ذکر کیا ہے۔ خصوصاً ''لطایف اشرفی'' اور ''مکتوبات اشرفی'' میں اس شاعر کے بارے میں کافی دلچسپ اور اہم مطالب درج ہیں یہی دونوں کتابیں حافظ کے قدیم ترین ماخذ ہیں جن کی بعض ضروری تفصیل پیش کی جاتی ہے۔''

اس طرح اس مضموں میں ان دو ماخذ یعنی ''لطائف اشرفی'' اور ''مکتوباتِ اشرفی'' جو سید اشرف جہانگیر سمنانی کی تصانیف ہیں سے مکمل بحث کی ہے۔ ''لطائف اشرفی' یہ کتاب سید صاحب کے ارشادات وملفوظات کا مجموعہ ہے جس کو ان کے مریدِ خاص شیخ نظام یمنی نے مرتب کیا تھا۔ لطائف اشرفی آٹھویں صدی ہجری کی اسلامی دنیا کے واقعات کے سمجھنے اور جانچنے کے لئے اتنی اہم کتاب ہے کہ اسے مشکل ہی سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سید اشرف جہانگیر خود بڑے درجے کے عالم تھے اور اپنی طویل سیاحت میں بلند پایہ کے عالموں اور بزرگوں سے ملاقاتیں اور عالمی مسائل پر اہم بحثیں کیں۔ پرانے بزرگوں کے حالات معتبر ذرائع سے حاصل کیے اور معاصرین کی ملاقاتوں کی تفصیل درج کردی۔

لطائف اشرفی میں ایک باب تو شعراء ہی سے متعلق ہے جس میں رودکی، سنائی، عطار، سعدی، عراقی، امیر حسینی، اوحدی اصفہانی، خاقانی، نظامی گنجوی، کمال خجندی، امیر خسرو، حسن سجزی اور حافظ

شیراز کا تذکرہ شامل ہے۔

اس مخصوص باب کے علاوہ جگہ جگہ بہت سے شعراء اور ادباء کے ایسے کارناموں کا ذکر ہوا ہے جو کسی اور ذرائع سے مشکل ہی سے حاصل ہو سکتے تھے۔ لطائف اشرفی آٹھویں صدی ہجری کے واقعات پر ہے، یہی حافظ کا دور ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب حافظ کا سب سے قدیم ماخذ قرار پاتی ہے اور لطف یہ ہے کہ اس شاعر کے متعلق جو معلومات درج ہیں وہ خود حضرت سمنانی کے روایت کئے ہوئے ہیں جو عرصے تک حافظ کے ساتھ شیراز میں رہ چکے تھے۔ اس کتاب سے ظاہر ہے حافظ اور سید سمنانی کے درمیان صرف رسمی ملاقات نہ تھی بلکہ وہ بے تکلف دوست تھے۔

لطائف اشرفی کے علاوہ سید سمنانی کے مکتوبات بھی مدون و مرتب ہو چکے تھے۔ ابتدائی خطوط حضرت کے خلیفہ شیخ نظام یمنی مرتب لطائف اشرفی نے ۷۸۷ ہجری میں جمع کیے تھے۔ اس کی تاریخ ''مرقومات'' سے نکلتی ہے اور اخر زندگی کے خطوط حضرت کے دوسرے خلیفہ عبدالرزاق حسنی حسینی نے ۸۶۹ ہجری میں یکجا کیے جس کی تاریخ ''مکتوبات'' سے نکلتی ہے۔ یہ خطوط مشائخ وقت، بزرگانِ دین، اکابر زمان اور سلطان ابراہیم شرکی وغیرہ کے نام لکھے گیے تھے۔ ان میں کوئی بھی خط ایسا نہیں جس میں صوفیانہ و عارفانہ یا کم از کم ادبی نکات کی تشریح نہ کی گئی ہو۔ ان مکاتیب کا طرز استدلال لطائف اشرفی سے بالکل ملتا ہے۔ بعض خطوں میں تشریح طلب اشعار کی وضاحت کی گئی ہے۔

لطائف اشرفی اور مکتوباتِ اشرفی میں حافظ کے متعلق جو کچھ آیا ہے وہ اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔ اور اس سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ بھی درج کر دیئے گیے ہیں۔ یہ مضمون سخنوران ایران ۱۳۵۵ھ کے شمارے میں فارسی زبان میں بھی شائع ہوا ہے۔

(4) A very old source of Hafiz's Ghazals.[1]

اس مضمون میں پروفیسر نذیر احمد نے ڈاکٹر غنی اور مرزا محمد قزوینی کے تصحیح کردہ دیوانِ حافظ کے نسخے پر تبصرہ کیا ہے۔ اور نسخہ خلخالی کو حافظ کی غزلیات کا پرانا ماخذ قرار دیتے ہوئے تفصیل سے بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"Hafiz is a greatest lyric poet of Persian, and his diwan has been edited

1.Indo Iranica Vol18 March 1965.

and published many times. But the stage of finality in respect of his poetical compositions has not yet reached. The Diwan-i-Hafiz Jointly edited by Dr. Q.Ghani and Mirza Muhammad Qazwini in 1320 Solar, though passed for as the most authentic edition is defective in so much as it has excluded a number of genuine ghazals on the Basis that they were not included in the then oldest available copy of Hafiz's Diwan (Copied in 827 A.H Which was subsequently published by A. R Khalkali in 1306 soler)"

(5) Credibility of the Diwan of Hafiz published by the late Mr. Qazwini md by Dr. Khanlari.[1]

زیرِنظر مضمون میں مرزا قزوینی اور ڈاکٹر خانلر کے تصحیح کئے ہوئے دیوانِ حافظ پر تبصرہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"The unusual popularty of Hafiz's Ghazals resulted in the multiplicity of the Mss. of his Dewan to such an extent that very few books in Persian have been copied so many times. However, it is unfortunate that his writings could not be collected during his life time with the result that no authoritative and comprehensive Ms. of his Diwan was available even very shortly after the poet's death it is also sad that the copies of the Diwan prefixed with the original introduction by the earlist compiler differ among themselves in respect of the number of poem their arrangement, the number of verses in each poem and there arrangement and above all the text itself. Since it is obvious that in cases where the Mss. of a Book have been multiplied, Its text gets for from the original, and Since the Diwan of Hafiz has been copied several hundred times. The magnitude of settling the text may be any body's guess. This is why the question af preparing a critical and authentic edition of the Diwan-i-Hafiz has baffled all the scholars who under took the task."

1. Indo Iranica Vol. 40. December 1987.

(۶) دیوان حافظ میں الحاق[1]

اس مضمون میں پروفیسر نذیر احمد نے دیوانِ حافظ سے الحاق قرار دیئے گئے کلام کو پیش کیا ہے اور الحاق کی وجہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علامہ مرزا قزوینی کی لکھی عبارت اور دوسرے چند کاتبوں کی تحریریں بھی بطور نمونے پیش کی ہیں۔ لکھتے ہیں

''یوں تو اگر زیادہ تفحص وتحقیق سے کام لیا جائے تو شاید ہی کوئی شاعر یا ادیب ایسا ملے گا جس کا کلام الحاق سے پاک ہو، لیکن حافظ کے کلام میں جتنا الحاق ہے اس کا حصر واندازتقریباً محال ہے۔''

نذیر احمد صاحب بقول مرزا قزوینی کے دیوان حافظ میں الحاق کی تین صورتیں لکھتے ہیں۔

(۱) خواجہ کے اشعار مرور ایام کے ساتھ محرف ہوگئے، کاتبوں کے لئے حافظ کے زمانے کے بعض کلمے اور اصطلاحیں ناقابل فہم ہوگئی تھیں، جن کو انہوں نے مانوس لفظوں سے تبدیل کروایا۔ حافظ کی شہرت ان کے زمانے میں جس قدر تھی اس سے کہیں زیادہ زمانہ مابعد میں ہوئی اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہ شہرت عالمگیر ہوتی گئی اور عالم وجاہل، عارف وعامی، وضیع وشریف ہر طبقہ میں ان کا کلام حد سے زیادہ مقبول ہوا، اس کے نتیجے میں ان کے دیوان کے ہزاروں نسخے طبع ومشتہر ہوئے اس لئے قدیم زمانے سے لیکر اس وقت تک مستقلاً اس میں طرح طرح کے تصرفات ہوتے رہے۔ شاعر کی زبان اور نساخ کی زبان میں فرق ہونے کی بنا پر کاتبوں نے تغیرات وتبدیلات، اصلاحات وتصحیات سے کام لیا اور صرف کاتبوں اور نساخوں سے یہ عمل میں نہیں آیا بلکہ مطالعہ کرنے والے نے بھی حق مطالعہ ادا کیا، اپنی عقل وفہم کے مطابق جو کلمے اور فقرے ان کی سمجھ میں نہیں آئے ان کو تبدیل کردیا چنانچہ حافظ کے قدیم وجدید نسخوں کے مقابلے سے یہ بات پوری طرح ظاہر ہوجاتی ہے کہ قدیم نسخوں میں جو غیر مفہوم وغیر مانوس کلمے پائے جاتے ہیں۔ وہ جدید نسخوں میں متداول ومفہوم کلموں سے تبدیل ہوگئے ہیں۔ یہ عمل صرف دیوان حافظ تک محدود نہیں بلکہ سارے متون قدیمہ میں ہوا، خصوصاً جو متون جس قدر زیادہ مقبول اور ادبی شاہکار متصور ہوئے ہیں، ان میں بجا وبیجا اسی قدر تصرفات ہوئے ہیں۔

اس طرح نذیر احمد صاحب نے اس مضمون میں حافظ کے دیوان سے وہ کلام بطور مثال پیش کیا ہے جو

---

[1] معارف، اعظم گڑھ، جنوری، فروری اور مارچ ۱۹۵۷ء، جلد ۷۹، شمارہ ۳-۲-۱

حافظ کے کلام سے الحاق قرار دیا گیا ہے۔اس طرح یہ طویل مضمون تین شماروں میں مکمل ہوا، پہلے شمارے میں قصائد، مثنویات، مقطعات، رباعیات، ترکیب بند وغیرہ ہیں دوسرا شمارہ حافظ کے مذہب سے متعلق ہے، تیسرے شمارے میں حافظ اور شاہان ہند کے متعلق لکھ کر مضمون کو مکمل کیا ہے۔

(7)The discovery of an old Ms.of Diwan-i-Hafiz. Its edition and publication.[1]

یہ مضمون نذیر احمد صاحب نے دیوان حافظ کے ۸۲۴ھ کے نسخے کے بارے میں لکھا ہے یہ نسخہ آپ نے گورکھپور سے حاصل کیا تھا۔اس مضمون میں اس نسخے کو حاصل کرنے میں کس قدر دشوریوں کا سامنا کرنا پڑا اور کن لوگوں سے تعلق قائم کرنے کے بعد نسخے کو حاصل کرنے میں کامیابی ملی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔آپ نے اس نسخہ کو حاصل کر کے ایڈٹ کیا، یہ خبر ایران میں پہنچی، کیونکہ یہ اب تک حافظ کے دیوان کے دستیاب شدہ نسخوں میں سب سے قدیم نسخہ تھا، حکومت ایران نے اُس وقت آپ کو یہ فرمائش کی کہ یہ کام ایران کی حکومت کو سونپ دیا جائے۔لیکن اسی دوران ایران سے ڈاکٹر جلالی نائینی ہندوستان اور پھر علی گڑھ آئے نذیر احمد صاحب سے ملاقات کی اور خواہش کی کہ اس دیوان کو میں آپ کے نام سے شائع کردوں گا۔مگر جلالی صاحب نے یہ ظلم کیا کہ اصل مصنف کی جگہ اپنا نام اور معاون مصنف کی صف میں نذیر احمد صاحب کا نام دے دیا۔اس طرح نائینی صاحب نے اپنا نام کتاب کے دائیں طرف اور نذیر احمد صاحب کا بائیں طرف دکھایا تھا۔اس کے بنا پر نائینی صاحب نے حکومت ایران سے انعام بھی حاصل کیا تھا۔

یہ دیوان بہت مقبول عام ہوا اور اس کی کامیابی اور مقبول عام ہونا اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ غالباً تیرہ مرتبہ ایران سے شائع ہوا ہے۔

اس مضمون میں نذیر احمد صاحب نے نسخے کو حاصل کر کے تصحیح کرنے اور جلالی صاحب کے طریقۂ کار کے بارے میں ذکر کیا ہے ساتھ میں دیوان سے کچھ غزلیں بھی نمونے کے طور پر پیش کی ہیں۔

(8) Some problems related to introduction to the Diwan-i-Hafiz.[2]

مذکورہ مضمون میں نذیر احمد صاحب نے حافظ کے دیوان کے چند نسخوں میں مقدمہ کی غلطیوں کی

---

1. Essays on Persian literature, Edt by S.H Qasmi, 2005.

2. Essays on Persian literature, Edt by S.H Qasmi 2005.

نشاندہی کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"Hafiz is the most popular poet of Persian and his polularity is not confined to his native country but has reached that corner of the world and this farthest popularity has started during his own life time. But it was unfortunate that his writings were not collected to from a codex during his life time with the result that no authoritative text of the Diwan was available even very shortly after the death of the poet. Some of the Mss. are prefixed with an introduction while most of them have no introduction at all and the introdiction too are not identical. The older Mss. have shorter introduction, while the later Mss. and the printed copies have longer one though basically similar to the earlier introduction."

یہ مضمون قند پارسی زمستان ۱۹۷۵ء جلد اوّل کے شمارے میں فارسی زبان میں بھی شائع ہوا ہے۔ مذکورہ مضمون میں نذیر احمد صاحب نے کچھ نسخوں سے مثالیں بھی دی ہیں جن میں مقدمہ کی غلطی ہوگئی ہے۔ جیسے دیوان حافظ نسخہ مرزا محمد قزوینی۔ دیوان محمد گل اندام، نسخہ گورکھپور، نسخہ حانلری 921A.H وغیرہ۔

(۹) دیوان حافظ نسخہ شاہان مغلیہ [۱]

اس مضمون میں کتابخانہ شاہان تیموری کے دیوان حافظ کے خطی نسخے کے متعلق بحث کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ اس نسخہ کو ہمایوں اور جہانگیر نے فال نکالنے کے لئے رکھا تھا۔ اس مضمون میں اس خطی نسخوں میں شامل حافظ کی حالات زندگی پر چند سطور لکھی ہیں آخر میں چند نسخوں کی ایک فہرست تاریخ تالیف کے اعتبار سے دی ہے اور بتایا ہے کہ یہ نسخہ دنیا کے کس کتاب خانے میں محفوظ ہے۔

(۱۰) بررسی پیرامون دیوان حافظ [۲]

اس مضمون میں دکتر قاسم غنی وعلامہ محمد قزونی کے تصحیح کیے ہوئے دیوان میں شامل غزلیات، قطعات،

---

[۱] قند پارسی، شمارہ ۱۱، زمستان ۱۳۷۵ھ ش

[۲] قند پارسی، شمارہ ۲۲، زمستان ۱۳۷۵ھ ش

مثنویات اور رباعیات سے مکمل بحث کی ہے اور دوسرے چند نسخوں میں ان غزلیات، قطعات، مثنویات اور رباعیات کی تفصیل دی ہے کہ کس نسخے میں کسی کی کتنی تعداد ہے جیسے

مجموعہ مکتوبہ	۸۵۷ھ	تاجیکستان	۴۳غزل
بیاض مکتوبہ	۸۱۱ھ	تُرکیہ	۳۶غزل
مجموعہ مکتوبہ	۸۱۳ھ	موزہ بریتانیہ	۴۵۵غزل

اس طرح تمام دریافت شدہ نسخوں میں غزلیات کا فرق بتایا ہے مضمون کے آخر میں مجموعۂ لطائف سفینۂ ظرائف از سیف جام ہروی، لطایف اشرفی ومکتوبات اشرفی از سید جہانگیر سمنانی، یکی از منابع مہم کہ در تصحیح دیوان حافظ از آن صرف نظیر شدہ، اور یک مجموعۂ نظم ونثر کہ در کتابخانہ خدابخش، پٹنا، ہند کے بارے میں چند سطور تحریر فرمائی ہیں۔

(۱۱) دیوان حافظ کا ایک قدیم مخطوطہ (فارسی مبنی بر مخطوطہ ۸۱۸ھ) [1]

مذکورہ مضمون میں پروفیسر نذیر احمد نے دیوانِ حافظ کے قدیم نسخے جس کی کتابت ۸۱۸ ہجری میں ہوئی سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ مضمون میں پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

''حافظ شیرازی کے دیوان کے متعدد ایڈیشن نکلے اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے مگر اس کی کثرت اشاعت کے باوجود اس کا دیوان الحاق سے پاک نہیں چنانچہ فارسی کے شایقین اور حافظ کے دلدادگان نے ہمیشہ اس کے دیوان کے قدیم سے قدیم نسخوں کی تلاش جاری رکھی۔ اسی دوران میں عبدالرحیم خلخالی کو ایک نسخہ دستیاب ہوا جو حافظ کی وفات کے ۳۵۔۳۶ سال بعد لکھا گیا تھا۔ اس مختصر نسخے میں ۴۹۰ غزلیں، ایک مختصر مثنوی (ابیات: ۲۸) ایک مختصر ساقی نامہ (ابیات: ۵۶) ۲۹ قطعات اور ۴۲ رباعیاں شامل ہیں۔ مرزا محمد قزوینی نے اس نسخے کی دریافت کو فارسی زبان کا اہم کارنامہ قرار دیا اور اس پر ایک نفیس تبصرہ شائع کیا۔ ۱۳۲۰ھ.ش میں انہوں نے ڈاکٹر قاسم غنی کی شرکت میں دیوان حافظ کا ایک ناقدانہ ایڈیشن شائع کیا جس کی بنیاد نسخۂ خلخالی پر تھی۔ قزوینی نے اس کے مقدمہ میں خلخالی کے نسخے کے مطالب کے علاوہ سارے اور اشعار جو دوسرے نسخوں میں زیادہ ہیں الحاقی قرار دیئے۔

کتاب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ایک اہم نسخہ موجود ہے جس کی کتابت ۸۱۸ھ میں ہوئی تھی گویا بہ اعتبار قدامت اب تک کے دریافت شدہ نسخوں میں دوسرا یا تیسرا ہے۔ سب سے قدیم ایا صوفیہ اور برٹش میوزیم کے نسخے ہیں جو ۸۱۳ اور ۸۱۴ھ کے درمیان لکھے گئے، پھر آصفیہ کا ۸۱۸ کا لکھا ہوا نسخہ، پھر قونیہ کا نسخہ جس کی کتابت ۸۱۹ میں ہوئی اس کے بعد نسخۂ خلخالی مکتوبہ ۸۲۸ ہجری۔

مذکورہ مضمون میں نذیر احمد صاحب نے اپنے دریافت شدہ نسخے یعنی کتاب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن کے اہم نسخے جس کی کتابت ۸۱۸ھ میں ہوئی تھی تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ مضمون کافی اہمیت کا حامل ہے اور فارسی زبان میں قند پارسی، جلد اوّل ۱۳۷۱ھ میں بھی چھپا ہے۔

(۱۲) حافظ شیرازی کے استاد قوام الدین عبداللہ شیرازی[۱]

اس مضمون میں ''مقدمۂ جامع دیوان حافظ'' کے حوالے سے تصدیق کی گئی ہے کہ قوام الدین عبداللہ شیرازی، حافظؔ شیرازی کے استاد تھے۔ دیوان حافظ کے مختلف نسخوں کے مقدموں سے کچھ اطلاعات بھی درج کی گئی ہیں، جس سے حافظ کے استاد کی تصدیق ہو سکے۔ اس مضمون کا فارسی ترجمہ قند پارسی، شمارہ ۱۱، زمستان ۱۳۷۵ھ ش میں شائع ہوا ہے۔

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پروفیسر نذیر احمد نے حافظؔ پر جتنا کام کیا ہے شاید ہی کوئی آج کے زمانے انجام دے پائے، اسی لئے آپ کو حافظؔ شناس کا خطاب ملا اور وقعہ ہی ان کی شخصیت اس کے مستحق تھی۔

☆☆☆

باب پنجم

اختتامیه

اختتامیہ

پروفیسر نذیر احمد ایک عظیم محقق، دانشور اور قاموسی شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی عالمانہ شخصیت درحقیقت فارسی دنیا کی ایک قابلِ رشک اور دانشوروں کی توجہ کا مرکز ہے۔ آپ نہ صرف فارسی زبان وادب کے ایک معروف ادیب ودانشور تھے، بلکہ ایک مشہور محقق بھی تھے۔ آپ کا شمار فارسی واردو کے صفِ اوّل کے محققین پروفیسر محمود خاں شیرانی، پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب، پروفیسر قاضی عبدالودود، مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مالک رام، نیز ایرانی محققین علامہ مرزا عبدالوہاب قزوینی، پروفیسر پرویز ناتل خانلری اور پروفیسر رضا جلال نائینی وغیرہ میں کیا جاتا ہے۔ آپ جیسی ہمہ گیر شخصیت اور سمندر جیسی گہرائی ووسعت رکھنے والے شخص پر تحقیق وجستجو کو میں سمندر کو کوزہ میں سمیٹنے کے مترادف سمجھتا ہوں نیز اس کام کو اپنے لئے باعثِ افتخار ومسرت سمجھتا ہوں۔ ایران اور ہندو پاک کے تقریباً تمام علمی وادبی مراکز نے آپ کی بصیرت کو سراہا ہے اور مختلف انداز سے آپ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پروفیسر نذیر احمد کو علمی کاموں سے نہایت کم عمری سے ہی شوق تھا اور ہر وقت علم کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ آپ کی زندگی کا پہلا کارنامہ ''ظہوری آثار وحیات'' ہے۔ یہ ایک نہایت وقیع کام ہے اور اس کام سے آپ کی ابتدائی تحقیق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کام میں آپ نے جس محنت وعرق ریزی کا مظاہرہ کیا ہے وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔

اوّل الذکر کارنامہ کے بعد آپ نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دور کے فارسی شعراء پر تحقیق جاری رکھی اور اس کام کو بڑی ہنرمندی سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ پھر ابراہیم عادل شاہ کی تصنیف ''کتاب

نورس'' کو اپنی تحقیق کا میدان بنایا۔ ''نورس'' موسیقی پر اپنی نوعیت کی ایک اہم کتاب ہے۔ اس کی زبان دکنی اور قدرِ مشکل ہے۔ پروفیسر موصوف کو موسیقی اور مصوری سے خصوصی لگاو تھا جس کا ثبوت ''نورس'' کی تدوین ہے۔ آپ نے جس عرق ریزی اور ژرف نگاہی سے اس کتاب کی تدوین کی ہے وہ بجائے خود ایک اہم کارنامہ ہے۔ اس کتاب سے آپ کی دکنی ادب سے غیر معمولی شغف اور مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے آپ کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔ ہندو پاک ہی نہیں بلکہ یورپ اور امریکہ میں بھی اس کتاب سے بہت استفادہ کیا گیا۔

پروفیسر موصوف کو علم کی لگن ایران لے گئی جہاں سے آپ نے فارسی قدیم، پہلوی اور جدید فارسی میں ڈپلوما حاصل کیا۔ ایران میں اپنے قیام کے دوران بھی آپ تحقیقی کاموں میں مصروف رہے اور مختلف کتب خانوں میں محفوظ خطی نسخوں کا مطالعہ کیا اور ان پر تحقیقی مقالات لکھ کر شائع کرائے۔

ہندوستان واپسی پر تحقیق سے آپ کی دلچسپی کافی بڑھ چکی تھی۔ چنانچہ آپ نے فارسی فرہنگ نویسی کو اپنا تحقیقی موضوع بنایا۔ آپ کو فارسی لغت اور اس کی تاریخ سے ایک خاص لگاو رہا چنانچہ فرہنگ قواس، زفان گویا، دستورالافاضل، لسان الشعراء، قاطع برہان، جیسی اہم فرہنگوں کو اس طرح علمی دیانت اور تحقیقی وتدوینی صلاحیت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ تدوین وتحقیق لغت کے میدان میں ان فرہنگوں کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور لغت نویسی کے میدان میں کام کرنے والوں کے لئے رہنما ثابت ہوتی ہیں۔ فرہنگوں پر نقد وتبصرہ اور ان کی تصحیح وترتیب ایک علمی اور فنی کام ہے۔ نذیر احمد صاحب کو اس میدان میں خاص ملکہ، استعداد وصلاحیت تھی، اس لئے آپ نے اس کام کو وہ وقار بخشا، جس کو بطورِ مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

پروفیسر موصوف کا ایک اہم کارنامہ ''فارسی قصیدہ نگاری'' ہے۔ دیکھنے میں یہ کام بظاہر چھوٹا ہے مگر یہ ایک نہایت وقیع کام ہے اور متن ومواد بھی جامع ہے اور یہی ایک بڑے محقق کی خصوصیت ہوتی

ہے، جو سمندر کو کوزے میں منتقل کرنے کا فن بخوبی جانتا ہے۔

آپ کے کارناموں میں ایک قابلِ قدر کام ''دیوانِ حافظ'' کے انتقادی متن کی تصحیح وترتیب ہے، جس کے قدیم سے قدیم نسخوں کی تلاش میں آپ نے نہ جانے کتنی لائبریریوں کی خاک چھانی اور کامیاب بھی ہوئے۔ آپ کی محنت کا ہی نتیجہ ہے کہ دیوانِ حافظ کے کئی قدیم نسخوں کے ایڈیشن شائع ہوئے۔ آپ نے دیوانِ حافظ کے نسخوں کی تلاش اور اس کا متن تیار کرنے میں جس قدر محنت اور لگن سے کام کیا وہ نہ صرف ہمارے لئے بلکہ پورے ہندو پاک کے فارسی محققین کے لیے باعثِ افتخار ہے۔

اس کے علاوہ آپ نے ہندوستان کے دو کلاسیکی فارسی شعراء عمید لویکی اور سراجی خراسانی کے دواوین کے بھی تنقیدی ایڈیشن تیار کر کے شائع کئے اور سنائی غزنوی کے فارسی خطوط کا مجموعہ بھی مرتب کر کے شائع کیا، جو آپ کی باریک بینی اور ژرف نگاہی کا نمونہ ہیں۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ عمید لویکی اور سراجی خراسانی کے دیوان ناپید ہو گئے ہیں لیکن ان کے دواوین کے متن کو صحیح طور پر مرتب کرنا بڑی دیدہ سوزی اور عرق ریزی کا کام تھا اور یہ کام نذیر احمد صاحب جیسا جفاکش اور مستقل مزاج شخص ہی انجام دے سکتا تھا اور انہوں نے بخوبی انجام دیا۔

پروفیسر موصوف کی ایک اور ضخیم کتاب تذکرہ علماء بلخ ہے۔ تذکرہ علماء بلخ کوئی الگ تالیف نہیں ہے بلکہ فضائل بلخ کا ترجمہ اور تلخیص ہے۔ فضائل بلخ ۶۱۰ھ میں عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کے مؤلف شیخ السلام صفی الدین ابوبکر عبداللہ بن عمر بن داؤد واعظ بلخی ہیں، لیکن اس اصل عربی متن کا کوئی نسخہ اب موجود نہیں، البتہ اس کا فارسی ترجمہ محفوظ رہ گیا ہے۔ اس کا مترجم عبداللہ محمد بن محمد بن حسین بلخی نے بلخ کے حکمران ابوبکر عبداللہ کے ایما پر ۶۷۶ھ میں بلخ ہی میں اس کو فارسی کا جامہ پہنایا۔

پروفیسر موصوف نے اس اہم کتاب کا اردو ترجمہ کر کے قارئین کرام کی خدمت میں اسلامی تاریخ کے چند عبرت ناک صفحے پیش کئے ہیں۔

پروفیسر نذیر احمد کے علمی و ادبی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ امیر خسرو دہلوی کی معروف کتاب ''اعجاز خسروی'' کا انگریزی ترجمہ ہے۔ خسرو کی یہ کتاب فارسی میں لکھی جانے والی نہایت مشکل کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ نذیر صاحب نے اس کتاب کے ترجمے کے لیے مترجمین کی ایک ٹیم تیار کی اور اعجاز خسروی کے پانچ رسائل کو انگریزی میں منتقل کیا۔ یہ کتاب بھی شائع ہو چکی ہے۔ یہ کام نذیر صاحب کی فعال طبیعت اور علمی بصیرت کا نتیجہ ہے اور اس پر پیش کردہ حواشی آپ کی علمی وسعت کے شاہد ہیں۔

پروفیسر موصوف نے ایران، افغانستان، پاکستان، سعودی عرب، کویت، عراق، انگلستان، روس اور امریکا کے متعدد بار علمی سفر کیے، وہاں کی متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں توصیفی لکچرز دیئے۔

مشرق و مغرب یکساں طور پر آپ کے وجدان و عرفان سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ آپ ممتاز ترین محقق، ماہر فرہنگ نویسی اور اعلا درجے کے متنی نقاد تھے۔ آپ کے وسیع و وقیع کارناموں میں اہم کارنامہ آپ کے مضامین ہیں جو ہندو پاک، ایران، افغانستان اور امریکا کے مختلف مجلّات میں شائع ہوئے ہیں۔ یہ مضامین لسانیات، تاریخ و تمدن، خطاطی، ثقافت و موسیقی وغیرہ موضوعات پر ہیں۔ ان میں سے بعض مضامین سو صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہیں۔ آپ کے متعدد مقالات مجموعے کی شکل میں چھپ چکے ہیں جن میں سے بعض کو آپ نے خود مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ ان مجموعے مقالات میں ''مقالاتِ نذیر'' کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد کے بائیس مقالات شامل ہیں۔ یہ تمام مقالات تحقیقی نوعیت کے ہیں ان میں ہندوستان کے فارسی اور عربی کتبوں پر لکھا گیا ہے خصوصیات کے ساتھ کھنبایت کے کتبوں کی بنیاد پر پروفیسر موصوف نے ہماری تاریخ کے بعض گم نام اشخاص و واقعات کو تاریخی اعتبار بخشا ہے کھنبایت صوبۂ گجرات کا ایک قدیم قصبہ ہے پرانے زمانے میں یہ اہم تجارتی منڈی تھی۔ یہاں سے ہندوستانی مال باہر ملکوں کو جاتا اور بیرونی ممالک کا مال یہاں آتا تھا، اسی وجہ سے بیرونی ممالک کے تاجروں کی اکثر یہاں آمد و رفت

رہتی تھی۔ آپ نے اپنے اس مضمون میں کھنبایت کے سب سے قدیم کتبے کا ذکر تفصیل سے کیا ہے یہ کتبہ ۶۱۵ ہجری کا ہے جو ایک مسجد کی تعمیر سے تعلق رکھتا ہے یہ کتبہ اس اعتبار سے بھی تاریخی ہے کیونکہ بجز شمالی ہندوستان کے کتبات کے یہ پورے ملک میں غالباً سب سے قدیم کتبہ ہے۔ دوسرا کتبہ جو ذکی الدین عمر بن احمد کازرونی کے لوح مزار کا ہے اس پر بھی پروفیسر موصوف نے تحقیقی بحث کی ہے۔

کتبہ شناسی کے حوالے سے اس کتاب میں پروفیسر نذیر احمد نے ہریانہ اسٹیٹ کے کچھ قدیم کتبہ پر بھی علمی اور محققانہ گفتگو کی ہے آپ نے ہریانہ کے چار قصبوں، فتح آباد، بروالہ، ہانسی، حصار کے کچھ قدیم کتبات کی تفصیلات درج کی ہیں۔ ہریانہ کا یہ علاقہ تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن تقسیمِ ہند کے بعد یہاں کی تاریخی عمارتیں بربادی کا شکار ہوئیں، اس علاقے کی بیشتر آبادی پاکستان منتقل کر گئی چنانچہ یہاں کی مسجدوں، درگاہوں، مقبروں وغیرہ پر دوسروں کا قبضہ ہو گیا وہ عمارتیں جو محکمہ آثارِ قدیمہ کی نگرانی میں آئیں محفوظ رہیں۔ پروفیسر نذیر احمد نے ان ہی مشہور عمارتوں کے کتبوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ رسائل اعجاز خسروی کا تیسرا رسالہ، اس عنوان سے کتاب میں شامل یہ مضمون پروفیسر نذیر احمد کی خسرو شناسی کی اہم مثال پیش کرتا ہے۔ اعجاز خسروی امیر خسرو کے رسائل کا مجموعہ ہے جو پانچ جلدوں میں ہے جس میں فارسی کے صنائع و بدائع کی تفصیل درج ہے اس رسالے میں دو باب ہیں۔ آپ نے اس رسالے کے ذریعے اعجاز خسروی کی خوبیوں اور اس کی قدر و قیمت کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ پروفیسر نذیر احمد نے اردو اور فارسی کے مشہور و معروف نقاد پروفیسر محمود شیرانی کی فارسی تحقیقات کے حوالے سے بھی ایک مضمون اس کتاب میں شامل کیا ہے جس میں آپ نے محمود شیرانی کی فارسی تحقیق پر فاضلانہ اور محققانہ گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ پنج آہنگ، آہنگ دوم زمزمہ چہارم میں غالب کے منتخب الفاظ، البیرونی کی کتاب آثار الباقیہ کے ایک جز کا تحلیل و تجزیہ، قادر کا ایک نو دریافت دکنی مرثیہ، شیرانی کی تحقیقات پر ایک نظر اور خاندان پاٹودی کے مورثِ اعلیٰ جیسے موضوعات پر مضامین اس کتاب میں شامل کئے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد آپ کی گہری علمی اور تحقیقی

بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس مجموعہ کے علاوہ فارسی اور ہندوستان، تحقیق مطالعے، غالب پر چند مقالے، غالب پر چند تحقیقی مطالعے، تاریخی وادبی مطالعے وغیرہ مجموعوں میں آپ نے اپنے مضامین مرتب کر کے شائع کیے ہیں۔ جو بڑے معنی خیز ہیں۔

۱۹۶۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے جب مجلّہ ''فکر ونظر'' شائع کرنا شروع کیا تو نذیر احمد صاحب کو اس کا سکریٹری اور نائب صدر مقرر کیا۔ بہت کم عرصے میں ہی آپ کی محنت اور توجہ سے فکر ونظر کا شمار اعلیٰ درجے کے علمی وتحقیقی مجلّات میں ہونے لگا۔

اسی طرح آپ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کے تاحیات ٹرسٹی رہے اور ایک مدت تک آپ اس ادارے کے سکریٹری پھر نائب صدر، اور پھر صدر کے عہدے پر فائض ہوئے۔ آپ ایک عرصے تک فارسی واردو کے تحقیقی وعلمی رسالے ''غالب نامہ'' کے مدیر اعلیٰ رہے۔ مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے آپ نے اس رسالے کی جو خدمات انجام دی ہیں، اس کا اعتراف علمی وادبی حلقوں میں بارہا کیا گیا ہے۔ آپ کی بے لاگ کوششوں کی وجہ سے ''غالب نامہ'' کا شمار آج کے موقر، ممتاز اور اعلیٰ معیار کے رسائل میں ہوتا ہے۔ خود نذیر صاحب کے مختلف علمی وادبی مقالات جو بالخصوص غالب پر ہیں اس رسالے کے علمی وادبی وقار کو برقرار رکھنے میں مددگار ثابت ہوئے۔ اس کے علاوہ مجلّات انڈوایرانیکا، معارف اور بیاض کے ایڈیٹوریل بورڈ کے سرگرم رکن کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔

پروفیسر نذیر احمد بنیادی طور پر فارسی زبان وادب کے استاد ومحقق تھے۔ دنیائے فارسی میں جہاں تک تحقیق وتدوین متن کا تعلق ہے تو آپ کا نام بے حد معروف ومعتبر ہے۔ ادبی وعلمی تحقیق کا معاملہ ہو یا تدوین متن کا مسئلہ، ان دونوں امور میں بالخصوص پروفیسر موصوف کے دکھائے ہوئے راستے اور بتائے ہوئے طریقوں پر بھروسہ اوران کی پیروی کی جاتی ہے۔ تحقیق وتدوین کے میدان میں نذیر احمد صاحب نے جس قدر کام انجام دیئے ہیں، اس کی توقع ایک علمی ادارے ہی سے کی جاسکتی ہے جہاں چند صاحبِ نظر علماء مل کر

قابلِ قدر کام انجام دیتے ہیں۔ اس نہایت وسیع علمی و تحقیقی کاموں میں اعلیٰ معیار کو ملحوظ رکھنے کہ وجہ سے آپ کا بجا طور پر فارسی کے مفاخر میں شمار کیا جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کے تحقیقی اور علمی کاموں کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ صرف وہی لگا سکتے ہیں جو خود عالم و فاضل، اور وسیع المطالعہ ہوں۔

آپ نے امریکہ و یورپ میں میوزیم، آرکالیوز، کتب خانوں اور ملّی اداروں میں اپنا قیمتی وقت صرف کر کے ہندوستانی فارسی کے نوادرات کی کھوج کی ہے۔ وہاں کے حلقوں میں ہندوستانی فارسی کی بیش بہا خدمات کا تعارف ہی نہیں بلکہ ان کی اہمیت سے روشناس کرایا ہے۔

پرفیسر نذیر احمد اسلامی تمدن و تہذیب کے پروردہ ہیں اور ان کی نگارشات کے مطالعہ سے بخوبی اس کا انداز ہو جاتا ہے۔

پروفیسر نذیر احمد کے کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنے میدان میں کس درجے کا ملکہ اور مہارت حاصل تھی اور ان کو کس نوعیت کی بصیرت ودیعت کی گئی تھی۔ ان کی علمی وسعت کا اندازہ صرف اس بات سے نہیں لگایا جا سکتا کہ انہوں نے کتنے صفحے سیاہ کیے اور کتنی ضخیم کتابیں پیش کی ہیں بلکہ ردوقبول اور جزرسی ان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

پروفیسر موصوف کو ان کی اسی غیر معمولی خدمات کے پیش نظر متعدد اعزازات و انعامات سے نوازہ گیا جن میں خاص طور سے ''صدر جمہوریہ ہند کی توصیفی سند'' امیر خسرو سوسایٹی امریکا کی جانب سے ''نذر خسرو ایوارڈ'' خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو کی طرف سے ''حافظ شناسی'' کا خطاب، رئیس دانشگاہ تہران کی طرف سے ''استاد افتخاری'' کا اعزاز اور ۱۹۸۹ء میں علمی و تحقیقی کاوشوں کے عوض ایران کا ''محمود افشار ایوارڈ'' شامل ہیں۔ یہ ایواڈز و انعامات اس بات کے شاہد ہیں کہ ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں اور فارسی زبان وادب کے قاری کے لیے باعثِ افتخار ہے۔

آخر میں جب ہم آپ کی شخصیت پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک خاص بات جو آپ کی شخصیت میں نظر آتی

ہے وہ آپ کی سادگی اور مزاج میں حد درجہ تواضع وانکساری ہے۔نرم خوئی،خوش گفتاری اور پاک نگاہی آپ میں اس طرح رچی بسی تھی کہ انہیں آپ کی ذات سے الگ کرنا مشکل ہے۔

بلآخر فارسی واردو دنیا کا یہ عظیم محقق ۹ راکتوبر ۲۰۰۸ کو اس دنیائے فانی کو خرآباد کہہ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جاملا۔

ہم آپ کی رحلت پر دلی افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت فردوس نصیب فرمائے اور ہمیں آپ کے نقشے قدم پر چلنے اور تحقیقی کاموں کا مطالعہ کرنے اور انہیں محفوظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

☆☆☆

مآخذ و مصادر

کتبِ فارسی

نمبر شمار، نام کتب ،مصنف/مرتب، دارالاشاعت، مقام اشاعت، سنہ اشاعت

۱ دیوان سراجی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، دانشگاہ اسلامیہ علی گڑھ، علی گڑھ ۱۹۷۲ء

۲ دیوان عمید لویکی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، مجلس ترقی ادب، لاہور، پاکستان، ۱۹۸۵ء

۳ دیوان حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، انتشارات آستان قدس، تہران، ۱۹۷۱ء

۴ دیوان حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، مرکز تحقیقات فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء

۵ دیوان حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، انتشارات امیر کبیر تہران، ایران، ۱۳۷۰ش

۶ دستور الافاضل، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، تہران، ایران، ۱۹۵۷ء

۷ زندگی نامہ وخدمات علمی وفرہنگی استاد نذیر احمد، مرتبہ، امید قنبری، کتاب خانہ ملی، ایران، ۱۳۸۲ھ ش

۸ غزلیاتِ حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، مرکز تحقیقات فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ۱۹۸۸ء

۹ غزلہائے حافظ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، مرکز تحقیقات فارسی خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ۱۹۹۱ء

۱۰ فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب، تہران ۱۳۵۳ش، ۱۹۷۴ء

۱۱ فرہنگ قواس، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، رضا لائبریری، رامپور ۱۹۹۹ء

۱۲ فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار ۱۹۸۹ء

۱۳ فرہنگ زفان گویا، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بہار ۱۹۹۷ء

۱۴ فرہنگ لسان الشعراء، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی ۱۹۹۵ء

۱۵ مکاتیب سنائی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ادبیات وعلوم بشری، میزان، کابل ۱۳۵۶ش، ۱۹۷۷ء

۱۶ مکاتیب سنائی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، بنیاد موقوفات دکتر محمود افشار، تہران، ایران ۱۳۷۹ش

۱۷ مکاتیب سنائی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، رضا لائبریری، رامپور، ۱۹۶۲ء، ۱۳۸۲ھ

۱۸ مکاتیب سنائی، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، صنوبر تہران، زمستان ۱۳۶۲ش ۱۹۸۳ء شمارہ ۲۲۴

۱۹ مراز محمد قزوینی کی فارسی میں تحقیق، مؤلف، ڈاکٹر شوکت نہال انصاری، ۱۹۹۱ء

۲۰ ناموارہ دکتر محمود افشار، تہران ۱۳۶۵ھ ش، ج ۲، ۱۳۶۷ھ ش، ج ۴

کتب اُردو

۱ الطاف حسین حالی، تحقیقی وتنقیدی جائزے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

۲ انتخاب مقالات غالب نامہ ''تنقیدات''، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء

۳ انتخاب مقالات غالب نامہ ''تحقیقات'' مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء

۴ انیسویں صدی کی علمی، ادبی اور تہذیبی روایت، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء

۵ افکار واحوال، مرتبہ، محمد صالم قدوائی، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ ۱۹۹۲ء

۶ پروفیسر نذیر احمد درنظر دانشمندان، مرتبہ، پروفیسر ماریہ بلقیس، دریا گنج، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

۷ پروفیسر مختار الدین احمد محقق اور دانشور، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۹۵ء

۸ تذکرہ علمائے بلخ، مترجم، پروفیسر نذیر احمد، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، جولائی۔ستمبر ۱۹۸۹ء

۹ تصحیح وتحقیق متن، مصنف، پروفیسر نذیر احمد، شعبہ اردو بمبئی یونیورسٹی، ۱۹۸۸ء

۱۰ تصحیح وتحقیق متن، مصنف، پروفیسر نذیر احمد، ادارۂ یادگارِ غالب کراچی، پاکستان، ۲۰۰۰ء

۱۱ تحقیقی مطالعہ: مصنف ومرتب، پرفیسر نذیر احمد، سرفراز قومی پریس لکھنؤ، یو۔پی، ۱۹۵۴ء

۱۲ تاریخی وادبی مطالعے، مصنف ومرتب، پروفیسر نذیر احمد، علی گڑھ، ۱۹۶۱ء

۱۳ حافظ محمود شیرانی تحقیقی مطالعے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۱۴ خط کی کہانی تصویروں کی زبانی، مصنف سید احمد، حصہ اوّل ۱۹۹۹ء

۱۵ سید مسعود حسن رضوی ادیب، حیات اور کارنامے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، مارچ ۱۹۹۳ء

۱۶ سیّد احتشام حسین: کچھ یادیں کچھ جائزے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۹۷ء

۱۷ سوداؔ، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۱ء

۱۸ شیخ غلام حمدانی مصحفیؔ، تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد،، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۵ء

۱۹ شیخ الطائف: پروفیسر نذیر احمد، مرتبہ، پروفیسر ریحانہ خاتون، بخش فارسی دانشگاہ، دہلی ۲۰۱۰ء

۲۰ شعراء اردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، مصنف، ڈاکٹر سید عبداللہ، یونین پرینٹنگ پریس، دہلی، سن ندارد

۲۱ عابدی نامہ، مرتبہ، پروفیسر نورالحسن انصاری، پروفیسر اظہر دہلوی، پروفیسر شریف حسین قاسمی، انجمنِ فارسی، نئی دہلی ۱۹۹۰ء

۲۲ غالب کی مکتوب نگاری، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد،، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۳ء

۲۳ غالب پر چند تحقیقی مطالعے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء

۲۴ غالب پر چند مقالے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۲۵ فارسی قصیدہ نگاری، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، ادارہ علوم اسلامیہ، اے۔ ایم۔ یو، علی گڑھ ۱۹۹۱ء

۲۶ فارسی اور ہندوستان: مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۷۴ء

۲۷ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، مصنف، ڈاکٹر محمد ریاض، ڈاکٹر صدیق شبلی، کاک آفیسٹ پرنٹرس۔ دہلی ۲۰۰۴ء

۲۸ قاضی عبدالودود، تحقیقی وتنقیدی جائزے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۲۹ کتاب نورس، مترجم، پروفیسر نذیر احمد، بھارتیہ کلا کیندر دانش محل، امین الدولہ پارک لکھنؤ اتر پردیش، اپریل ۱۹۵۵ء

۳۰ کتاب نورس، مترجم، پروفیسر نذیر احمد، کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور، فروری ۱۹۹۸ء

۳۱ کارنامہ نذیر، تالیف، پروفیسر ریحانہ خاتون، دریا گنج، دہلی ۱۹۹۵ء

۳۲ لغت نویسی کے مسائل، مرتبہ، گوپی چند نارنگ، ستمبر ۱۹۸۵ء ج ۲۵، ش ۹

۳۳ مومن خاں مومن حیات وشاعری، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۹۱ء

۳۴ مولانا امتیاز علی عرشی، ادبی وتحقیقی کارنامے، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۹۱ء

۳۵ میر تقی میر، تنقیدی جائزہ، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۰ء

۳۶ مقالاتِ نذیر، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

۳۷ نقد قاطع برہان، مع ضمائم، مصنف، پروفیسر نذیر احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۸۵ء

۳۸ نذرِ عرشی، مرتبہ، مالک رام ومختار الدین، مجلس نذر عرشی، نئی دہلی ۱۹۶۵ء

۳۹ نذرِ مختار، مرتبہ، مالک رام، مجلس نذر مختار، نئی دہلی ۱۹۸۸ء

۴۰ نذرِ ذاکر، مرتبہ، تاراچند، مجلس نذر ذاکر، نئی دہلی ۱۹۶۸ء

۴۱ نذرِ زیدی، مرتبہ، مالک رام، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۸۰ء

۴۲ نذرِ مسعود، مرتبہ، مرزا خلیل احمد بیگ، نئی دہلی ۲۰۰۷ء

۴۳ نذرِ رحمان، مرتبہ، غلام حسین ذوالفقار، مجلس نذرِ رحمان، لاہور ۱۹۶۶ء

۴۴ یادگار نامہ قاضی عبدالودود، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، پرفیسر مختار الدین، پروفیسر شریف حسین قاسمی، غالب

انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

۴۵ یادگار نامۂ فخر الدین علی احمد، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، پرفیسر مختار الدین، پروفیسر شریف حسین قاسمی، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء

۴۶ یادگارنامہ یوسف حسین خاں، مرتبہ، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر شریف حسین قاسمی، شاہد ملّی، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۴ء

English Books:

1 E'ijaz Khusrivi, Edt. Prof. Nazir Ahmad, Amarica, 2007.

2 Zohari his life and works, Edt. Prof. Nazir Ahmad, Allahabad, 1953.

3 Kitab-e-Nauras. Sangeet Natak Academy, Edt. Nazir Ahmad, New Delhi, 1956.

4 A Critical Study of Sharefnama Munyari, Edt. Prof S.M Tariq Hasan, Loni Road, Shahdra, Delhi, 1985.

5 A.D. Yazdani Commemoratiun Vol: 1965.

6 Adil Hussain Ali Vol:1 Jan 1970.

7 Amir Khusrau Memorial Vol: 1975.

8 Fakhruddin Ali Ahmad Memorial volume, Edt. Prof. Nazir Ahmad and Aslob Ahmad Ansari, Ghalib Institute, New Delhi 1994.

9 Islamic Heritage in South Asian Subcontinents, Edt. Prof. Nazir Ahmad and Prof. Mukhtar uddin Ahmad, Publication Scheme. Jaipur, India1998.

10 Islamic Heritage in South Asian Subcontinents, Edt. Prof. Nazir

Ahmad and Prof. Mukhtar uddin Ahmad, Publication Scheme. Jaipur, India 2000.

11 Medieval India Vol:1, 1969.

مجموعۂ مقالات: (پروفیسر نذیر احمد کے وہ مقالات جنہیں دوسرے لوگوں نے مرتب کیا ہے)

۱ تاریخی اور علمی مقالات، مترجم ومرتب، کبیر احمد جائسی، مکتبہ برہان، اردو بازار، دہلی، اکتوبر ۱۹۷۶ء

۲ غالب آشفتہ سر، مرتبین، مہر الٰہی ندیم (علیگ)، لطیف الزماں خان، ملتان آرٹس فارم ملتان، فروری ۱۹۹۶ء

۳ قند پارسی (مجموعۂ مقالاتِ فارسی نذیر احمد) از دکتر سیّد حسن عباس، مجموعۂ انتشارات ادبی وتاریخی، موقوفات دکتر محمود افشار یزدی، شمارہ ۳۹، چاپخانہ نقش جہان، تابستان ۱۳۷۱ھ.ش

۴ قند پارسی (مجموعۂ مقالات فارسی نذیر احمد) از دکتر سیّد حسن عباس، مجموعۂ انتشارات ادبی وتاریخی موقوفات دکتر محمود افشار یزدی، شمارہ ۸۶، ۱۳۸۳ (جلد دوم)

۵ کارنامہ نذیر، تالیف، ڈاکٹر ریحانہ خاتون (مجموعۂ مقالات نذیر احمد) دانشگاہ دہلی ۲۰۰۴ء

(6)Essay on Persian Literature. Edt. Prof. Sharif Husain Qasmi Idarah-I- Adabiyat-I- Delhi-2005

Encyclopaedia:

1 Encyclopaedia Iranica edt. by Ehsan Yarshater Vol: XI

فارسی رسائل

نمبر شمار	نام رسائل وجرائد	مقام اشاعت	ماہ وسال اشاعت
۱	آیندہ	ایران	مرداد۔ابان ۱۳۷۰ھ.ش، فروردین۔خرداد ۱۳۷۲ھ.ش، تیر وشہریور ۱۳۷۲ھ.ش، ۱۳۶۸ھ.ش

۲	انڈوایرنیکا	کلکتہ	مارچ۔جون ۲۰۰۵ء، جنوری ۱۹۷۳ء، دسمبر ۱۹۶۸ء، دسمبر ۲۰۰۹ء، جون ۱۹۶۲ء، مارچ۔جون ۱۹۷۹ء
۳	ایران شناسی	تہران	بہار ۱۳۶۸ھ.ش، بہار ۱۳۷۲ھ.ش، ۱۳۴۹ھ.ش
۴	ایران نامہ	تہران	۱۳۶۶ھ.ش، بہار ۱۳۲۷ھ.ش
۵	ادب	ایران	۱۳۴۹ھ.ش
۶	بیاض	نئی دہلی	۱۹۸۳ء
۷	راہنمائی کتاب	تہران	۱۹۶۴ء
۸	فرہنگ ایران زمین	تہران	۱۳۴۷ھ.ش
۹	قندِ پارسی	دہلی نو	پاییز ۱۳۶۹ھ.ش، بہار ۱۳۷۱ھ.ش، بہار ۱۳۸۳ھ.ش، بہار ۱۳۷۳ھ.ش، پاییز ۱۳۷۳ھ.ش، بہار ۱۳۷۳ھ.ش، زمستان ۱۳۷۲ھ.ش بہار ۱۳۷۸ھ.ش، بہار ۱۳۸۱ھ.ش، زمستان ۱۳۷۵ھ.ش، زمستان ۱۳۸۰ھ.ش، بہار ۱۳۸۱ھ.ش، بہار ۱۳۷۸ھ.ش، زمستان ۱۳۷۹ھ.ش، پاییز ۱۳۷۶ھ.ش، زمستان ۱۳۷۶ھ.ش، بہار ۱۳۷۰ھ.ش، زمستان ۱۳۷۵ھ.ش
۱۰	کیہان فرہنگی	تہران	تیر ماہ ۱۳۶۱ھ.ش

اردو رسائل

نمبر شمار	نام رسائل وجرائد	مقام اشاعت	ماہ وسال اشاعت
۱	آجکل	دہلی	ستمبر ۱۹۵۸ء
۲	آہنگ	دہلی	نومبر ۱۹۵۸ء

۳	اردو ادب	علی گڑھ	اپریل۔جون ۱۹۵۲ء، جولائی۔دسمبر ۱۹۵۲ء، مارچ۔جون ۱۹۵۳ء، جولائی۔ستمبر ۱۹۵۴ء، جولائی ۱۹۵۵ء، ستمبر ۱۹۵۵ء، جون ۱۹۵۷ء، اکتوبر۔اگست ۱۹۵۷ء، دسمبر ۱۹۵۷ء، مارچ ۱۹۵۸ء، جون ۱۹۵۸ء دسمبر ۱۹۵۸ء، جون ۱۹۵۵ء، اکتوبر۔دسمبر ۱۹۵۴ء، ستمبر ۱۹۵۷ء
۴	اردو	کراچی، پاکستان	جولائی ۱۹۶۷ء، اکتوبر ۱۹۶۷ء
۵	اورینٹل کانفرنس	حیدرآباد	اکتوبر ۱۹۵۳ء، دسمبر ۱۹۵۵ء
۶	اورینٹل کانفرنس	انا ملائی	دسمبر ۱۹۵۵ء
۷	اورینٹل کانفرنس	نئی دہلی	دسمبر ۱۹۵۷ء
۸	اورینٹل کانفرنس	بھبنیشور	۱۹۵۸ء
۹	اورینٹل کالج میگزین	دانش گاہ پنجاب، لاہور، پاکستان	نومبر ۱۹۵۵ء، نومبر ۱۹۵۶ء، اگست ۱۹۵۷ء، مئی۔اگست ۱۹۵۷ء، نومبر ۱۹۵۸ء، مئی ۱۹۵۹ء، اگست ۱۹۵۹ء، فروری ۱۹۵۹ء، مئی ۱۹۶۰ء، اپریل ۱۹۸۸ء
۱۰	اقبال ریویو	پاکستان	جولائی ۱۹۷۲ء
۱۱	ارمغان ایران	لاہور، پاکستان	۱۹۷۱ء
۱۲	اردو عناصر	کراچی	جولائی ۱۹۶۷ء
۱۳	اسلام اور عصرِ جدید	جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی	اپریل۔جولائی ۱۹۸۹ء، جولائی ۱۹۹۰ء
۱۴	تحریر	نئی دہلی	۱۹۶۸ء
۱۵	تحقیقات فارسی	شعبۂ فارسی، دانشگاہ، دہلی	۱۹۹۰ء

۱۶	تحقیق	سندھ یونیورسٹی، جام شورہ، پاکستان	۱۹۸۸ء، ۹۵-۱۹۹۴ء، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۷ء، ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۹ء،
۱۷	تحقیق وتدوین	علی گڑھ	نومبر ۱۹۸۸ء
۱۸	تاریخ ادب اردو	علی گڑھ	اگست ۱۹۸۵ء، ۱۹۶۰ء
۱۹	تکمیلِ طب	لکھنؤ	۱۹۵۶ء
۲۰	خدابخش جرنل	پٹنہ	۱۹۹۴ء
۲۱	رنگ وبو	دانشگاہ روہیل کھنڈ	۱۹۹۲ء
۲۲	رضا لائبریری جرنل	رامپور	۱۹۹۶ء، ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۲ء، ۲۰۰۳ء
۲۳	صحیفہ	نئی دہلی	۱۹۶۹ء
۲۴	علی گڑھ میگزین	علی گڑھ	۱۹۵۹ء، ۶۱-۱۹۵۹ء، ۹۷-۱۹۹۵ء
۲۵	عربیک پرشن انسٹی ٹیوٹ جرنل	ٹونک راجستھان	۱۹۸۱ء، ۱۹۸۲ء، ۲۰۰۰ء
۲۶	غالب نامہ	ایوان غالب، نئی دہلی	جنوری ۱۹۸۱ء، جولائی ۱۹۸۱ء، جنوری ۱۹۸۲ء، جولائی ۱۹۸۲ء، جولائی ۱۹۸۳ء، جنوری ۱۹۸۴ء، جولائی ۱۹۸۴ء، جنوری ۱۹۸۵ء، جنوری ۱۹۸۶ء، جنوری ۱۹۸۷ء، جولائی ۱۹۸۸ء، جنوری ۱۹۸۹ء، جولائی ۱۹۸۹، جنوری ۱۹۹۰ء، جولائی ۱۹۹۰، جنوری ۱۹۹۱ء جولائی ۱۹۹۱ء، جنوری ۱۹۹۲ء جولائی ۱۹۹۲ء، جنوری ۱۹۹۳ء، جولائی ۱۹۹۳ء، جنوری ۱۹۹۴ء، جولائی ۱۹۹۴ء، جنوری ۱۹۹۵ء، جولائی ۱۹۹۵ء، جنوری ۱۹۹۶ء، جولائی ۱۹۹۶ء، جنوری ۱۹۹۷ء، جولائی ۱۹۹۷ء، جنوری ۱۹۹۸، جولائی ۱۹۹۸ء، جنوری ۱۹۹۹ء، جولائی ۱۹۹۹ء، جولائی ۲۰۰۰ء، جنوری ۲۰۰۱ء، جولائی ۲۰۰۱ء، جنوری ۲۰۰۲ء، جنوری ۲۰۰۳ء، جنوری ۲۰۰۴ء

۲۷	فکر ونظر	علی گڑھ	جنوری ۱۹۶۰ء، اپریل ۱۹۶۰ء، اکتوبر ۱۹۶۰ء، جولائی ۱۹۶۰ء، اپریل ۱۹۶۱ء، جنوری ۱۹۶۱ء، اکتوبر ۱۹۶۱ء، جنوری ۱۹۶۲ء، اپریل ۱۹۶۲ء، اکتوبر ۱۹۶۲ء، اکتوبر ۱۹۹۳ء، جنوری ۱۹۶۳ء، جولائی ۱۹۶۳ء، اکتوبر ۱۹۶۴ء، جولائی ۱۹۶۴ء، اپریل ۱۹۶۵ء، جولائی ۱۹۶۵ء، اکتوبر ۱۹۶۵ء، اپریل ۱۹۶۵ء، دسمبر ۱۹۸۵ء، جولائی ۱۹۷۲ء، جنوری۔ اپریل ۱۹۷۲ء، ۱۹۹۴ء، ۱۹۹۳ء ۱۹۹۸ مئی۔ جون ۲۰۰۰ء، جنوری۔ فروری۔ مارچ ۲۰۰۱ء
۲۸	فکر وتحقیق	ترقی اردو بیورو، نئی دہلی	جون ۱۹۶۰ء، دسمبر ۱۹۶۰ء، اکتوبر ۱۹۶۳ء، جون۔ دسمبر ۱۹۶۵ء، جون ۔ دسمبر ۱۹۶۷ء، جون ۔ دسمبر ۱۹۶۸ء، جون ۔ دسمبر ۱۹۶۹ء، ۷۹۔۱۹۷۶ء، جون ۱۹۸۸ء، ۸۷۔۱۹۸۰ء، ۱۹۸۹ء، ۹۱۔۱۹۹۰ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۶
۲۹	مجلّہ علوم اسلامیہ	علی گڑھ	
۳۰	منادی	نئی دہلی	۱۹۸۱ء، ۱۹۸۹ء
۳۱	معارف	اعظم گڑھ	مئی ۱۹۴۷ء، مارچ ۱۹۵۲ء، مئی ۱۹۵۲ء، جون، ۱۹۵۲ء، جولائی ۱۹۵۲ء، اگست ۱۹۵۲ء، نومبر ۱۹۵۲ء، جولائی ۱۹۵۳ء، نومبر ۱۹۵۳ء، ستمبر ۱۹۵۴ء، جولائی ۱۹۵۴ء اگست ۱۹۵۴ء، جنوری ۱۹۵۵ء، فروری ۱۹۵۵ء، مارچ ۱۹۵۵ء، اپریل۔ اگست ۱۹۵۵ء، ستمبر ۱۹۵۵ء، جنوری۔ فروری ۱۹۵۶ء، جون ۱۹۵۶ء، مارچ ۱۹۵۶ء، اپریل ۱۹۵۶ء، جنوری ۱۹۵۷ء، فروری ۱۹۵۷ء مارچ ۱۹۵۷ء، اپریل ۱۹۵۷ء مئی ۱۹۵۷ء، جولائی ۱۹۵۷ء،

			اگست ۱۹۵۷ء، ستمبر ۱۹۵۷ء، نومبر ۱۹۵۷ء، جولائی ۱۹۵۸ء، اگست ۱۹۵۸ء، ستمبر ۱۹۵۸ء، اگست ۱۹۶۰ء، ستمبر ۱۹۶۰ء، دسمبر ۱۹۶۰ء، جنوری ۱۹۶۱ء، اگست ۱۹۶۲ء، جنوری ۱۹۶۷ء، جون ۱۹۶۹ء، جولائی ۱۹۶۹ء، مارچ ۱۹۷۶ء اکتوبر ۱۹۶۷ء، جنوری ۱۹۷۷ء، اگست ۱۹۷۹ء، ستمبر ۱۹۷۹ء، نومبر ۱۹۷۹ء، دسمبر ۱۹۷۹ء، جنوری ۱۹۸۰ء، فروری ۱۹۸۰ء مئی ۱۹۸۰ء، جون ۱۹۸۰ء، جولائی ۱۹۸۰ء، اپریل ۱۹۸۱ء، جون ۱۹۸۳ء، ستمبر ۱۹۸۳ء، اکتوبر ۱۹۸۳ء، مارچ ۱۹۸۵ء، ، اپریل ۱۹۸۵ء، اگست ۱۹۸۸ء، مئی ۱۹۸۹ء، جون ۱۹۸۹ء، جون ۱۹۹۰ء، اگست ۱۹۹۰ء، اکتوبر ۱۹۹۰ء، نومبر ۱۹۹۰ء، مئی ۱۹۹۱ء، جون ۱۹۹۱ء، جنوری ۱۹۹۱ء، دسمبر ۱۹۹۲ء، جنوری ۱۹۹۳ء، اگست ۱۹۹۸ء، جولائی ۲۰۰۰ء، ستمبر ۱۹۹۴ء، اکتوبر ۱۹۹۴ء، مئی ۱۹۹۸ء، نومبر ۱۹۹۸ء، اپریل ۲۰۰۰ء، دسمبر ۲۰۰۰ء، مارچ ۲۰۰۱ء، نومبر ۲۰۰۱ء
۳۲	مجلّہ برہان	دہلی	جنوری ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء، جولائی ۱۹۸۴ء، جنوری ۱۹۸۵ء، جنوری ۱۹۸۶ء، جولائی ۱۹۸۷ء جنوری ۱۹۸۸ء
۳۳	معاصر	پٹنہ، بہار	اکتوبر ۱۹۵۸ء، جولائی ۱۹۵۹ء، اکتوبر ۱۹۵۹ء
۳۴	نگار	لکھنؤ	جون ۱۹۵۷ء، مارچ۔ اپریل ۱۹۴۹ء، ستمبر۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء، دسمبر ۱۹۴۷ء، جون ۱۹۵۴ء، ستمبر ۱۹۴۷ء
۳۵	نوائے ادب	علی گڑھ	جولائی ۱۹۵۷ء، اکتوبر ۱۹۵۷ء، مئی ۱۹۵۸ء
۳۶	نوائے ادب	بمبئی	جولائی ۱۹۵۸ء، اکتوبر ۱۹۶۶ء، اکتوبر ۱۹۶۷ء، اکتوبر ۱۹۷۷ء، جنوری ۱۹۷۸ء

۳۸	نقوش	لاہور، پاکستان	۱۹۵۹ء، مارچ ۱۹۶۳ء، اپریل ۱۹۶۶ء، جون ۱۹۶۶ء
۳۹	ہماری زبان	علی گڑھ	۱۹۵۶ء، دسمبر ۱۹۵۸ء، جولائی ۱۹۵۹ء، اگست ۱۹۵۹ء، ۱۹۸۳ء
۴۰	ہسٹری جرنل ہمدرد	دہلی	فروری ۱۹۵۹ء،

English Journals:

S.No:	Name	Place	Month and Year
1	Arabic, Persian Study Journal	Dept. of Persian, Calcutta Univ.	1981-82
2	Bayaz	Anjuman-e- Farsi Delhi	1986, 1991, March 1978
3	Indo Iranica	Calcutta	Sep- Dec 1947,Sep 1961, 1962, June 1963, March 1965, Sep 1966,Sep- Dec 1967, 1944-69, Jan 1970, Sep- Dec1971,Sep- Dec 1972, March-Dec1975, March-June 1977, March-Dec1980, March, Dec1981, March-Dec 1983, March-June 1982, March- June, Sep, Dec 1984, March-June, Sep-Dec1993,Sep, Dec1997, Sep- Dec 1998, Dec 2001,

4	Islamic Culture Hyderabad	April - July 1954,1955, Jan 1956, Oct- Jan 1956- 57, April 1961, April 1964, Oct 1968, Jun 1969, Jan- Oct 1970, 1972,1977, April 1978, Jan-April 1981